واقعۂ شہادت

مقامِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کردارِ یزید

افادات

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، محقق عصر عبدالرشید نعمانیؒ، مفتی اعظم مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ترتیب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

اساتذہ مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد

واقعۂ شہادت

مقامِ حضرت معاویہ ؓ

کردارِ یزید

افادات

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ، حکیم الامت حضرت
مولانا اشرف علی تھانوی ؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب ؒ، محقق
عصر عبد الرشید نعمانی ؒ، مفتی اعظم مفتی شفیع ؒ، مفکر اسلام
ابوالحسن علی ندوی ؒ، شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم

ترتیب
مفتی ابوبکر جابر قاسمی
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

اساتذۂ مدرسہ خیر المدارس حیدر آباد

ناشر
؟؟

جملہ حقوق محفوظ ہیں

دوسرا ایڈیشن: ۱۴۳۶ھ = ۲۰۱۵ء

نام کتاب : واقعۂ شہادت، مقامِ حضرت معاویہ ؓ اور کردارِ یزید
ترتیب : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، فون:09885052592
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی فون:09966488861
صفحات : 348
کمپوزنگ : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد
فون:09704172672, 8801198133

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 040 - 23836868
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 040 - 66710230
- فضل بک ڈپو، جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد، فون: +91 40 - 9440039231
- ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان، حیدرآباد، فون: 040 - 66714341
- ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد، فون: 040 - 24514892
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

فہرست مضامین

○ حرفِ اول ۱۷

واقعۂ شہادت

○ **دعوتِ فکر و عمل** ۲۳
○ **شہید کربلا ؓ** ۲۵
◆ خلافت اسلامیہ پر ایک حادثہ ۲۶
◆ اسلام پر بیعت یزید کا حادثہ ۲۷
◆ بیعت یزید کا طریق کار ۲۷
◆ عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کی رائے ۳۰
◆ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا رقم واپس کرنا ۳۰
◆ حضرت معاویہ ؓ مدینہ میں ۳۱
◆ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے شکایت اور ان کی نصیحت ۳۱
◆ حضرت معاویہ ؓ مکہ میں ۳۱
◆ اجتماعی طور پر معاویہ ؓ کو صحیح مشورہ ۳۲
◆ سادات اہل حجاز کا بیعت یزید سے انکار ۳۳
◆ حضرت معاویہ ؓ کی وفات اور وصیت ۳۳
◆ یزید کا خط ولید کے نام ۳۴
◆ حضرت حسین ؓ اور حضرت زبیر ؓ مکہ چلے گئے ۳۶
◆ گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی ۳۷
◆ اہل کوفہ کے خطوط ۳۸

- مسلم بن عقیل ؓ نے حضرت حسین ؓ کو کوفہ آنے کے لئے دعوت دے دی ۳۹
- حالات میں انقلاب ۳۹
- کوفہ پر ابن زیاد کا تقرر مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم ۴۰
- حضرت حسین ؓ کا خط اہل بصرہ کے نام ۴۱
- ابن زیاد کوفہ میں ۴۱
- کوفہ میں ابن زیاد کی پہلی تقریر ۴۲
- مسلم بن عقیل ؓ کے تأثرات ۴۳
- مسلم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کی چالاکی ۴۳
- ابن زیاد ہانی بن عروہ کے گھر میں ۴۴
- مسلم بن عقیل ؓ کی انتہائی شرافت اور اتباع سنت ۴۵
- اہل حق اور اہل باطل میں فرق ۴۶
- ہانی بن عروہ کی گرفتاری ۴۷
- ہانی کی شرافت، اپنے مہمان کو سپرد کرنے سے انکار ۴۸
- ہانی ابن عروہ پر تشدد و مار پیٹ ۴۸
- ہانی کی حمایت میں ابن زیاد کے خلاف ہنگامہ ۴۹
- محاصرہ کرنے والوں کا فرار اور مسلم بن عقیل ؓ کی بے کسی ۵۰
- مسلم بن عقیل ؓ کا ستر سپاہیوں سے تنہا مقابلہ ۵۲
- مسلم بن عقیل ؓ کی گرفتاری ۵۲
- مسلم بن عقیل ؓ کی حضرت حسین ؓ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت ۵۲
- مسلم بن عقیل ؓ کی شہادت اور وصیت ۵۳
- مسلم بن عقیل ؓ اور ابن زیاد کا مکالمہ ۵۴
- حضرت حسین ؓ کا عزم کوفہ ۵۵
- قصیدہ فرزدق بر شہادت ابن عقیل ؓ ۵۵

◆ عمر بن عبدالرحمن کا مشورہ ٥٦
◆ سفر کی ابتداء ٥٦
◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ ٥٦
◆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا مشورہ ٥٧
◆ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ ٥٨
◆ سعید ابن المسیب کی رائے ٥٨
◆ ابوسلمہ بن عبدالرحمن کی رائے ٥٨
◆ مسور بن مخرمہ کا خط ٥٨
◆ ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کا مشورہ ٥٨
◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مشورہ ٥٩
◆ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوبارہ تشریف لانا ٦٠
◆ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کے لئے روانگی ٦١
◆ فرزدق شاعر کی ملاقات اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد ٦١
◆ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا خط، واپسی کا مشورہ ٦٢
◆ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خواب اور ان کے عزم مصمم کی ایک وجہ ٦٣
◆ ابن زیاد حاکم کوفہ کی طرف سے حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاری ٦٣
◆ صحابہ رضی اللہ عنہم کے روکنے کی اصل وجہ ٦٣
◆ کوفہ والوں کے نام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط اور قاصد کی دلیرانہ شہادت ٦۴
◆ راہ میں عبداللہ بن مطیع سے ملاقات اور ان کا واپسی کے لئے اصرار ٦۴
◆ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا مشورہ ٦٥
◆ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے عزیزوں کا جوش انتقام ٦٥
◆ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت ٦٦
◆ ابن زیاد کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار لشکر لے کر پہنچ گئے ٦٧
◆ دشمن کی فوج نے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی ٦٧

- میدان جنگ میں حضرت حسین ؓ کا دوسرا خطبہ ۶۸
- حر بن یزید کا اعتراف حق ۶۹
- حضرت حسین ؓ کا تیسرا خطبہ ۶۹
- طرماح بن عدی کا معرکہ میں پہنچنا ۷۱
- طرماح بن عدی کا مشورہ ۷۲
- حضرت حسین ؓ کا خواب ۷۳
- علی اکبر ؓ کا مومنانہ ثبات قدم ۷۳
- اصحاب حسین ؓ کا ارادۂ قتال اور حسین ؓ کا جواب کہ میں قتال میں پہل نہ کروں گا ۷۴
- عمر بن سعد چار ہزار کا مزید لشکر لے کر مقابلہ پر پہنچ گیا ۷۴
- حضرت حسین ؓ پر پانی بند کر دینے کا حکم ۷۵
- حضرت حسین ؓ اور عمر بن سعد کی ملاقات اور مکالمہ ۷۵
- حضرت حسین ؓ کا ارشاد کہ تین باتوں میں سے کوئی اختیار کر لو ۷۶
- ابن زیاد کا ان شرطوں کو قبول کرنا اور شمّر کی مخالفت ۷۶
- ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام ۷۷
- حضرت حسین ؓ کا آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھنا ۷۷
- حضرت حسین ؓ نے ایک رات عبادت گزاری کیلئے مہلت مانگی ۷۸
- حضرت حسین ؓ کی تقریر اہل بیت کے سامنے ۷۸
- سعید بن عبداللہ الحنفی کا جواب ۷۹
- عباس بن علی کا جواب ۷۹
- آپ کی ہمشیرہ زینب کی بے قراری ۷۹
- حضرت حسین ؓ کی وصیت اپنی ہمشیرہ اور اہل بیت کو ۸۱
- دعائے حسین ؓ بن علی ؓ ۸۱
- حر بن یزید حضرت حسین ؓ کے ساتھ ۸۲

- دونوں لشکروں کا مقابلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لشکر کو خطاب ۸۲
- بہنوں کی گریہ وزاری اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اس سے روکنا ۸۳
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا درد انگیز خطبہ ۸۳
- زہیر بن القین رضی اللہ عنہ کا خطبہ و نصیحت ۸۵
- عبداللہ بن نمیر کا جوش ۸۸
- شمر بن ذی الجوشن بد بخت کی شرارت ۸۹
- گھمسان کی جنگ میں نماز ظہر کا وقت ۸۹
- حبیب بن مطہر کی شہادت اور عجیب انتقام ۸۹
- عابس بن ابی شبیب کی شہادت ۹۱
- قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی شہادت ۹۲
- عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۹۳
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۹۴
- بے درد لٹیرے ۹۶
- سنان بن انس کی زبان درازی ۹۶
- لاش کو روندا گیا ۹۷
- مقتولین اور شہداء کی تعداد ۹۷
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ابن زیاد کے دربار میں ۹۷
- ایک بچ گیا ۹۷
- کرامت و غیرت ۹۷
- بقیہ اہل بیت کوفہ میں ...... اور ...... ابن زیاد سے مکالمہ ۹۸
- ابن زیاد نامراد کے پاس حاضری ۹۹
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا
  پھر یزید کے پاس شام بھیجا گیا ۱۰۰
- یزید کے گھر میں ماتم ۱۰۱

◆ یزید کے دربار میں زینب کی دلیرانہ گفتگو ۱۰۲

◆ اہل بیت کی عورتیں یزید کی عورتوں کے پاس ۱۰۳

◆ علی بن حسین ؓ یزید کے سامنے ۱۰۳

◆ اہل بیت کی مدینہ کو واپسی ۱۰۵

◆ آپ کی زوجہ محترمہ کا غم وصدمہ اور انتقال ۱۰۶

◆ عبداللہ بن جعفر کو ان کے دو بیٹوں کی تعزیت ۱۰۷

◆ واقعہ شہادت کا اثر فضائے آسمان پر ۱۰۷

◆ حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کے اشعار شہادت حسین ؓ پر ۱۰۸

◆ نواسہ کی کہانی نانا کی زبانی ۱۰۸

◆ شہادت کے وقت آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا گیا ۱۰۹

◆ نبوت سے تین سو سال پہلے لکھا ہوا شعر ۱۰۹

◆ حسین ؓ کی قبر مبارک ۱۱۰

◆ حضرت حسین ؓ کے بعض حالات وفضائل ۱۱۱

◆ سیدنا حسین ؓ کا سر مبارک ۱۱۱

◆ حضرت حسین ؓ کی زریں نصیحت ۱۱۱

◆ صاحب حق کے حق کی فکر ۱۱۱

◆ حضرت حسین کو سید الشہداء کا لقب جائز ہے نہیں؟ ۱۱۵

◆ جواب تصدیق علماء مظاہر العلوم سہانپور ومفتی دار العلوم دیوبند ۱۱۸

◆ جواب سہارنپور ۱۱۸

◆ جواب شبہات ۱۱۹

◆ جواب دیوبند ۱۲۱

◆ سیدنا حسین ؓ بن علی ؓ کے اشعار ۱۲۲

◆ قاتلان حسین ؓ کا عبرتناک انجام ۱۲۳

◆ تقوے کا لقوہ ۱۲۴

◆ قاتل کیوں رو رہا ہے؟ ۱۲۴
◆ قاتل حسین ؓ اندھا ہو گیا ۱۲۵
◆ منہ کالا ہو گیا ۱۲۵
◆ آگ میں جل گیا ۱۲۶
◆ تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا ۱۲۶
◆ ہلاکت یزید ۱۲۶
◆ عمر بن سعد کا انجام ۱۲۶
◆ کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلان حسین ؓ کی عبرتناک ہلاکت ۱۲۷
◆ ابن زیاد کا حشر ۱۲۷
◆ مرقع عبرت ۱۲۹
◆ نتائج وعبر ۱۳۰
◆ **فاعتبروا یاأولی الأبصار** ۱۳۰
◆ اسوہ حسینی ؓ ۱۳۱
◆ حضرت حسین ؓ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی ۱۳۱

ماہِ محرم کی فضیلت اور اس کی وجوہات

◆ اشہر حرم کی حرمت زمانۂ جاہلیت سے ہے ۱۳۸
◆ یومِ عاشورہ ۱۳۹
◆ تین عشروں کی عظمت متوارث ہے ۱۴۲
◆ یوم عاشورہ کے اعمالِ خیر ۱۴۲
◆ یوم عاشورہ کی فضلیت ۱۴۴
◆ یوم عاشورہ میں گھر والوں پر وسعت کرنا ۱۴۵
◆ یوم عاشورہ کی تاریخی اہمیت ۱۴۵
◆ عاشورہ کے نام کی وجہ ۱۴۷

◆ عاشورہ کے روزے کا طریقہ ۱۴۸
◆ ایک اہم سبق ۱۴۹
◆ عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں ۱۴۹
◆ صوم محرم کے تین مراتب ہیں ۱۵۳
◆ ایک غلط فہمی ۱۵۴
◆ ماہ محرم اور اسلامی جنتری ۱۵۵

ماہ محرم کی رسومات وبدعات

◆ تعزیہ ۱۶۱
◆ مجالس ۱۶۳
◆ محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا ۱۶۴
◆ محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ نہ کرنا ۱۶۴
◆ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر کھانا کھلانا ۱۶۵
◆ ماتم حسین رضی اللہ عنہ کی ابتدا کب اور کیسے؟ ۱۶۶
◆ محرم کا تعزیہ ۱۶۶
◆ ہندوستان میں تعزیہ داری ۱۶۷
◆ بدعات محرم اور شیعہ کی ترجمانی ۱۶۸
◆ جہنم کا پیش خیمہ ۱۶۹
☐ **محرم کی ان بدعات کے سلسلہ میں علماء کا فتوی** ۱۷۰
◆ پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فتوی ۱۷۱
◆ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ۱۷۱
◆ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فتوی ۱۷۱
◆ شیخ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا ارشاد ۱۷۲
◆ شیخ نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کا فتوی ۱۷۲

- شیخ فضل رحمن گنج مراد آبادی ؒ کا فتوی ۱۷۲
- علامہ عبدالحی فرنگی محل ؒ کا فتوی ۱۷۳
- عبدالماجد دریا آبادی ؒ کا ارشاد ۱۷۳
- مولانا احمد رضا خان بریلوی ؒ کا فتوی ۱۷۴
- محرم میں واقعہ حسین ؓ بیان کرنا ۱۷۵
- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کا ارشاد ۱۷۵

شہدائے مظلوم کا تذکرہ

- سید الشہداء حضرت حمزہ ؓ کی شہادت ۱۷۹
- حضرت امیر المؤمنین عمر ؓ بن خطاب کی شہادت ۱۸۴
- حضرت عثمان ؓ کی شہادت ۱۹۵
- حضرت علی ؓ کی شہادت ۲۰۰
- حضرت علی ؓ کا خواب ۲۰۱

مقام حضرت معاویہ ؓ

- حضرت معاویہ ؓ صحابہ ؓ کی نظر میں ۲۰۷
- حضرت معاویہ ؓ علی ؓ کی نظر میں ۲۱۲
- حضرت معاویہ ؓ کے متعلق تین گروہ ۲۱۲
- کچھ معاویہ ؓ کے متعلق ۲۱۳
- حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت ۲۲۰
- خلافت راشدہ و ملوکیت کے مابین فرق ۲۲۹
- ایک ضروری بات ۲۳۳
- خلافت و ملوکیت جابرہ میں فرق ۲۳۴
- خلیفہ و بادشاہ میں فرق ۲۳۶
- ایک ضروری گذارش ۲۳۶

- جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ان کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ ۲۳۸
- حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کا رجوع کر لینا ۲۳۹

کردار یزید

- یزید کی ولادت ۲۴۳
- یزید کا طرز زندگی اور اس کی اخلاقی حالت ۲۴۳
- سیاسی اجتہادی خطاء ۲۴۴
- یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ ۲۴۶
- یزید کو ولی عہد بنانے کی شرعی حیثیت ۲۴۷
- کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے؟ ۲۴۹
- حافظ ابن کثیر رحمۃ رحمہ اللہ کی تشریح: ۲۵۶
- علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصریح ۲۵۷
- علامہ ابن خلدون کی تشریح ۲۵۸
- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف ۲۵۸
- یزید کی تخت نشینی اور آغاز خزاں ۲۶۰
- یزید کی ولی عہد کے نقصانات ۲۶۲
- یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں ۲۶۳
- یزید کی حکومت حدیث کی روشنی میں ۲۶۵
- اہلیت یزید ۲۶۷
- یزید اگر خلافت کا اہل نہ تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیوں بیعت کی؟ ۲۶۷
- کیا یزید کی بیعت اجماعی تھی؟ ۲۶۹
- کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے امام کے خلاف خروج کیا؟ ۲۶۹
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف ۲۷۱

◆ یزید کے خلاف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام فی اللہ تھا ۲۷۳

◆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی حامی تھی ۲۷۳

◆ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کسی الزام کی گنجائش نہیں ۲۷۴

◆ احادیث کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحت ۲۷۶

◆ ایک غلط فہمی کا ازالہ در موقف حسین رضی اللہ عنہ ۲۷۷

◆ فاسق ولایت کا اہل ہے یا نہیں؟ ۲۷۸

◆ رئیس المتکلمین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عمدہ تحقیق ۲۷۸

◆ ظالم حکمران کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف ۲۷۹

◆ امام غزالی رحمہ اللہ کا موقف ۲۸۱

◆ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کا موقف ۲۸۳

◆ ابو المعالی امام الحرمین رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر ۲۸۴

◆ اہل سنت والجماعت کا موقف ۲۸۵

◆ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا موقف ۲۸۵

◆ راہ اعتدال ۲۸۶

□ **کردارِ یزید علماء امت کی نظر میں** ۲۸۸

◆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۸۸

◆ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۸۸

◆ مجدد الف رحمہ اللہ ثانی کی نظر میں ۲۸۸

◆ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۸۹

◆ علامہ شبراوی شافعی رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۸۹

◆ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۹۰

◆ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۹۰

◆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی نظر میں ۲۹۱

- صاحب تفسیر حقانی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۱
- علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں ۲۹۲
- یزید کے فسق کو ذکر کرنے کا مقصد ۲۹۳
- قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۴
- مفتی اعظم دار العلوم دیوبند رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۴
- محدث العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۴
- امام المحققین مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۴
- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۵
- حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۵
- شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۵
- شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کا ارشاد ۲۹۶
- قطب الاقطاب سید احمد شہید رحمہ اللہ کا ارشاد ۲۹۶
- امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کا ارشاد ۲۹۶
- حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۷
- قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا کفر کا فتوی ۲۹۷
- علامہ آلوسی رحمہ اللہ صاحب روح المعانی کا فتوی ۲۹۷
- شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۸
- بحر العلوم لکھنوی رحمہ اللہ کا فتوی ۲۹۹
- سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ کا ارشاد ۲۹۹
- نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کا فیصلہ یزید کے بارے میں ۳۰۰
- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں ۳۰۲
- یزید کا فسق اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے ۳۰۳
- ائمہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع ۳۰۴

◆ شخصیت یزید حدیث کی رو سے ۳۰۴

◆ یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں ۳۰۶

◆ یزید کے بارے میں اس کے بیٹے کی شہادت ۳۰۶

☐ **برا بھی جسے برا سمجھے** ۳۰۸

◆ عبیداللہ بن زیاد (بدبخت) کی نظر میں شخصیت یزید ۳۰۸

◆ عبدالملک بن مروان کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا ۳۰۸

◆ یزید کا عقیدہ اور عمل دونوں خراب تھے ۳۰۹

◆ یزید پر لعن کا مسئلہ ۳۱۰

◆ علامہ مقبلی رحمہ اللہ کی رائے ۳۱۰

◆ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تصریحات بلعن یزید ۳۱۲

◆ امام کیاہراسی غزالی ثانی رحمہ اللہ کا فتوی ۳۱۲

◆ لعن یزید میں اختلاف علماء کی بابت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ صاحب کی تحقیق ۳۱۳

◆ یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ صاحب کا فیصلہ ۳۱۵

◆ امام ابوبکر جصاص الحنفی رحمہ اللہ کا فتوی ۳۱۶

◆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تصریح کہ یزید ملعون ہے ۳۱۶

◆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ ۳۱۹

◆ کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کی تعریف وخوبیاں بیان کی؟ ۳۱۹

◆ یزید پلید کا خط ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نام ۳۲۰

◆ یزید پلید کے خط کا جواب ۳۲۱

◆ یزید کا فسق متواتر المعنی ہے ۳۲۴

◆ فسق یزید فقہی ومنصوص مسئلہ ہے نہ کہ تاریخی واجتہادی ۳۲۴

◆ بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے ۳۲۵

◆ بعض لعنت کرنے سے اس لئے رکتے ہیں کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں ۳۲۵

◆ امام غزالی رحمہ اللہ کا نظریہ ۳۲۶
◆ یزید کے نام پر "رضی اللہ عنہ" یا "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا؟ ۳۲۶
◆ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتوی ۳۲۷
◆ کیا یزید صحابی تھا؟ ۳۲۸
◆ یزیدی دور کے سیاہ کارنامے ۳۳۲
◆ مقام حرہ ۳۳۲
◆ واقعہ حرہ اور آپ ﷺ کی پیشن گوئی ۳۳۲
◆ جنگ حرہ کا سبب اور واقعہ حرہ ۳۳۳
◆ حرمین کی بے حرمتی ۳۳۴
◆ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدسلوکی ۳۳۴
◆ واقعہ حرہ اسلام کے بڑے مصائب میں سے ہے ۳۳۵
◆ واقعۂ حرہ کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قول ۳۳۶
◆ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ کا قول فتنہ حرہ کے متعلق ۳۳۶
◆ جنگ حرہ میں شہید ہونے والے صحابہ و تابعین کی تعداد ۳۳۶
◆ جنگ قسطنطنیہ سے متعلق حدیث سے خوش فہمی کا ازالہ ۳۳۶
◆ حدیث قسطنطنیہ اور محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق ۳۳۷
◆ حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی تحقیق ۳۳۹
◆ حکیم الاسلام قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق ۳۴۰
◆ خیر القرونی قرنی والی حدیث کی وجہ سے یزید خیریت کا مصداق ہے یا نہیں؟ ۳۴۲
◆ اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم ہے ۳۴۳
◆ یزید کا انجام بد ۳۴۳
◆ یزید کی موت ۳۴۴
◆ خود ہی فیصلہ کیجئے ۳۴۵
☐ فہرست مآخذ و مراجع ۳۴۵

حرفِ اول

اللہ رب العزت کا بے انتہا انعام واحسان ہے جس کی نظرِ رحمت سے بندہ کو قلمی میدان میں خامہ فرسائی کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

زیرِ نظر کتاب ''**واقعۂ شہادت، مقام حضرت معاویہ ؓ اور کردار یزید**'' اکابرِ امت کے افادات ہیں، جنہیں مثبت انداز میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب کی ترتیب میں طریقہ کار کچھ یوں رہا:

پہلا کام: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی ؒ کی کتاب ''اسوۂ حسینی یعنی شہید کربلا'' شہادتِ حسین ؓ کے متعلق پیشِ نظر رکھی گئی؛ چونکہ شہادتِ حسین کے متعلق تقریروں وتحریروں میں زائد از ضرورت تکلفات کا التزام کیا جاتا ہے، قصہ گوئی، واقعہ بیانی میں لطف کے پیشِ نظر تاویلی طرز اختیار کر کے حاطب لیل کی طرح رطب ویابس کو اکٹھا کر کے قصہ کو درد انگیز ورقت آمیز بنا کر مقصد اصلی سے بعد بعید پیدا کر دیا جاتا ہے، جس بنا پر شہادتِ حسین ؓ کی بعض کڑیاں خود ذاتِ بابرکت سیدنا حسین ؓ کے معارض نظر آتی ہیں؛ اس لئے اس کتاب کا انتخاب کیا گیا جو ایک عظیم شخصیت کی دست کاری اور موضوع وغیر مستند واقعات سے بالکل عاری ہے۔ اور اس پر چند فوائد کا باحوالہ حاشیہ کی شکل میں اضافہ کیا گیا ہے۔

دوسرا کام: ماہ محرم کے فضائل و احکام مختصراً بالترتیب سپرد قرطاس کیے گئے؛ تاکہ مضمون جامع اور قارئین کو استفادہ تام ہو۔

تیسرا کام: یہ کیا گیا کہ ماہِ محرم میں پائے جانے والے مروجہ رسومات بدعیہ کا ذکر کیا گیا جس سے ماہ محرم کی حقیقت بھی واضح ہوجائے۔

چوتھا کام: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ کیا گیا؛ تاکہ تاریخ کی مظلوم شخصیات کا علم رہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں مبالغہ آرائی نہ ہو۔

پانچواں کام: مقام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختصر لیکن جامع تذکرہ کیا گیا؛ تاکہ یزید کی کارستانیوں کی قباحت آپ رضی اللہ عنہ تک متعدی نہ ہووے۔

چھٹواں کام: کردار یزید سے متعلق اکابرِ امت کی آراء باحوالہ پیش کی گئی ہیں، اس میں یزید کو فاسق بنانے کی سعی لاحاصل نہیں کی گئی ہے اور نہ اس کے متعلق اپنا کوئی اظہار خیال پیش کیا گیا ہے اور یہ کام یزید کے ذاتی عداوت کی بناء پر ہے اور نہ اس وجہ سے کہ فسق کے ثبوت کو کوئی عبادت واجبہ سمجھا گیا ہے؛ بلکہ **"أنزلوا الناس منازلهم"** کے تحت ہر فرد بشر کو اس کا واجبی درجہ دیدیا جائے، اس لئے خالص نظریاتی اور معتدل مزاجی کیفیت کے ساتھ کتاب کو ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اور ویسے راقم الحروف پہلا شخص نہیں ہے جس نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہو اور نہ موضوع جدت کا حامل ہے؛ بلکہ ہمارے نامور اہل علم وقلم حضرات نے اس موضوع کو اپنی فکر ونظر سے سیراب کرنے میں کمی نہیں کی ہے اور موضوع کی تشنگی کو دیرپا سیرابی بخشی ہے اور بہت سی کتابیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی ہیں؛ لیکن چونکہ اکثر کتابیں جو کردارِ یزید پر مرقوم ہوئیں مناظرانہ انداز کی تھیں، جو کسی نہ کسی فرقہ کی تردید میں نوکِ قلم پر آئیں اور یہ بات عیاں ہے کہ طرزِ مناظرہ سے مدمقابل قبولِ حق کے لئے بہت کم آمادہ

ہوتا ہے، اس سے ہرگز انکار نہیں کہ اپنے وقت کے لحاظ سے وہی طرز موزوں وضروری تھا اور اپنے وقت میں مفید بھی رہا۔

لہٰذا مفتی ابوبکر صاحب مدظلہ کی معیت میں ہم نے مثبت انداز میں کردار یزید سے متعلق اکابرِ امت کی آراء پیش کردی ہیں اور کتاب کے آخر میں ’’فیصلہ خود کیجیے!‘‘ کے عنوان سے فیصلہ ناظرین کے حوالہ کردیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تعدیل وتفسیق یزید میں کچھ ایسی کشاکشی اور افراط وتفریط کا صدور ہوگیا ہے کہ کوئی تو اس کی تعدیل میں صحابی نہیں؛ بلکہ نبی کے درجہ تک اس کو پہنچا دیا ہے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس کی عدالت میں مجرم بنا کر پیش کردیا ہے (نعوذ باللہ) اور کوئی اس کی تفسیق میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ و دیگر اصحاب رسول پر بھی جرح کرنے کی جرأت کر بیٹھا ہے اور ان مقدس ومحفوظ شخصیات کو بھی فسق یزید میں شمار کردیا ہے۔

موضوع کچھ ایسا نازک ہے کہ معتدل المشرب اور متوسط الخیال اشخاص کا ہی ہم آہنگ ہے، اس لئے ذہن کو حدودِ آداب کا پابند رکھتے ہوئے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شانِ صحابیت پر کسی طرح کی قولی، فعلی، قلمی، یا اعتقادی آنچ آنے سے اجتناب کلی کا التزام کرتے ہوئے حقیقتِ یزید کو واضح کرنے کے لئے اکابرِ امت کی آراء پر استناد کیا گیا ہے۔

اور بندہ بہت ممنون ہے حضرت مفتی ابوبکر صاحب مدظلہ کا جن کی نظر انتخاب نے مجھ نااہل کو لائق کار اور اہل گردانا اور اپنی علمی وتالیفی صحبت سے نوازا اور مفتی رفیع الدین حنیف صاحب کا جن کی توجہ بابرکت سے کتاب استنادی حیثیت کی حامل ہوئی، تخریج احادیث اور اصل کتب سے مراجعت کا کارِ عظیم آپ ہی نے انجام دیا ہے، مجھے ان حضرات کی صحافتِ قلمی وثقافتِ علمی پر رشک آتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صاحبِ علم وعلم دوست بنائے۔

اور چونکہ بندہ کا گلشنِ تالیف وتصنیف میں یہ پہلا قدم ہے جو اپنی علمی بے بساطی کی حالت میں اٹھایا گیا ہے اور بندہ کو اپنے فکر نارسا اور اپنی ناقص استعداد کا خوب علم

ہے، اس لئے سہو وچوک کا احتمال ہے؛ لہٰذا ناظرین باتمکین واہل کرم سے مسامحت اور اصلاح کی مؤدبانہ درخواست ہے کہ جہاں کہیں بھی جو کچھ جادۂ صواب سے ہٹا ہوا نظر آئے تو بجائے اکابر کی طرف منسوب کرنے کے بندہ کی چوک سمجھیں کہ وہ یقیناً میرے نفس وقلم کی لغزش ہے اور آگاہ فرمائیں۔

اس کتاب کو ایک فکری واصلاحی سنگِ میل کی حیثیت سے قارئین کے نذر کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوشش کو قبولیت بخشے، کتاب کو خصوصی فیضان سے نوازے اور علوم دینیہ کی خدمت میں اخلاص ارزانی فرمائے! آمین۔

کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

احمد اللہ نثار قاسمی

۲۲/ذی القعدہ ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات

09966488861

میرے رفیق تدریس مفتی احمد اللہ نثار، باذوق، جید استعداد شخصیت ہیں، سارا کام انہوں نے ہی انجام دیا ہے، عنوان کا انتخاب، مواد کی فراہمی، وقتاً فوقتاً ناقص مشوروں سے اس عاجز نے خدمت کی ہے، اب ان کا اصرار ہے کہ اس حسین ترتیب پر اس روسیاہ کا نام بھی آجائے (شاید تاکہ نظر نہ لگے) احقر نے ان کی دلجوئی کی خاطر قبول کرلیا، پروردگار عالم اپنے فضل سے قبول فرمائے!

۱۷/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
ابوبکر جابر قاسمی
۱۳/اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز پیر

واقعۂ شہادت

دعوتِ فکر و عمل

جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدِ شباب اہل الجنۃ حضرت حسین ؓ کی دردناک مظلومانہ شہادت پر تو زمین و آسمان روئے، جنات روئے، جنگل کے جانور متاثر ہوئے، انسان پھر مسلمان، تو ایسا کون ہے جو اس کا درد محسوس نہ کرے، یا کسی زمانہ میں بھول جائے؛ لیکن شہیدِ کربلا ؓ کی روحِ مقدس درد و غم کا رسمی مظاہرہ کرنے والوں کے بجائے ان لوگوں کو ڈھونڈتی ہے جو ان کے درد کے شریک اور مقصد کے ساتھی ہوں، ان کی خاموش مگر زندہ جاوید زبان مبارک مسلمانوں کو ہمیشہ اس مقصد عظیم کی دعوت دیتی رہتی ہے، جس کے لئے حضرت حسین ؓ بے چین ہو کر مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کوفہ جانے کے لئے مجبور تھے، اور جس کے لئے اپنے سامنے اپنی اولاد اور اپنے اہل بیت کو قربان کر کے خود قربان ہو گئے۔ واقعۂ شہادت کو اول سے آخر تک دیکھئے، حضرت حسین ؓ کے خطوط اور خطبات کو غور سے پڑھئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ مقصد یہ تھا، کتاب و سنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دینا۔ اسلام کے نظامِ عدل کو ازسرنو قائم کرنا، اسلام میں خلافتِ نبوت کے بجائے ملوکیت و آمریت کی بدعت کے مقابلہ میں مسلسل جہاد، حق کے مقابلہ میں زور و زر کی نمائشوں سے مرعوب نہ ہونا، حق کے لئے اپنا جان مال اور اولاد سب قربان کر دینا، خوف و ہراس اور مصیبت و مشقت میں نہ گھبرانا، اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور اسی پر توکل اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، کوئی ہے جو جگر گوشۂ رسول ﷺ مظلومِ کربلا، شہیدِ جور و جفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقش قدم پر انجام دینے کے لے تیار ہو، ان کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے، یا اللہ ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ؓ

اور اہلِ بیت اطہار کی محبت کاملہ اور اتباع کامل نصیب فرما۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الحمد لله الذی لم یزل ولا یزال حیا قیوما سمیعا بصیرا
والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقه الذی ارسله شاهدا ومبشرا
وسراجا منیرا وعلی نجوم الهدیٰ اهل بیته وأصحابه الذی نورا
وتنویرا**

سیدِ شباب اہل الجنۃ ریحانۂ رسول ﷺ حضرت حسین ؓ اور ان کے اصحاب کی مظلومانہ و دردانگیز شہادت کا واقعہ کچھ ایسا نہیں جس کو بھلایا جا سکے، نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان اسے اپنے دل میں ایک درد محسوس کرنے پر مجبور ہے اور اس میں اہل نظر کے لئے بہت سی عبرتیں اور نصائح ہیں؛ اس لئے اس واقعہ کے بیان میں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں مفصل و مختصر کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں؛ لیکن ان میں بکثرت ایسے رسائل ہیں جن میں صحیح روایات اور مستند کتابوں سے مضامین لینے کا اہتمام نہیں کیا گیا، اس لئے زمانہ دراز سے بعض احباب کا تقاضہ تھا کہ اس موضوع پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھا جائے، مگر مشاغل سے فرصت نہ تھی، اس وقت اتفاقاً ایک مختصر مضمون اسوۂ حسینی لکھنے کے قصد سے قلم اٹھایا گیا جس میں ان حضرات کی خواہش کی بھی تکمیل ہو گی۔

فلله الحمد وهو ولي التوفيق،

ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

لیلۃ العاشوراء من ۱۳۷۵

* * *

شہید کربلا ؓ

یوں تو دنیا کی تاریخ کا ہر ورق انسان کے لئے عبرتوں کا موقع ہے، خصوصاً اس کے اہم واقعات تو انسان کے ہر شعبہ زندگی کے لئے ایسے اہم نتائج سامنے لاتے ہیں جو کسی دوسری تعلیم و تلقین سے حاصل نہیں ہو سکتے، اسی لئے قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ قصص اور تاریخ پر مشتمل ہے، قرآن مجید نے تاریخ کو تاریخ کی حیثیت یا کسی قصہ و افسانہ کی صورت سے مدون و مرتب شکل میں پیش نہیں کیا، اس میں یہی اشارہ ہے کہ تاریخ خود اپنی ذات میں کوئی مقصد نہیں بلکہ وہ نتائج ہیں جو تاریخ اقوام اور ان میں پیش آنے والے واقعات سے حاصل ہوتے ہیں، اس لئے قرآن کریم نے قصص کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نتائج کے لئے پیش فرمائے ہیں۔

سیدنا و سید شباب اہل الجنة حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعۂ شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں بھی اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس میں ایک طرف ظلم و جور اور سنگدلی اور بے حیائی و محسن کشی کے ایسے ہولناک اور حیرت انگیز واقعات ہیں کہ انسان کو ان کا تصور بھی دشوار ہے، اور دوسری طرف آل اطہار رسول اللہ ﷺ کے چشم و چراغ اور ان کے ستر بہتر متعلقین کی چھوٹی سی جماعت کا باطل کے مقابلہ پر جہاد اور اس پر ثابت قدمی اور قربانی اور جاں نثاری کے ایسے محیر العقول واقعات ہیں جن کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل ہے اور ان دونوں میں آنے والی نسلوں کے لئے ہزاروں عبرتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

واقعہ شہادت جب سے پیش آیا اس وقت سے لے کر آج تک اس پر علاوہ مفصل کتب تاریخ کے مستقل کتابیں اور رسالے ہر زبان میں بے شمار لکھے گئے لیکن ایسے وقائع

جس سے عوام وخواص کا دلی تعلق ہو اس میں غلط سلط روایات کی آمیزش کچھ مستبعد نہیں، میں نے اس زیر نظر رسالہ میں اس کی کوشش کی ہے کہ غیر مستند روایت نہ آنے پائے۔

اس کا اصل متن تاریخ کامل ابن اثیر ہے جو عزیز الدین ابن اثیر جزری کی تصنیف اور کتب تاریخ میں ہر طبقہ میں مقبول و مستند مانی گئی ہے۔ دوسری کتب تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء، اسعاف الراغبین وغیرہ اور عام کتب حدیث سے بھی اقتباسات لئے گئے ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ واقعات ایک دریائے خون ہے، جس میں داخل ہونا آسان نہیں، ان واقعات کے لکھنے اور دیکھنے سننے کے لئے بھی جگر تھام کر بیٹھنا پڑتا ہے، میں (۱) مختصر طور پر ان کو پیش کر رہا ہوں۔ **واللہ ولی التوفیق۔**

خلافت اسلامیہ پر ایک حادثہ

حضرت ذی النورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس میں منافقین کی سازشیں بھولے بھالے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے واقعات پیش آتے ہیں، مسلمانوں کی آپس میں تلوار چلتی ہے، مسلمان بھی وہ جو خیر الخلائق بعد الانبیاء کہلانے کے مستحق ہیں، خلافت کا سلسلہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر پہنچتا ہے تو حکومت میں خلافت راشدہ کا وہ مثالی رنگ نہیں رہتا، جو خلفائے راشدین کی حکومتوں کو حاصل تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ زمانہ سخت فتنہ کا ہے، آپ اپنے بعد کے لئے کوئی ایسا انتظام کریں کہ مسلمانوں میں پھر تلوار نہ چلے اور خلافت اسلامیہ پارہ پارہ ہونے سے بچ جائے، باقتضائے حالات یہاں تک تو کوئی نامعقول یا غیر شرعی بات بھی نہ تھی؛ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے بیٹے یزید کا نام مابعد خلافت کے لئے پیش کیا جاتا ہے، کوفہ سے چالیس مسلمان آتے ہیں یا بھیجے جاتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی درخواست کریں کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے یزید سے زیادہ کون قابل اور ملکی سیاست کا ماہر نظر آتا ہے، اس کے لئے بیعت خلافت لے لی جائے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شروع میں کچھ تامل بھی ہوتا ہے، اپنے مخصوصین سے مشورہ کرتے ہیں، ان میں اختلاف

---

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

ہوتا ہے، کوئی موافقت میں رائے دیتا ہے، کوئی مخالفت میں، یزید کا فسق و فجور بھی اس وقت تک کھلا نہیں تھا، بالآخر بیعت یزید کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے۔ (۱)

اسلام پر بیعت یزید کا حادثہ

شام و عراق میں معلوم نہیں کس کس طرح لوگوں نے یزید کے لئے بیعت کا چرچا کیا اور یہ شہرت دی گئی کہ شام و عراق، کوفہ و بصرہ یزید کی بیعت پر متفق ہوگئے، اب حجاز کی طرف رخ کیا گیا، حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے امیر مکہ و مدینہ کو اس کام کے

---

(۱) **بیعت یزید کا طریق کار**

حضرت معاویہ ؓ نے اپنے بعد حضرت حسن ؓ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا تو ان کے بعض عمال نے یزید کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی، اس میں ان کو تردد تھا، مگر جب حسن ؓ کی وفات ہوئی تو یزید کے معاملہ میں حضرت معاویہ ؓ کی توقعات اور ولی عہدی کے امکانات روشن ہوگئے، پدرانہ محبت و تعلق کی بنا پر حضرت معاویہ ؓ سے ایسا ہونا غیر طبعی اور غیر فطری بھی نہ تھا، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اثنائے گفتگو کہا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ رعیت کو اپنے بعد بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح چھوڑ دوں جو بارش میں بھیگ رہی ہوں اور اس کا کوئی راعی نہ ہو۔ (البدایہ: ۵/ ۴۹۷)

حضرت معاویہ ؓ نے یزید کے بیعت کے لئے لوگوں کو ۴۹ھ میں بلایا، مسلمانوں نے اس کو عام طور پر ناپسند کیا اور سخت اختلاف کا اظہار کیا؛ کیونکہ لوگوں کو یزید کے مشاغل شکار و تفریح سے شغف کا علم تھا، لوگوں نے یزید سے کہا کہ وہ اس کے لئے آگے نہ بڑھے؛ کیونکہ اس سے اجتناب و احتیاط اس کے لئے سعی و کوشش کرنے سے بہتر ہے، یزید اس عام تاثر کو معلوم کرکے اس ارادہ اور اس کے لئے سعی کرنے سے باز رہا، اور اپنے والد سے گفت و شنید کی اور اس کے ترک کرنے پر متفق ہوگیا۔

(حوالہ سابق)

جب ۵۹ھ شروع ہوا تو حضرت معاویہ ؓ نے یزید کے لئے بیعت لینے کا انتظام شروع کیا، اور لوگوں کو اس امر کی دعوت دی، اور تمام ممالک میں اس کی اطلاع بھیج دی، سبھوں نے تمام ممالک میں بیعت کرلئے جانے کی خبریں آنے لگیں، سوائے حضرات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حسین بن علی رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے۔ انہوں نے کھل کر مخالفت کی۔

(۱) عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کی رائے

صحیح بخاری میں ہے:

”حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا أبو عوانۃ عن أبی بشر عن یوسف بن مالک قال: کان مروان علی الحجاز استعملہ معاویۃ،

لئے مامور کیا گیا، مدینہ کا عامل مروان تھا، اس نے خطبہ دیا اور لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین معاویہ ؓ ، ابوبکر ؓ کی سنت کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کے لئے یزید کی خلافت پر بیعت لی جائے، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ غلط ہے، یہ ابوبکر ؓ وعمر ؓ کی سنت نہیں؛ بلکہ کسری وقیصر کی سنت ہے۔ ابوبکر ؓ وعمر ؓ نے خلافت اپنی اولاد میں منتقل نہیں کی اور نہ اپنے کنبہ ورشتہ میں، حجاز کے عام مسلمانوں کی نظریں اہل بیت اطہار کی طرف لگی ہوئی تھیں، خصوصاً حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر جن کو وہ بجاطور پر حضرت معاویہ ؓ کے بعد مستحق خلافت سمجھتے تھے، وہ اس میں حضرت حسین ؓ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کے منتظر تھے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ (۱)

فخطب فجعل يذكر يزيد بن معاوية لكي يبايح له بعد أبيه ، فقال له عبد الرحمن بن أبي بكر : شيئًا ، فقال : خذوه ، فدخل بيت عائشة ، فلم يقدروا ، فقال مروان: إن هذا الذي أنزل فيه والذي قال لوالديه أف لكما اتعدانني ؟ فقالت عائشة من وراء الحجاب: ما أنزل الله فينا شيئا من القرآن إلا أن الله أنزل عذري" (صحيح بخاري، كتاب التفسير: ۲/۵۰۷، سوره احقاف)

”یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ مروان، حجاز کا گورنر تھا جس کو امیر معاویہ ؓ نے وہاں کا عامل مقرر کیا تھا، اس نے خطبہ دیا جس میں یزید بن معاویہ ؓ کے متعلق ذکر کرنے لگا تا کہ حضرت معاویہ ؓ ے بعد اس کے لئے بیعت ہوجائے، اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ نے کچھ کہا تو اس نے (برافروختہ ہوکر) اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو، یہ سن کر عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ اپنی بہن ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کے حجرہ میں گھس گئے اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ چل سکا، اب مروان چیخ کر کہا یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور جس شخص نے اپنے ماں باپ کو کہا کہ میں بیزار ہوں تم سے۔ کیا تم مجھ کو وعدہ کرتے ہو؟ حضرت ام المومنین ؓ نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی سنی تو) پردے کے پیچھے سے ہی جواب دیا کہ اللہ نے ہماری

مذمت میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں فرمایا، ہاں اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاکدامنی کی آیتیں ضرور نازل فرمائی ہیں''۔

امام بخاری کی اس روایت میں اجمال ہے، اس کی تفصیل مستخرج اسماعیلی میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے:

"فأراد معاوية أن يستخلف يزيد يعني ابنه ، فكتب إلى مروان بذلک، فجمع مروان الناس فخطبهم ، وذكر يزيد ودعا إلى بيعته ، وقال إن الله أرىٰ أمير المؤمنين في يزيد رأيا حسنا وأن يستخلفه فقد استخلف أبوبكر عمر" (فتح الباري، باب والذي قال لوالديه أف لكما: ٨/٥٧٦)

''معاویہ ؓ نے ارادہ کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا، اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا، اس میں یزید کا ذکر کر کے اس کی بیعت کی دعوت دی اور کہنے لگا، اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں اچھی رائے سمجھائی ہے، اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکر ؓ عمر ؓ کو بھی تو خلیفہ بنا چکے ہیں''۔

اس پر حضرت صدیق اکبر ؓ فرزند نے فرمایا:

"ماهي إلا هرقلية"، "یہ تو ہرقل کی اتباع کے سوا کچھ نہیں'' (ہرقل عیسائی فرمانروا قیصر کا نام ہے)۔ حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"فقال مروان سنة أبي بكر ؓ وعمر ؓ فقال عبد الرحمن ؓ : سنة هرقل وقيصر"

''مروان کہنے لگا یہ ابوبکر ؓ اور عمر ؓ کی سنت ہے، اس پر حضرت عبد الرحمن ؓ نے فرمایا: (نہیں بلکہ) ہرقل و قیصر کی رسم ہے''۔

اور مسند ابی یعلی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ کی تفصیل یہ مروی ہے:

"كنت في المسجد حين خطب مروان، فقال : إن الله قد أرى أمير المؤمنين رأيا حسناً في يزيد، وأن يستخلفه فقد استخلف أبوبكر ؓ عمر ؓ ، فقال عبد الرحمن: هرقلية أن أبابكر ؓ والله ما جعلها في أحد من ولده ولا في أهل بيته وما جعلها معاوية ؓ إلا كرامة لولده"

(تفسير ابن أبي حاتم، سورة الأحقاف: ١٢/٢٢٧)

''جس وقت مروان نے خطبہ دیا تو میں مسجد نبوی میں موجود تھا، کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین (معاویہ) کو یزید کے بارے میں عمدہ رائے سمجھائی ہے، اگر وہ

اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکر ؓ، عمر ؓ کو بھی بنا چکے ہیں، اس پر حضرت عبدالرحمن ؓ فرمایا: یہ تو ہرقل کا طریقہ ہے، قسم بخدا! ابوبکر ؓ نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت نہیں سونپی اور نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنایا، مگر معاویہ ؓ تو اپنے بیٹے کو اعزاز بخشنا چاہتے ہیں‘‘ (بحوالہ شہدائے کربلا:۲۱۹)

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا رقم واپس کرنا

اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ ؓ نے ایک لاکھ درہم آپ کی خدمت میں روانہ فرمائے، مگر حضرت ممدوح نے یہ کہہ کر ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ **ابیع دینی دنیائی** (کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کا سودا کرلوں)۔ (حادثہ کربلا کا پس منظر:۲۶، بحوالہ ابن الاثیر)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ ؓ کو یزید کی ولی عہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنایئے نہ کہ حکمرانوں اور بادشاہوں کو اپنے بعد معاملہ کو اس طرح چھوڑ جایئے جس طرح رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے تھے کہ انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکر ؓ کو منتخب کیا، پھر حضرت ابوبکر ؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا، مگر اولاد کو نہیں نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو یا خلیفہ ثانی حضرت عمر ؓ کی طرح کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنادی تھی، مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھا۔ (حادثہ کربلا کا پس منظر:۲۶، بحوالہ ابن الاثیر)

ان حضرات کے سامنے اول تو کتاب وسنت کا یہ اصول تھا کہ خلافت اسلامیہ خلافت نبوت ہے، اس میں وراثت کا کچھ کام نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو، بلکہ ضروری ہے کہ آزادانہ انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کیا جائے دوسرے ان کی نگاہ میں یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے، کہ اس کو تمام ممالک اسلامیہ کا خلیفہ مان لیا جائے۔

ویسے یزید کے ذاتی احوال کا تذکرہ تفصیل سے آئے گا، اجمالاً یہ کہ اس کے اندر (دیگر اوصاف ناپسندیدہ کے علاوہ یہ بھی اوصاف تھے کہ وہ شہوات کی طرف بہت مائل تھا، کبھی وہ تارک صلوٰۃ بھی بن جاتا تھا، نمازوں کے سلسلہ میں وہ نہایت لاپرواہی کا شکار تھا:

”وکان فیه ایضًا اقبال علی الشهوات والترک الصلاة فی بعض الاوقات واماتتهافی غالب الاوقات“ **(البدایة:۵/۶۲۵)**

اس لئے ان حضرات نے اس تجویز کی مخالفت کی اور ان میں سے اکثر آخر دم تک مخالفت پر ہی رہے، اسی حق گوئی اور حمایت حق کے نتیجہ میں مکہ و مدینہ میں دار و رسن اور کوفہ و کربلا میں قتل عام کے واقعات پیش آئے۔

حضرت معاویہ ؓ مدینہ میں

حضرت معاویہ ؓ نے خود ۵۱ھ میں حجاز کا سفر کیا، مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، ان سب حضرات سے نرم وگرم گفتگو ہوئی، سب نے کھلے طور پر بیعت یزید پر مخالفت کی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے شکایت اور ان کی نصیحت

امیر معاویہ ؓ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے یہ شکایت کی کہ یہ حضرات میری مخالفت کرتے ہیں، ام المومنین ؓ نے ان کو نصیحت کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ان پر جبر کرتے ہیں، اور قتل کی دھمکی دیتے ہیں، آپ کو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے، حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا یہ غلط ہے، وہ حضرات میرے نزدیک واجب الاحترام ہیں میں ایسا نہیں کرسکتا؛ لیکن بات یہ ہے کہ شام وعراق اور عام اسلامی شہروں کے باشندے یزید کی بیعت پر متفق ہوچکے ہیں، بیعت خلافت مکمل ہوچکی ہے، اب یہ چند حضرات مخالفت کررہے ہیں، اب آپ ہی بتلائیے کہ مسلمانوں کا کلمہ ایک شخص پر متفق ہوچکا ہے، اور یہ بیعت مکمل ہوچکی ہے، کیا میں اس بیعت کو مکمل ہونے کے بعد توڑ دوں؟ ام المؤمنین ؓ نے فرمایا یہ تو آپ کی رائے ہے، آپ جانیں؛ لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ ان حضرات پر تشدد نہ کیجئے، احترام ورفق کے ساتھ ان سے گفتگو کیجئے، حضرت معاویہ ؓ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا(۱)

حضرت حسین ؓ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت معاویہ ؓ کے قیام مدینہ کے زمانہ میں یہ محسوس کرتے تھے کہ ہمیں مجبور کیا جائے گا، اس لئے مع اہل وعیال مکہ مکرمہ پہنچ گئے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔

حضرت معاویہ ؓ مکہ میں

مدینہ کے بعد حضرت معاویہ ؓ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے یہاں اول حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو بلایا اور فرمایا: اے ابن عم! تم مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مجھے

---

(۱) **البدایۃ والنہایۃ: ۸/۷۹، مکتبۃ المعارف**

ایک رات ایسی گزارنا پسند نہیں جس میں میرا کوئی امیر نہ ہو، میں نے اس امر کے پیش نظر اپنے بعد کے لئے یزید کی خلافت پر بیعت لے لی ہے کہ میرے بعد مسلمانوں میں افراتفری نہ پھیلے سب مسلمان اس پر متفق ہوگئے، تعجب ہے کہ آپ اختلاف کرتے ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ: آپ سے پہلے بھی خلفاء تھے اور ان کے بھی اولاد تھی، آپ کا بیٹا کچھ ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے، مگر انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ رائے قائم نہیں کی جو آپ اپنے بیٹے کے لئے کررہے ہیں، بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا، آپ مجھے تفریق ملت سے ڈراتے ہیں، سو آپ یاد رکھیں کہ میں تفرقہ بین المسلمین کا سبب ہرگز نہ بنوں گا، میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، اگر سب مسلمان کسی راہ پر پڑ گئے تو میں بھی ان میں شامل رہوں گا۔ (۲)

اس کے بعد عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی، انہوں نے شدت سے انکار کیا کہ میں کبھی اس کو قبول نہیں کروں گا، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلاکر خطاب کیا، انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ (۳)

اجتماعی طور پر معاویہ ؓ کو صحیح مشورہ

اس کے بعد حضرت حسین ؓ بن علی ؓ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ خود جاکر حضرت معاویہ ؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ آپ کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹے کے لئے بیعت پر اصرار کریں، ہم آپ کے سامنے تین صورتیں رکھتے ہیں، جو آپ کے پیشروؤں کی سنت ہے:

۱) آپ وہ کام کریں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا کہ اپنے بعد کے لئے کسی کو متعین نہیں فرمایا؛ بلکہ مسلمانوں کی رائے عامہ پر چھوڑ دیا

۲) یا وہ کام کریں جو ابوبکر ؓ نے کیا کہ ایک ایسے شخص کا نام پیش کیا جو نہ ان کے خاندان

---

(۱) **البدایہ:** ۵/ ۵۹۷

(۲) **تاریخ الخلفاء للسیوطی: بعض الأدوات في عصره: ۱/ ۱۷۳، مطبعة السعادة، مصر**

(۳) حوالہ سابق

کا ہے نہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے اور اس کی اہلیت پر بھی سب مسلمان متفق ہیں۔

۳) یا وہ صورت اختیار کریں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی کہ اپنے بعد کا معاملہ چھ آدمیوں پر دائر کر دیا، اس کے سوا ہم کوئی چوتھی صورت نہیں سمجھتے، نہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اس رائے پر اصرار رہا کہ اب تو یزید کے ہاتھ پر بیعت مکمل ہو چکی ہے، اس کی مخالفت آپ لوگوں کو جائز نہیں ہے۔(۱)

سادات اہل حجاز کا بیعت یزید سے انکار

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تو یہ معاملہ یہیں تک رہا کہ شام و عراق کے تو عام لوگوں نے یزید کی بیعت کو قبول کر لیا، اور دوسرے حضرات نے جب یہ دیکھا کہ یزید پر مسلمانوں کی بڑی تعداد مجتمع ہوگئی تو بحالت مجبوری انہوں نے بھی مسلمانوں کو انتشار اور تفرقہ سے بچانے کے لئے اس کی بیعت قبول کر لی، مگر اہل مدینہ اور خصوصاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیعت یزید سے انکار پر ثابت قدم رہے اور کسی کی رائے کی پرواہ کئے بغیر حق بات کا اعلان کرتے رہے کہ یزید ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو خلیفۃ المسلمین بنایا جائے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور یزید بن معاویہ نے ان کی جگہ لے لی۔(۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور وصیت

وفات سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو کچھ وصیتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ میرا اندازہ یہ ہے کہ اہل عراق حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے مقابلے پر آمادہ کر دیں گے، اگر ایسا ہو اور مقابلہ میں تم کامیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر کرنا، اور ان کی قرابت رسول اللہ ﷺ کا پورا احترام کرنا، ان کا سب مسلمانوں پر بڑا حق ہے۔(۳)

---

(۱) **البدایہ: ۵/ ۵۱۸** (۲) حوالہ سابق

(۳) تاریخ کامل ابن اثیر: ۱/۴ **"فلما احتضر معاوية دعا يزيد فأوصاه بما أوصاه وقال له انظر حسين بن علي بن فاطمة بنت رسول الله ﷺ فإنه أحب الناس إلى الناس، فصِلْ رحمه و وافق به يصلح لک أمره، فإن يكن منه شيء فإني أرجو أن يكفيكه الله بمن قتل أباه و خذل أخاه" (البداية: ۵/ ۵۷۵)**

یزید کا خط ولید کے نام

یزید نے تخت خلافت پر آتے ہی والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حضرت حسین ؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بیعت خلافت پر مجبور کرے اور ان کو اس معاملہ میں مہلت نہ دے، ولید کے پاس جب یہ خط پہنچا تو فکر میں پڑ گیا کہ اس حکم کی تعمیل کس طرح کرے؟ مروان بن حکم جو ان سے پہلے والی مدینہ رہ چکا تھا اس کو مشورہ کے لئے بلایا، اس نے مشورہ دیا کہ ابھی تک حضرت امیر معاویہ ؓ کی وفات کی خبر مدینہ میں شائع نہیں ہوئی، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو فوراً بلالیا جائے، اگر وہ یزید کے لئے بیعت کرلیں تو مقصد حاصل ہے، ورنہ سب کو وہیں قتل کردیا جائے۔(۱)

ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو حضرت حسین ؓ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بلانے کے لئے بھیجا، اس نے ان دونوں حضرات کو مسجد میں پایا اور امیر مدینہ ولید کا حکم پہنچا دیا، دونوں نے کہا تم جاؤ، ہم آتے ہیں، اس کے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت حسین ؓ سے کہا کہ یہ وقت امیر کی مجلس کا نہیں ہے، اس وقت ہمیں بلانے میں کوئی خاص راز ہے، حضرت حسین ؓ اپنی ذکاوت سے پوری بات سمجھ گئے تھے، فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ ؓ کا انتقال ہوگیا ہے، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں ان کے انتقال کی خبر مشہور ہونے سے پہلے وہ ہمیں یزید کی بیعت پر مجبور کریں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ پھر اب کیا رائے ہے؟

حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ میں جاکر اپنے نوجوانوں کو جمع کرلیتا ہوں اور پھر ان کو ساتھ لے کر ولید کے پاس پہنچتا ہوں، میں اندر جاؤں گا، اور نوجوانوں کو دروازہ پر چھوڑ جاؤں گا کہ کوئی ضرورت پڑے تو میں ان کی امداد حاصل کرسکوں، اس قرارداد کے

---

(۱) ایضا: ۵/۵۶۱ ۔ علیک بالحسین بن علی وعبدالله بن الزبیر، ما بعث إلیها الساعة، فإن بایعا وإلا فاضرب أعناقهما أن یعلن الخبر (الاخبار الطوال: ۲۲۷)

مطابق حضرت حسین ؓ ولید کے پاس پہنچے، وہاں مروان کو نصیحت کی کہ تم دونوں میں پہلے کشیدگی تھی، اب میں آپ دونوں کو دیکھ کر خوش ہوا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے تعلقات کو خوشگوار رکھے، اس کے بعد ولید نے یزید کا خط حضرت حسین ؓ کے سامنے رکھ دیا، جس میں حضرت معاویہ ؓ کی وفات کی خبر اور اپنی بیعت کا تقاضہ تھا، حضرت حسین ؓ نے معاویہ ؓ کی وفات پر اظہار غم و افسوس کیا۔(۱)

> ”اور بیعت کے متعلق یہ فرمایا کہ میرے جیسے آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خلوت میں پوشیدہ طور پر بیعت کرلوں، مناسب یہ ہے کہ آپ سب کو جمع کریں اور بیعت خلافت کا معاملہ سب کے سامنے رکھیں، اس وقت میں حاضر ہوں گا جو کچھ ہوگا سب کے سامنے ہوجائے گا، ولید ایک عافیت پسند انسان تھا، اس بات کو قبول کر کے حضرت حسین ؓ کو واپسی کی اجازت دے دی، مگر مروان نے ان کے سامنے ہی کہا کہ اگر حسین ؓ اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کبھی ان پر قدرت نہ ہوگی، میرا خیال یہ ہے کہ آپ ان کو روک لیں اور جب تک بیعت نہ کریں جانے نہ دیں ورنہ قتل کر دیں“۔(۲)
>
> ”بخدا اب اگر یہ لوگ جدا ہو گئے تو تو ان پر کبھی قابو نہیں پائے گا، یہاں تک کہ تیرے اور ان کے مابین جنگ کے ذریعہ لاشوں کا انبار نہ ہوجاوے، یہ تیرے پاس سے بنا بیعت کئے نکل نہ جائیں، انہیں روکے

---

(۱) البدایہ: ۵ / ۵۶۲۔ أماما سألتنی من البیعة فإن مثلی لا یعطی بیعته سراً و لا أراک تجزی بھامِنی سرا دون أن تظھرھا علی رؤس الناس علانیة، فقال: أجل، فإذا خرجت إلی الناس و دعوتھم إلی البیعة دعوتنا مع الناس فکان أمرا واحدا " (تاریخ طبری: ۹ ۳۳، البدایة: ۵ / ۵۶۳)

(۲) واللہ إن فارقک الساعة و لم یبایع لا قدرت منه علی مثلھا أبداً حتی تکثر القتلی بینکم و بینه، إحبس الرجل، ولا یخرج من عندک حتی یبائع أو تضرب عنقه (تاریخ طبری: ۵ / ۳۴۰)

رکھو اگر بیعت نہ کریں تو گردن اڑا دو''۔

حضرت حسین ؓ نے مروان کو سخت جواب دیا کہ تو کون ہوتا ہے جو ہمیں قتل کرائے۔ (۱)

یہی وہ مروان ہے کہ جس کی حضرت علی ؓ جنگ جمل میں جان بخشی کی تھی، اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ علی الحسن ؓ کے احسان کا خون فرزند سے لیا جائے، مروان نے ولید کو ملامت کی کہ تو نے موقع ضائع کر دیا، ولید نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے ساری دنیا کی سلطنت اور دولت بھی، اگر اس کے بدلے میں ملے کہ میں حسین ؓ کو قتل کروں تو میں اس کے لئے تیار نہیں، قیامت کے روز حسین ؓ کے خون کا مطالبہ جس کی گردن پر ہو وہ نجات نہیں پا سکتا۔ (۲)

حضرت حسین ؓ اور حضرت زبیر ؓ مکہ چلے گئے

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اپنے بھائی جعفر ؓ کو ساتھ لے کر راتوں رات مدینہ سے نکل گئے، جب وہ تلاش کرنے پر ہاتھ نہ آئے تو حضرت حسین ؓ کا تعاقب کیا گیا، حضرت حسین ؓ نے بھی یہی صورت اختیار کی کہ اپنی اولاد اور متعلقین کو لے کر

---

(۱) **يا ابن الزرقاء أنت تقتلني أم هو كذبت و الله و أثمت**

''اے زرقاء کے بچے تو مجھے قتل کرے گا یا وہ؟ جھوٹ بکتا ہے، بخدا اپنا گناہ لے جائے گا اور یہ فرما کر وہاں سے نکل آئے۔ مروان کہنے لگا:

عصيتني و الله لا يمكنك من مثلها من نفسه أبداً

''واللہ تم نے میری بات نہ مانی بخدا اب یہ اور ان جیسے اپنے سے کبھی تیرے ہاتھ نہ لگیں گے''۔

(۲) **و الله ما أحب أن لي ما طلعت عليه الشمس و غربت عنه من مال الدنيا و ملكها و اني قتلت حسينا، سبحان الله اقتل حسينا ان قال لا ابايع و الله انى لا اظن امرا يحاسب بدم الحسين لخفيف الميزان عند الله يوم القيامة۔ (تاريخ طبرى: ۵ / ۳۴۰، البداية: ۵ / ۵۶۳)**

''بخدا ساری دنیا کے بقدر مجھے مال و دولت سیدنا حسین ؓ کی شہادت و قتل کے بدلہ ملے تو بھی مجھے ہرگز گوارا نہیں، سبحان اللہ تعجب ہے کہ حسین کے اس کہنے پر کہ میں بیعت نہ کروں گا، ان کو قتل کر دوں، قیامت کے دن ترازو میں ان کے خون سے بھاری کوئی چیز گناہ کے پلڑے میں بھاری نہ ہوگی''۔

مدینہ سے نکل گئے، اور دونوں مکہ مکرمہ پہنچ کر پناہ گزیں ہو گئے، یزید کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ولید بن عتبہ کی سستی پر محمول کر کے ان کو معزول کر دیا، ان کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو امیر مدینہ بنایا اور ان کی پولیس کا افسر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی عمرو کو بنایا؛ کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں شدید اختلاف تھا، عمرو بن زبیر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی گرفتاری میں کوتاہی نہ کرے گا۔ (۱)

گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی

عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہما نے پہلے تو روساء مدینہ میں جو لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے حامی تھے، ان سب کو بلا کر سخت تشدد کیا اور مار پیٹ کے ذریعہ ان پر رعب جمانا چاہا، اس کے بعد بمشورۂ عمرو بن سعید دو ہزار جوانوں کا لشکر لے کر حضرت حسین ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی گرفتاری کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا، ابوشریح خزاعی نے عمرو بن سعید کو اس حرکت سے روکا کہ مکہ مکرمہ میں قتل وقتال جائز نہیں، جو لوگ حرم مکہ میں پناہ گزین ہیں، ان کی گرفتاری کے لئے بھیجنا خدائے تعالیٰ کے حدود کو توڑنا ہے، مگر عمرو بن سعید نے ان کی بات نہ مانی اور حدیث میں تاویلیں کرنے لگا (۲) عمرو بن زبیر دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گیا اور مکہ سے باہر قیام کر کے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آدمی بھیجے کہ مجھے یزید کا یہ حکم ہے کہ تمہیں گرفتار کروں، میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مکہ مکرمہ کے اندر قتال ہو، اس لئے تم خود کو میرے حوالے کر دو، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے چند نوجوانوں کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، جنہوں نے اس کو شکست دی اور عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ابن علقمہ کے گھر میں پناہ لی، دوسری طرف جب حضرت حسین ؓ مدینہ سے نکلے تو راستہ میں عبداللہ بن مطیع ملے، دریافت کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا اس وقت تو مکہ مکرمہ کا قصد ہے، اس کے بعد میں استخارہ کروں گا کہ کہاں جاؤں؟ عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ میں ایک خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مکہ ہی میں رہیں، خدا کے لئے آپ کوفہ کا رخ نہ کریں، وہ بڑا منحوس شہر ہے، اس میں آپ کے والد ماجد قتل کئے

---

(۱) **البدایہ:** ۵/۵۶۶ (۲) صحیح بخاری

گئے، اور آپ کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ میں پہنچ کر مقیم ہو گئے اور اطراف کے مسلمان ان کی خدمت میں آنے جانے لگے۔(۱)

اہل کوفہ کے خطوط

ادھر جب اہل کوفہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی اور یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بیعت یزید سے انکار کر دیا تو کچھ حضرات شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر آئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ہم بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ فوراً کوفہ آجائے، ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، یزید کی طرف سے کوفہ کے امیر جو حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کو یہاں سے نکال دیں گے، اس کے دو روز بعد اسی مضمون کا ایک اور خط لکھا اور دوسرے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے جس میں یزید کی شکایات اور اس کے خلاف اپنی نصرت و تعاون اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا یقین دلایا گیا اور چند وفود بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے حضرت حسین رضی اللہ عنہ وفود اور خطوط سے متاثر ہوئے مگر حکمت و دانشمندی سے یہ کیا کہ بجائے خود جانے کے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ کیا اور ان کے ہاتھ یہ خط لکھ بھیجا کہ:

> ”بعد سلام مسنون! مجھے آپ لوگوں کے خطوط ملے اور حالات کا اندازہ ہوا میں اپنے معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے کر مجھے خط لکھے، اگر وہ حالات کی تحقیق کرنے کے بعد مجھے خط لکھیں گے تو میں فوراً کوفہ پہنچ جاؤں گا“۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ جانے سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز ادا کی، اور اپنے اہل و عیال سے رخصت ہوئے، کوفہ پہنچ کر مختار کے گھر میں مقیم ہوئے، یہاں کے حضرات ان کے پاس آنے جانے لگے، جب کوئی نیا آدمی آتا تو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سناتے تھے، جس کو سن کر سب پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

---

(۱) بخاری کتاب العلم، الکامل لابن اثیر: ۲/ ۱۳۲، دار الکتاب العربی، بیروت

مسلم بن عقیل ؓ نے چند روز کے قیام سے یہ اندازہ لگالیا کہ یہاں کے عام مسلمان یزید کی بیعت سے متنفر اور حضرت امام حسین ؓ کی بیعت کے لئے بے چین ہیں، آپ نے یہ دیکھ کر حضرت حسین ؓ کے لئے بیعت خلافت لینی شروع کردی، چند روز میں صرف کوفہ سے اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے حضرت حسین ؓ کے لئے بیعت کرلی اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا جارہا تھا”۔ (۱)

مسلم بن عقیل ؓ نے حضرت حسین ؓ کو کوفہ آنے کے لئے دعوت دے دی

اس وقت مسلم بن عقیل ؓ کو یہ اطمینان ہوگیا کہ حضرت حسین ؓ تشریف لائیں تو بیشک پورا عراق ان کی بیعت میں آجائے گا، حجاز کے لوگ ان کے پہلے ہی تابع اور دلدادہ ہیں اس لئے ملت اسلام کے سر سے بہ آسانی یزید کی مصیبت ٹل جائے گی اور ایک صحیح معیاری خلافت قائم ہوجائے گی، انہوں نے ہدایت کے موافق حضرت حسین ؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دے دی۔ (۲)

حالات میں انقلاب

مگر یہ خط لکھنے کے بعد بحکم قضاو قدر حالات بدلنا شروع ہوگئے یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر ؓ جو کوفہ کے حاکم تھے، ان کو جب یہ اطلاع ملی کہ مسلم بن عقیل ؓ حضرت حسین ؓ کے لئے بیعت خلافت لے رہے ہیں، تو لوگوں کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ: ہم کسی سے لڑنے کے لئے تیار نہیں، اور نہ محض شبہ یا تہمت پر کسی کو پکڑتے ہیں، لیکن اگر تم نے سرکشی اختیار کی اور اپنے امام (یزید) کی بیعت توڑی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں تلوار سے تم لوگوں کو سیدھا کردوں گا، جب تک تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں قائم رہے گا۔ (۳)

---

(۱) **البدایہ: ۵/ ۵۶۶**

(۲) **کامل ابن اثیر: ۳/ ۴/ ۱۳۴، دار الکتاب العربي، بیروت**۔ مسلم بن عقیل ؓ اپنے قتل سے ۲۷ دن پہلے یہ خط لکھا تھا، جس کا مضمون تھا: **"اما بعد! فان الرائد لا یکذب أهله و إن جمیع أهل الکوفه معک فاقبل حین تقرأ کتابی هذا و السلام"** (البدایہ: ۵/۵۶۶)

(۳) کامل ابن اثیر، ص: ۴/ ۹

عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی جو بنی امیہ کا حلیف تھا، یہ خطبہ سن کر کھڑا ہوا اور بولا کہ جو حالات آپ کے سامنے ہیں ان کی اصلاح بغیر تشدد کے نہیں ہوسکتی اور جو رائے آپ نے اختیار کی ہے یہ کمزور اور بزدلوں کی رائے ہے، نعمان بن بشیر نے جواب دیا کہ

> ''میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمزور بزدل سمجھا جاؤں یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کی معصیت میں دلیر و بہادر کہلاؤں''(۱)

یہ دیکھ کر خود عبداللہ بن مسلم نے براہ راست ایک خط یزید کو بھیج دیا جس میں مسلم بن عقیل ؓ کے آنے اور حضرت حسین ؓ کے لئے بیعت لینے کا واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے کہ اگر تمہیں کوفہ کی کچھ ضرورت ہے اور اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہو تو یہاں کے لئے کسی قوی آدمی کو فوراً بھیجئے جو آپ کے احکام کو قوت کے ساتھ نافذ کر سکے، موجودہ حاکم نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں، یا قصداً کمزوری کا معاملہ کر رہے ہیں، اسی کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی اسی مضمون کے خط یزید کو لکھے جن میں عمارہ ابن الولید اور عمرو بن سعد بن ابی وقاص وغیرہ شامل تھے، یزید کے پاس یہ خطوط پہنچے تو اپنے والد حضرت معاویہ ؓ کے مشیر خاص سرجون کو بلا کر مشورہ کیا کہ کوفہ کی حکومت کس کو سپرد کریں، اس کی رائے یہ ہوئی کہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا عامل بنایا جائے، لیکن یزید کے تعلقات اس کے ساتھ اچھے نہ تھے، اس لئے سرجون نے کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ اگر آج حضرت معاویہ ؓ زندہ ہو جائیں، اور وہ آپ کو کوئی مشورہ دیں تو آپ قبول کریں گے؟ یزید نے کہا بیشک اس وقت سرجون نے حضرت امیر معاویہ ؓ کا ایک فرمان نکالا جس میں کوفہ کی امارت پر عبید اللہ بن زیاد کو مقرر کیا گیا تھا۔(۲)

کوفہ پر ابن زیاد کا تقرر مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم

یزید نے اس کے مشورے کو قبول کر کے عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا حاکم بنا دیا، اور اس کو ایک خط لکھا کہ فوراً کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو گرفتار کرے اور قتل

---

(۱) ابن اثیر (۲) ابن کثیر: ۵/ ۵۶۶

کردے، یا کوفہ سے نکال دے، ابن زیاد کو یہ خط ملا تو فوراً کوفہ جانے کا عزم کرلیا۔(۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط اہل بصرہ کے نام

ادھر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک خط جس کا مضمون یہ تھا، آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے، اور بدعات پھیلائے جارہے ہیں، میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حفاظت کرو اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے کوشش کرو۔(۲)

یہ خط خفیہ طور پر بھیجا گیا تھا اور سب نے اس خط کو راز میں رکھا لیکن منذر بن جارود کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خط لانے والا خود ابن زیاد کا جاسوس ہو، اس لئے اس نے یہ خط ابن زیاد کو پہنچا دیا اور جو شخص یہ خط لے کر آیا تھا اس کو بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کردیا، ابن زیاد نے اس قاصد کو قتل کرڈالا اور اس کے بعد اہل بصرہ کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ ''جو شخص میری مخالفت کرے میں اس کے لئے ایک عذاب الیم ہوں، اور جو موافقت کرے اس کے لئے راحت ہوں، مجھے امیر المؤمنین نے کوفہ جانے کا حکم دیا ہے، میں صبح وہاں جارہا ہوں، اور اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بناتا ہوں، میں تمہیں متنبہ کردینا چاہتا ہوں کہ اس کے حکم کی مخالفت کا دھیان کبھی دل میں نہ لانا اور اگر مجھے کسی شخص کے متعلق خلاف کی خبر ملی تو میں اس کو بھی قتل کردوں گا، اور اس کے ولی کو بھی اور اس خاندان کے عریف (لیڈر) کو بھی تم مجھے جانتے ہو کہ میں ابن زیاد ہوں''۔(۳)

ابن زیاد کوفہ میں

اس کے بعد ابن زیاد اپنے ساتھ مسلم بن عمر باہلی اور شریک ابن اعور کو ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا، کوفہ کے لوگ پہلے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آمد آمد کے منتظر تھے، اور ان میں بہت سے لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پہچانتے بھی نہ تھے، جب ابن زیاد کوفہ میں پہنچا تو ان لوگوں نے سمجھا کہ یہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں وہ جس مجلس سے گزرتا

---

(۱) ایضاً:۵/۵۶۶ (۲) کامل ابن اثیر: ۹/۴ (۳) کامل ابن اثیر: ۹/۴

سب یہ کہہ کر اس کا استقبال کرتے تھے کہ مرحبا بک یا ابن رسول اللہ! ابن زیاد یہ منظر خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور دل میں کڑھتا تھا کہ کوفہ پر تو حضرت حسین ؓ کا پورا تسلط ہو چکا ہے، اب پورے شہر کوفہ میں حضرت حسین ؓ کے آنے کی خبر مشہور ہو گئی، لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے، ادھر نعمان بن بشیر والی کوفہ کو یہ خبر ملی تو باوجود یزید کا ملازم ہونے کے اہل بیت کا احترام دل میں رکھتے تھے، اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے، ابن زیاد ان کے دروازہ پر پہنچا، لوگوں کا ایک ہجوم اس کو حضرت حسین ؓ سمجھ کر ساتھ تھا، جس کا شور و شغب اور ہنگامہ نعمان بن بشیر نے اندر سے سنا، تو وہیں سے آواز دی کہ ”جو امانت یعنی ولایت کوفہ میرے سپرد ہے، وہ میں آپ کے حوالہ نہ کروں گا، اس کے علاوہ میں آپ سے لڑنا نہیں چاہتا“، ابن زیاد خاموشی کے ساتھ یہ سب مظاہرے اور والی کوفہ کا معاملہ دیکھ رہا ہے، اب اس نے دروازہ کے قریب پہنچ کر نعمان کو آواز دی کہ دروازہ کھولو، میں ابن زیاد ہوں، یزید کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں، اس وقت دروازہ کھولا گیا اور اندر جانے کے بعد پھر بند کر لیا گیا۔ (۱)

کوفہ میں ابن زیاد کی پہلی تقریر

اگلے روز صبح ہی ابن زیاد نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ

”امیر المؤمنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم میں جو شخص مظلوم ہو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے اور جو اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہے اس کو اس کا حق دیا جائے اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، اور جو سرکشی اور نافرمانی کرے یا جس کی حالت اس معاملہ میں مشتبہ ہو اس پر تشدد کیا جائے، خوب سمجھ لو کہ میں امیر المومنین کا تابع فرمان رہ کر اس کے احکام کو ضرور نافذ کروں گا، میں نیک لوگوں کے لئے مہربان باپ اور اطاعت کرنے والوں کے لئے حقیقی بھائی ہوں، اور میرا کوڑا اور میری تلوار صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو میری اطاعت سے بغاوت کریں اور میرے احکام کی مخالفت کریں، اب آپ لوگ اپنی

---

(۱) ابن کثیر: ۵ / ۵۶۷

جانوں پر رحم کھائیں اور بغاوت سے باز آئیں، اس کے بعد شہر کے تمام شرفاء نمائندوں اور لیڈروں کو خطاب کر کے حکم دیا کہ تمہارے شہر میں جتنے آدمی باہر کے پردیسی ٹھہرے ہوئے ہیں یا یزید کے مخالف ہیں، ان سب کی تفصیلات فوراً میرے پاس پہنچا دو، جو شخص ایسے لوگوں کی رپورٹ ہمیں دے گا وہ بری سمجھا جائے گا، اور جو نہ دے گا وہ اپنے پورے حلقہ اثر کا ضامن و ذمہ دار ہوگا کہ اس میں کوئی شخص بھی ہماری مخالفت نہ کرے گا۔ اور جو ایسا نہ کرے گا اس سے ہمارا ذمہ بری ہے، ہم اس کو قتل کر دیں گے، اور جس شخص کے حلقہ اثر میں خلیفہ وقت یزید کا کوئی مخالف پایا جائے گا اس کو اس کے دروازہ پر سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور اس کا حق نمائندگی سلب کر لیا جائے گا۔ (۱)

مسلم بن عقیل ؓ کے تأثرات

ادھر مسلم بن عقیل ؓ جو مختار بن ابی عبید کے گھر میں مقیم تھے اور حضرت حسین ؓ کے لئے بیعت خلافت لے رہے تھے، ان کو جب ابن زیاد کی اس تقریر کا علم ہوا تو یہ خطرہ ہوا کہ اب ان کی مخبری کر دی جائے گی، اس لئے مختار کا گھر چھوڑ کر ہانی ابن عروہ مرادی کے مکان پر گئے، دروازہ پر پہنچ کر ہانی بن عروہ کو بلایا، وہ باہر آئے اور مسلم بن عقیل ؓ کو اپنے دروازہ پر دیکھ کر پریشان ہو گئے، مسلم نے کہا کہ میں تمہارے پاس پناہ لینے کے لئے آیا ہوں، ہانی ابن عروہ نے جواب دیا کہ آپ مجھ پر بڑی مصیبت ڈال رہے ہیں، اور اگر آپ میرے گھر کے اندر نہ آ گئے ہوتے تو میں یہی پسند کرتا کہ آپ لوٹ جائیں، مگر اب جب کہ آپ داخل ہو چکے ہیں میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہوں، اچھا آ جایئے، مسلم ان کے مکان میں روپوش ہو گئے، کوفہ کے مسلمان ان کی خدمت میں خفیہ آتے جاتے رہے۔ (۲)

مسلم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کی چالاکی

ادھر ابن زیاد نے اپنے ایک خاص دوست کو بلا کر تین ہزار درہم دیئے اور اس کام پر مامور کیا کہ مسلم بن عقیل ؓ کا پتہ لگائے، یہ شخص مسجد میں مسلم بن عوسجہ اسدی کے پاس پہنچا، جن کے متعلق کچھ لوگوں سے سنا تھا کہ وہ مسلم بن عقیل ؓ کے راز دار ہیں، وہ

---

(۱) حوالہ سابق (۲) تاریخ ابن کثیر: ۵/ ۵۶۸

جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے علیحدہ لے جا کر ان سے کہا کہ میں شام کا باشندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام فرمایا ہے کہ مجھے اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت عطا فرمائی، یہ تین ہزار درہم میں اس لئے لایا ہوں کہ اس شخص کے سپرد کروں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت لے رہا ہے۔

مجھے لوگوں سے پتہ چلا ہے کہ آپ کو اس شخص کا علم ہے، اس لئے یہ روپیہ آپ مجھ سے لے لیں، اور مجھے وہاں پہنچادیں، تاکہ میں بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کرلوں، اور اگر آپ چاہیں تو مجھ سے آپ ہی ان کے لئے بیعت لے لیجئے، مسلم بن عوسجہ نے کہا کہ مجھے آپ کی ملاقات سے خوشی ہوئی، آپ کی مراد انشاء اللہ پوری ہوگی، اور شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اہل بیت اطہار کی مدد فرمائے، مگر مجھے اس سے بڑا خطرہ ہوگیا ہے کہ لوگوں میں میرا نام ابھی سے مشہور ہوگیا، بہرحال مسلم ابن عوسجہ نے اس شخص سے حلف اور عہد لیا کہ راز فاش نہ کرے گا، یہ شخص چندروز تک ان کے پاس انتظار میں آتا جاتا رہا کہ وہ اس کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوملادیں گے۔(۱)

ابن زیاد ہانی بن عروہ کے گھر میں

اتفاقاً ہانی بن عروہ جس کے گھر میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ روپوش تھے، بیمار ہوگئے، ابن زیاد بیماری کی خبر پاکر عیادت کے لئے ان کے گھر پہنچا، اس وقت عمارہ بن عبدسلولی نے ان سے کہا کہ یہ موقع غنیمت ہے، اس وقت دشمن (ابن زیاد) تمہارے قابو میں ہے، قتل کرادو، ہانی ابن عروہ نے کہا کہ شرافت کے خلاف ہے کہ اس کو اپنے گھر میں قتل کروں، یہ موقع نکل گیا۔ مگر اتفاقاً ایسا ہی ایک اور موقع پیش آیا کہ شریک ابن اعور جو کہ ابن زیاد کے ساتھ کوفہ میں آیا تھا، مگر اہل بیت سے محبت رکھنے کے سبب ابن زیاد سے جدا ہوکر ہانی بن عروہ کا مہمان اور ہمراز ہوگیا تھا، یہ بیمار پڑا تو پھر ابن زیاد نے خبر بھیجی کہ آج شام کو میں شریک ابن اعور کی عیادت کے لئے آؤں گا۔(۲)

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق

مسلم بن عقیل ؓ کی انتہائی شرافت اور اتباع سنت

شریک ابن اعور نے بھی اس موقع کو غنیمت جان کر مسلم بن عقیل ؓ سے کہا کہ یہ فاجر آج شام کو میری عیادت کے لئے آنے والا ہے جب یہ آ کر بیٹھے تو آپ یکبارگی اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں، پھر آپ مطمئن ہو کر قصر امارت میں بیٹھیں، اگر میں تندرست ہو گیا تو بصرہ پہنچ کر وہاں کا انتظام میں آپ کے حق میں درست کر دوں گا۔

شام ہوئی اور ابن زیاد کے آنے کا وقت ہوا تو مسلم بن عقیل ؓ اندر جانے لگے، اس وقت شریک نے ان سے کہا کہ آج موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دینا، جب وہ بیٹھ جائے تو فوراً قتل کر دینا، مگر اس وقت بھی ان کے میزبان ہانی بن عروہ نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ میرے گھر میں مارا جائے، یہاں تک کہ ابن زیاد آ گیا اور شریک کی مزاج پرسی شروع کی، شریک نے قصداً بات کو طول دیا اور جب دیکھا کہ مسلم بن عقیل باہر نہیں آئے تو ایک شعر پڑھا:

مَا تَنْظُرُوْنَ بِسَلْمٰی لَا تُحَیُّوْنَهَا

تم سلمٰی کے متعلق کیا انتظار کرتے ہو، اس کو سلام کیوں نہیں کرتے۔ اور بار بار یہ شعر پڑھنے لگے، ابن زیاد نے سمجھا کہ بیماری کی وجہ سے حواس میں اختلال ہے کہ بے جوڑ باتیں کر رہے ہیں، ہانی بن عروہ سے پوچھا، انہوں نے کہا جی ہاں، اس بیماری میں ان کا یہی حال ہے، کبھی کبھی ہذیان کی باتیں کرنے لگتے ہیں، ابن زیاد کے ساتھ مہران بھی آیا تھا، وہ تاڑ گیا اور ابن زیاد کو اشارہ کیا، یہ فوراً وہاں سے اٹھ گیا، اس کے جانے کے بعد مسلم بن عقیل ؓ باہر آئے تو شریک نے پوچھا آپ نے یہ موقع کیوں گنوا دیا اور اس شخص کے قتل کے لئے آپ کے لئے کیا مانع تھا۔

مسلم بن عقیل ؓ نے فرمایا: دو خصلتیں مانع ہو گئیں، اول تو یہ کہ میں جس شخص کے گھر میں مہمان ہوں اور پناہ گزیں ہوں وہ اس کو پسند نہیں کرتے، دوسرے ایک حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان حیلہ کے ساتھ اچانک قتل کرنے سے منع کرتا ہے، کسی مومن کو جائز نہیں کہ مومن کو حیلہ کر کے اچانک قتل کرے۔(۱)

---

(۱) قال شریک لمسلم، ما منعک ان تخرج فقتلته، قال: حدیث بلغنی عن =

اہل حق اور اہل باطل میں فرق

یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ مسلم بن عقیل ؓ کو اپنی موت سامنے نظر آرہی ہے، اور نہ صرف اپنی موت بلکہ اپنے پورے خاندان اہل بیت کی موت اور اس کے ساتھ ایک صحیح اسلامی مقصد کی ناکامی دیکھ رہے ہیں، اور جس شخص کے ہاتھوں یہ سب کچھ ہونے والا ہے وہ اس طرح ان کے قابو میں ہے کہ بیٹھے بیٹھے اسے ختم کرسکتے ہیں مگر اہل حق اور خصوصاً اہل بیت اطہار کا جوہر شرافت اور تقاضائے اتباع سنت دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس وقت بھی ان کا ہاتھ نہیں اٹھتا، یہی اہل حق کی علامت ہے کہ وہ اپنی ہر حرکت وسکون اور ہر قدم پر سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ہمارا یہ قدم صحیح ہے یا نہیں، اور اگر کتاب وسنت سے یا تقاضائے شرافت سے ان کی اجازت نظر نہیں آتی تو اپنا سب کچھ قربان کرنے اور مقصد کو نظر انداز کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، اس کے بعد شریک تو اسی بیماری میں تین روز کے بعد انتقال کرگئے، اب جس شخص کو ابن زیاد نے تین ہزار روپے دے کر مسلم بن عقیل ؓ کے پیچھے لگایا تھا، اور وہ مسلم بن عوسجہ کے پاس برابر آمد ورفت رکھتا تھا، بالآخر ایک روز مسلم بن عوسجہ نے اس کو مسلم بن عقیل سے ملادیا، اس نے جاکر مسلم بن عقیل ؓ کے ہاتھ پر حضرت حسین ؓ کے لئے بیعت کی اور تین ہزار درہم ان کو دے دیئے، اور اب روزانہ ان کے پاس آنے جانے لگا، اور اس راستہ مسلم بن عقیل ؓ کی ہر نقل وحرکت اور تمام راز ابن زیاد کے پاس پہنچنے لگے۔(۱)

= **رسول اللہ ﷺ انہ قال: الایمان ضد الفتک، لا یفتک مومن، و کرھت ان اقتلہ فی بیتک (البدایة: ۵ / ۵٦۸)**

”شریک نے کہا: مسلم تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا کہ تم نکل کر اسے قتل کردو؟ فرمایا ایک حدیث آنحضرت ﷺ کی مجھے پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایمان دھوکہ کی ضد ہے، مومن کسی کو دھوکے سے نہیں مارے گا، مجھے اچھا نہ لگا کہ تمہارے گھر میں اس کا قتل ہو“۔

(۱) **البدایة: ۵ / ۵٦۸**

ہانی بن عروہ کی گرفتاری

اب جبکہ ابن زیاد پر پوری طرح راز فاش ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ ہانی بن عروہ نے مسلم کو پناہ دے رکھی ہے تو اس کو ہانی کی فکر ہوئی، لوگوں سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ بہت دنوں سے ہانی بن عروہ ہم سے نہیں ملے، لوگوں نے بیماری کا عذر بتایا، مگر اس کو تو گھر کے بھیدی نے سب کچھ بتا رکھا تھا، اس نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے، وہ مرض ان سے اچھے ہو چکے ہیں، گھر کے دروازہ پر پہرہ کے لئے بیٹھے رہتے ہیں، آپ لوگ جاؤ اور اس کو سمجھاؤ کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ہمارے پاس آئیں، یہ لوگ ہانی کے پاس پہنچے، حالات کی نزاکت بتلا کر کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چلئے، ہانی نے اپنے آپ کو مجبور پایا، ان کے ساتھ چلنے کو سوار ہوگئے، جب قصر امارت کے قریب پہنچے تو ان کو احساس ہوا کہ آج میرے لئے خیر نہیں ہے، آنے والوں میں اس کے عزیز حسان بن اسماء بھی تھے، ان سے کہا کہ مجھے اپنے بارہ میں خطرہ ہے، حسان نے جواب دیا کہ آپ بالکل فکر نہ کریں میں تو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا، وجہ یہ تھی کہ حسان ان واقعات سے بالکل بے خبر تھے، یہ لوگ ہانی کو ساتھ لئے ہوئے قصر امارت میں داخل ہوئے تو ابن زیاد نے قاضی کوفہ شریح سے کہا کہ ایک خائن کو خود اس کے پاؤں نے یہاں تک پہنچا دیا، جب قریب آئے تو ابن زیاد نے یہ شعر پڑھا:

أُرِيْدُ حَيَاتَهُ وَيُرِيْدُ قَتْلِيْ

”میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہے“

ہانی نے کہا یہ کیا بات ہے، ابن زیاد نے کہا کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان سازشوں سے بے خبر ہیں، جو امیر المومنین کے خلاف آپ کے گھر میں ہو رہی ہیں، آپ نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں ٹھہرایا ہوا ہے، اور اس کے واسطے اسلحہ اور رضا کار جمع کر رہے ہیں، ہانی نے انکار کیا اور گفتگو طویل ہوئی، تو ابن زیاد نے اپنے اس جاسوس کو سامنے کر دیا، جس کے ذریعہ خبریں پہنچی تھیں، یہ ماجرا دیکھ کر ایک دفعہ تو ہانی ششدر رہ گئے، مگر پھر ذرا سنبھل کر بولے۔ (۱)

---

(۱) **البداية:** ۵/ ۵۶۸

ہانی کی شرافت، اپنے مہمان کو سپرد کرنے سے انکار

میری بات سنئے اور اس کو سچ مانئے، میں واللہ آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا، واقعہ یہ ہے کہ بخدا نہ میں نے مسلم بن عقیل ؓ کو بلایا نہ مجھے ان کے معاملہ کی کوئی خبر تھی، اچانک ان کو اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا دیکھا اور مجھ سے میرے گھر مہمان ہونے کے لئے کہا، مجھے ان کی بات رد کرنے سے مانع ہوئی اور اس کی وجہ سے مجھ پر بہت سے ذمہ داریاں عائد ہوگئیں، میں نے مجبور ہوکر اپنے گھر میں داخل کیا، اور مہمان بنالیا، اور اگر اب آپ مجھ پر اطمینان کریں تو میں اپنے گھر جاؤں اور اپنے گھر سے نکال دوں، اور آپ کے پاس آجاؤں، ابن زیاد نے کہا کہ خدا کی قسم آپ مجھ سے اس وقت تک جدا نہیں ہوسکتے جب تک مسلم بن عقیل ؓ کو سپرد نہ کردیں، ہانی نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا کہ اپنے مہمان کو تمہارے سپرد کردوں، اور تم اسے قتل کردو، حاضر مجلس مسلم بن عمر نے ابن زیاد سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے میں انہیں سمجھاتا ہوں، علیحدہ لے گئے اور کہا کہ کیوں اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہو، مسلم کو ان کے سپرد کردو، یہ لوگ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے سے نمٹ لیں گے، قتل نہ کریں گے، اور نہ کوئی نقصان پہنچائیں گے، اس معاملہ میں آپ کی کوئی رسوائی ہے نہ عار، ہانی نے کہا اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوسکتی ہے کہ میں اپنے مہمان کو اس کے دشمن کے حوالے کردوں، بخدا اگر کوئی میرا اور مددگار بھی نہ ہوتا اور میں تنہا ہوتا جب بھی اپنے مہمان کو اپنی زندگی میں اس کے سپرد نہ کرتا۔ (۱)

ہانی ابن عروہ پر تشدد و مار پیٹ

جب ہانی کی یہ پختگی دیکھی تو ابن زیاد اور اس کے مصاحب خاص مہران نے ہانی کے بال پکڑ کر ان کو مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا، اور کہا کہ اب بھی تم مسلم کو ہمارے حوالے کردو، ورنہ تمہیں قتل کردیں گے، ہانی نے کہا میرا قتل کردینا تیرے لئے آسان نہیں، اگر ایسا کروگے تو تمہارے قصر امارت کو تلواریں گھیر لیں گی، اس پر ابن زیاد اور برافروختہ ہوا اور مار پیٹ شدید کردی۔ اسماء بن خارجہ

---

(۱) حوالہ سابق

جو ہانی کو گھر سے بلا کر لائے تھے، اور ان کو اطمینان دلایا تھا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں، وہ اس وقت کھڑے ہوئے اور سختی سے ابن زیاد کو کہا کہ اے غدار تو نے ہمیں ایک شخص کو لانے کے لئے کہا جب ہم اسے لے آئے تو تو نے ان کا یہ حال کر دیا، اس پر ابن زیاد نے ہاتھ روکا۔ (۱)

ہانی کی حمایت میں ابن زیاد کے خلاف ہنگامہ

ادھر شہر میں یہ مشہور ہو گیا کہ ہانی بن عروہ قتل کر دیئے گئے، جب یہ خبر عمرو بن حجاج کو پہنچی تو وہ قبیلہ مذحج کے بہت سے نوجوانوں کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچے اور ابن زیاد کے مکان کا محاصرہ کیا، اب تو ابن زیاد کو فکر پڑ گئی، قاضی شریح کو کہا کہ آپ باہر جا کر لوگوں کو بتلائیں کہ ہانی بن عروہ صحیح سالم ہیں، قتل نہیں کئے گئے، میں خود ان کو دیکھ کر آیا ہوں، اور شریح کے ساتھ ایک اپنا آدمی بطور جاسوس لگا دیا کہ وہ ابن زیاد کے کہنے کے خلاف کوئی بات نہ کریں، قاضی شریح کا یہ قول سن کر عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ اب اطمینان ہے، تم واپس چلے جاؤ، ہانی بن عروہ کے متعلق شہادت کی خبر اور اس کے خلاف قبیلہ مذحج کے ہنگامہ اور ابن زیاد کے قصر کے محاصرہ کی اطلاع جب مسلم بن عقیل ﵁ کو ملی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکلے اور جن اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کو جمع کیا، چار ہزار آدمی جمع ہو گئے اور جمع ہوتے جا رہے تھے، یہ لشکر ابن زیاد کی قصر امارت کی طرف بڑھا تو ابن زیاد نے قصر کے دروازوں کو مقفل کر دیا، مسلم اور ان کے ساتھیوں نے قصر کا محاصرہ کر لیا، مسجد اور بازار ان لوگوں سے بھر گیا جو ابن زیاد کے مقابلہ پر آئے تھے، اور شام تک اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

ابن زیاد کے ساتھ قصر امارت میں صرف تیس سپاہی اور کچھ خاندان کے سادات تھے، ابن زیاد نے ان لوگوں میں سے چند ایسے لوگوں کو منتخب کیا جن کا اثر و رسوخ ان قبائل پر تھا، جو مسلم بن عقیل ﵁ کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے تھے، اور ان کو کہا تم باہر جا کر اپنے اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو مسلم بن عقیل کا ساتھ دینے سے روکو، مال وحکومت

---

(۱) البداية والنهاية: ۵ /۵۶۹

کا لالچ دلا کر جس طرح بھی ممکن ہو ان کو مسلم سے جدا کر دو، ادھر سادات و شیعہ کو حکم دیا کہ تم لوگ قصر کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کو اس بغاوت سے روکو، اور اسی خوف و طمع کے ذریعہ ان کو محاصرہ سے واپس جانے کی تلقین کرو۔ (۱)

محاصرہ کرنے والوں کا فرار اور مسلم بن عقیل ؓ کی بے کسی (۲)

گلی کوچوں میں سراسیمہ پھرتے تھے کہ اب کہاں جائیں؟ بالآخر کندہ کی عورت طوعہ کے گھر پہنچے، ان کے لڑکے بلال، اسی ہنگامہ میں باہر گئے ہوئے تھے، وہ دروازہ پر واپسی کا انتظار کر رہی تھی، مسلم نے اس سے پانی مانگا، پانی پی کر وہیں بیٹھ گئے، عورت نے کہا کہ آپ پانی پی چکے اب اپنے گھر جائیے، مسلم خاموش رہے، اسی طرح تین مرتبہ

---

(۱) ایضاً: ۵ / ۵۷۰

(۲) قبائل نے (جو عبید اللہ کے ساتھ قصر میں تھے) اپنے قبائلی قوم کے لوگوں کو (جو مسلم کے ساتھ تھے) اشارہ کیا کہ مسلم کو چھوڑ کر چلے جائیں، ان کو دھمکیاں دیں اور ڈرایا، بعض حکام کو عبید اللہ نے نکالا کہ کوفہ میں گشت کریں، اور لوگوں کو مسلم بن عقیل ؓ سے علیحدہ ہونے پر مائل کریں، لوگوں نے یہی کیا، عورتیں آ کر اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے کہنے لگیں کہ گھر چلو، اور مرد آ کر اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے کہنے لگے کہ نکل بھاگو ورنہ کل شام کی فوج آ پہنچے گی، تو پھر کیا کرو گے، لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑا اور تتر بتر ہو گئے اور مسلم بن عقیل ؓ سے پھر گئے، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف پانچ سو آدمی رہ گئے، پھر اور کم ہو گئے، یہاں تک کہ تین سو رہ گئے پھر اور کم ہو گئے یہاں تک کہ صرف تیس رہ گئے، انہوں نے مغرب کی نماز پڑھائی اور کندہ کے دروازوں کی طرف بڑھے یہاں ان کے ساتھ صرف دس آدمی تھے، پھر وہ لوگ بھی پھر گئے اور وہ تنہا رہ گئے یہاں تک کہ کوئی راستہ بتانے والا بھی نہیں تھا، یا جو ان سے موانست کرتا یا اپنے گھر پناہ دیتا، وہ جیسا سمجھ میں آیا ایک طرف چل پڑے، تاریکی پھیل گئی تھی، وہ تن تنہا پھر رہے تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائیں (ملاحظہ: یہ بات پیش نظر رہے کہ عراق کی اس مسلم آبادی میں جس سے مسلم اور حضرت حسین ؓ کا سابقہ پڑا، بڑی تعداد جدید الاسلام لوگوں، آزاد کردہ غلاموں (موالی) اور مشرقی عرب کے قبائل کے ان افراد کی تھی جن پر پورے طور پر اسلامی رنگ نہیں چڑھا تھا، نیز طویل مدت تک مطلق العنان اور عیش پسند ساسانی سلطنت کے زیر سایہ رہنے سے عراق کی آبادی میں طاقت و دولت پرستی ابن الوقتی اور موقع پرستی کی صفات قومی و انفرادی کردار کے طور پر پیدا ہو گئی تھیں، ان خصوصیات کا ظہور اس وقت پورے طور پر ہوا، جب ایک طرف عقیدہ، اصول و اخلاق تھے تو دوسری طرف دولت، جاہ و منصب اور وقتی منافع۔ (**المرتضی: ۳۶۶**)

یہی کہا، اور مسلم خاموش رہے، اس نے ذرا سختی سے کہا کہ میں آپ کو دروازہ پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دوں گی، آپ اپنے گھر جایئے، اس وقت مسلم نے مجبور ہو کر کہا کہ اس شہر میں میرے ساتھ میرے ساتھیوں نے دھوکہ کیا، عورت کو رحم آ گیا، اور مسلم کو اپنے گھر میں داخل کرلیا، اور شام کا کھانا پیش کیا، مسلم نے نہ کھایا، اسی عرصہ میں عورت کے لڑکے بلال واپس آ گئے، دیکھا کہ ان کی والدہ بار بار کمرے کے اندر جاتی ہیں، بات پوچھی تو عورت نے اپنے لڑکے سے بھی چھپایا، اس نے اصرار کیا تو اس شرط پر بتلا دیا کہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اس طرف ابن زیاد نے جب دیکھا کہ لوگوں کا شور وشغب قصر کے گرد نہیں ہے تو اپنے سپاہیوں کو بھیجا کہ دیکھو کیا حال ہے؟ اس نے آکر بیان کیا کہ میدان صاف ہے کوئی نہیں، اس وقت ابن زیاد اپنے قصر سے اتر کر مسجد میں آیا اور منبر کے گرد اپنے خواص کو بٹھلایا، اور اعلان کرایا کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں، مسجد بھر گئی تو ابن زیاد نے تقریر کی:

> ”ابن عقیل بیوقوف جاہل نے جو کچھ کیا وہ تم نے دیکھ لیا، اب ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم جس شخص کے گھر میں ابن عقیل کو پائیں گے ہمارا ذمہ اس سے بری ہے، اور جو کوئی ان کو ہمارے پاس پہنچائے گا اس کو انعام ملے گا، اور اپنی پولیس کے افسر حصین ابن نمیر کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں کے دروازوں پر پہرہ لگا دو، کوئی باہر نہ جا سکے، اور پھر سب گھروں کی تلاشی لو“، اس تلاشی کے درمیان جب اس عورت کے لڑکے بلال نے یہ محسوس کیا کہ بالآخر وہ ہمارے گھر سے گرفتار کئے جائیں گے تو اس نے خود مخبری کر کے عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کو اس کا پتہ بتلا دیا، اس نے اپنے باپ محمد بن اشعث کو اور اس نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع کر دی، ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں ستر سپاہیوں کا ایک دستہ ان کے گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیا“(۱)

---

(۱) **البداية والنهاية:** ۵/ ۵۷۰

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا ستر سپاہیوں سے تنہا مقابلہ

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے جب ان کی آوازیں سنیں تو تلوار لے کر دروازہ پر آ گئے اور سب کا مقابلہ کر کے ان کو دروازہ سے نکال دیا، وہ لوگ پھر لوٹے اور پھر مقابلہ کیا، اس مقابلہ میں زخمی ہو گئے، مگر ان کے قابو میں نہ آئے۔ یہ لوگ چھت پر چڑھ گئے، اور پتھر برسانے شروع کئے اور گھر میں آگ لگا دی، مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ان کے سب حربوں کا تن تنہا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے، کہ محمد بن اشعث نے ان کے قریب ہو کر پکارا کہ میں تمہیں امن دیتا ہوں، اپنی جان کو ہلاک نہ کرو، میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا، یہ لوگ تمہارے چچازاد بھائی ہیں، نہ تمہیں قتل کریں گے نہ ماریں گے۔ (۱)

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی گرفتاری

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ تن تنہا ستر سپاہیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زخموں سے چور ہو کر تھک چکے تھے، ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، ان کو ایک سواری پر سوار کر دیا گیا، اور ہتھیار ان سے لے لئے گئے، ہتھیار لینے کے وقت ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی عہد شکنی ہے کہ امن دینے کے بعد ہتھیار چھینے جا رہے ہیں، محمد بن اشعث نے کہا کہ نہیں آپ کوئی فکر نہ کریں، آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ نہ کیا جائے گا، ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب محض باتیں ہیں، اور اس وقت ابن عقیل رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، محمد بن اشعث کے ساتھیوں میں عمرو بن عبید بھی تھا، جو ان کو امان دینے کا مخالف تھا، اس نے کہا کہ اے مسلم جو شخص ایسا اقدام کرے جو جیسا آپ نے کیا وہ جب پکڑ لیا جائے تو اس کو رونے کا حق نہیں۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت

ابن عقیل نے فرمایا کہ ”میں اپنے جان کے لئے نہیں روتا، بلکہ میں حسین رضی اللہ عنہ اور آل حسین رضی اللہ عنہ کی جانوں کے لئے رو رہا ہوں، جو میری تحریر پر عنقریب کوفہ پہنچنے والے ہیں، اور تمہارے ہاتھوں اسی بلا میں گرفتار ہوں گے، جس میں میں گرفتار ہوں“۔

---

(۱) **البداية والنهاية:** ۵/ ۵۶۹

اس کے بعد محمد بن اشعث سے کہا کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، اور میرا گمان یہ ہے کہ تم اپنے اس امان سے عاجز ہو جاؤ گے، لوگ تمہاری بات نہ مانیں گے، اور مجھے قتل کریں گے، تو اب کم از کم تم میری ایک بات مان لو وہ یہ ہے کہ ایک آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس فوراً روانہ کرو جو ان کو میرے حال کی اطلاع کر کے یہ کہہ دے کہ آپ راستہ ہی سے اپنے اہل بیت کو لے کر لوٹ جائیں، کوفہ والوں کے خطوط سے دھوکہ نہ کھائیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے گھبرا کر آپ کے والد اپنی موت کی تمنا کیا کرتے تھے، محمد بن اشعث نے حلف کے ساتھ اس کا وعدہ کیا کہ میں ایسا کروں گا۔

محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو روکنے کے لئے آدمی بھیجا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت مقام زیالہ تک پہنچ چکے تھے، محمد بن اشعث کے قاصد نے یہاں پہنچ کر خط دیا، خط پڑھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”کل ما قدر نازل عند اللہ نحتسب أنفسنا و فساد أمتنا“(۱)

”جو چیز ہونی ہے وہ ہو کر رہے گی، ہم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی جانوں کا ثواب چاہتے ہیں، اور امت کے فساد کی فریاد کرتے ہیں“۔

الغرض یہ خط پا کر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا، اور جو عزم کر چکے تھے اس کو لئے ہوئے آگے بڑھتے رہے، ادھر محمد بن اشعث ابن عقیل رضی اللہ عنہ کو لے کر قصر امارت میں داخل ہوئے، اور ابن زیاد کو اطلاع دی کہ میں ابن عقیل رضی اللہ عنہ کو امان دے کر آپ کے پاس لایا ہوں۔ ابن زیاد نے غصہ سے کہا کہ تمہیں امان دینے سے کیا واسطہ، میں نے تمہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا، یا امان دینے کے لئے، محمد بن اشعث خاموش رہ گئے، ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ (۲)

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت اور وصیت

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے سمجھے ہوئے تھے کہ محمد بن اشعث کا امن دینا

---

(۱) کامل ابن اثیر: ۴/ ۱۴

(۲) حوالہ سابق: ۵/ ۵۷۱

کوئی چیز نہیں، ابن زیاد مجھے قتل کرے گا، مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو، ابن زیاد نے مہلت دی، تو انہوں نے عمر بن سعد سے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان قرابت ہے، اور میں اس قرابت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے جو راز کا ہے، میں تنہائی میں بتلا سکتا ہوں، عمر بن سعد نے اس کو سننے کی ہمت نہ کی، ابن زیاد نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، تم سن لو، ان کو علیحدہ کر کے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کام یہ ہے کہ میرے ذمہ سات سو درہم قرض ہیں، جو میں نے کوفہ کے فلاں آدمی سے لئے تھے، وہ میری طرف سے ادا کر دو، دوسرا کام یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی بھیج کر ان کو راستہ سے واپس کرا دو، عمر بن سعد نے ابن زیادہ سے ان کی وصیت پورا کرنے کی اجازت مانگی، تو اس نے کہا کہ بے شک امین آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا، تم ان کا قرض ادا کر سکتے ہو، باقی رہا حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ سو اگر وہ ہمارے مقابلے کے لئے نہ آئیں تو ہم بھی ان کے مقابلہ کے لئے نہ جائیں گے، اور اگر وہ آئے تو ہم مقابلہ کریں گے۔ (۱)

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ابن زیاد کا مکالمہ

ابن زیاد نے کہا کہ اے مسلم تم نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا نظم مستحکم اور ایک کلمہ تھا، سب ایک امام کے تابع تھے، تم نے آکر تفرقہ ڈالا، اور لوگوں کو اپنے امیر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معاملہ یہ نہیں بلکہ اس شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھے کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک اور شریف لوگوں کو قتل کر دیا، ان کے خون ناحق بہائے اور یہاں کے عوام پر کسریٰ قیصر جیسی حکومت کرنی چاہی، اس لئے ہم اس پر مجبور ہوئے کہ عدل قائم کرنے اور کتاب وسنت کے احکام نافذ کرنے کی طرف لوگوں کو بلائیں اور سمجھائیں۔

اس پر ابن زیاد اور زیادہ برافروختہ ہو کر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا، مسلم خاموش ہو گئے، ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کو قصر امارت کی اوپر کی منزل پر لے جاؤ

---

(۱) حوالہ سابق: ۵/ ۵۷۱

اور سر کاٹ کر نیچے پھینک دو، مسلم بن عقیل ؓ اوپر لے جائے گئے، وہ تسبیح و استغفار پڑھتے ہوئے اوپر پہنچے، اور ابن زیاد کے حکم کے موافق ان کو شہید کر کے نیچے ڈال دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مسلم بن عقیل ؓ کو قتل کرنے کے بعد ہانی بن عروہ کے قتل کرنے کا فیصلہ کیا، ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔(۱)

حضرت حسین ؓ کا عزم کوفہ

حضرت حسین ؓ کے پاس اہل کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط اور بہت سے وفود پہلے پہنچ چکے تھے، پھر مسلم بن عقیل ؓ نے یہاں کے اٹھارہ ہزار مسلمانوں کی بیعت کی خبر کے ساتھ ان کو کوفہ کے لئے دعوت دیدی، تو حضرت حسین ؓ نے کوفہ کا عزم کر لیا، جب یہ

---

(۱) **قصیدہ فرزدق برشہادت ابن عقیل ؓ**

فإن کنت لاتدرین ما الموت فانظری ★ إلی ھانی فی السوق و ابن عقیل
اصابھما امر الامام فاصبحا ★ احادیث من یغشی بکل سبیل
الی بطل قدھشم السیف وجھه ★ و آخر یھوی فی طمار قتیل
تری جسدا قد غیر الموت لونه ★ و نضح دم قد سال کل مسیل
فإن أنتم لم تثاروا بأخیکم ★ فکونوا بغایا أُرْضیت بقلیل

(۵۷۱/۵)

''اگر تو موت کو نہیں جانتی کہ کیا چیز ہے تو بازار میں پڑے ان (مبارک) ہانی اور مسلم بن عقیل کی لاش کو دیکھ، حاکم (کمبخت) کے حکم سے وہ ہر سڑک کی گفتگو بن گئے، تلواروں نے ایک مجاہد و ہیرو کے چہرے پر وار کیا اور دوسرا مقتول کے زرد رنگ میں رنگ گیا۔ تم دیکھو موت نے ان کے چہروں کو بدل دیا اور ہر طرف سے خون کے قطرے بہنے لگے، ارے (کم بختو!) اگر تم اپنے بھائیوں پر جان نثار نہیں کر سکے تو کم سے کم بغاوت پر راضی رہو''۔

ابن زیاد نے ان دونوں کے سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دیئے، یزید نے لے کر یہ کا خط لکھا، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حسین ؓ عراق کے قریب پہنچ گئے ہیں، اس لئے جاسوس اور خفیہ رپورٹر پورے شہر میں پھیلا دو۔ اور جس پر ذرا بھی حسین ؓ کی تائید کا شبہ ہو اس کو قید کر لو، مگر سوا اس شخص کے جو تم سے مقابلہ کرے کسی کو قتل نہ کرو۔ (**البدایۃ والنہایۃ: ۵۷۱/۵**)

خبر لوگوں میں مشہور ہوئی تو بجز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اور کسی نے ان کو کوفہ جانے کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ بہت سے حضرات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مشورہ دیا کہ آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں، اہل عراق وکوفہ کے وعدوں، بیعتوں پر بھروسہ نہ کریں، وہاں جانے میں آپ کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ (۱)

عمر بن عبدالرحمن کا مشورہ

عمر بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ایسے شہر میں جارہے ہیں جہاں یزید کے حکام وامراء موجود ہیں، ان کے پاس بیت المال ہے، اور لوگ عام طور پر درہم ودینار کے پرستار ہیں، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہی لوگ آپ کے مقابلہ پر نہ آجائیں، جنہوں نے آپ سے وعدے کیے اور بلایا ہے، اور جن کے قلوب میں بلاشبہ آپ زیادہ محبوب ہیں، بہ نسبت ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہو کر وہ آپ سے مقابلہ کریں گے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے ساتھ ان کی نصیحت کو سنا اور فرمایا کہ میں آپ کی رائے ومشورہ کا خیال رکھوں گا۔ (۲)

---

(۱) **سفر کی ابتداء**

جب آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو مدینہ سے اپنے گھر والوں کو اور اولاد عبدالمطلب کو طلب فرمایا، ۱۷/افراد محمد بن حنفیہ کے ساتھ مکہ تشریف لائے، محمد بن حنفیہ نے کہا میری رائے سفر کی نہیں ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے تو محمد بن حنفیہ نے اپنے بیٹے کو روک لیا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے کسی کو بھیجنے پر آمادہ نہ ہوئے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ تمہیں تو اپنے اولاد کا غم ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائیں، محمد بن حنفیہ نے کہا، مجھے اپنی اولاد سے زیادہ تمہارا غم ہے۔ بروز منگل یہ قافلہ ذی الحجہ ۸ تاریخ ۶۰ ہجری میں کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

(۲) ایضا:۵/ ۵۷۶

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مشورہ

امام شعبی سے منقول ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے، ان کو خبر ملی کہ حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچنے کے ارادے سے عراق کی سمت چل پڑے ہیں، تو آپ نے تین رات کا سفر کر کے حسین رضی اللہ عنہ سے جاملے، پوچھا کدھر کا ارادہ ہے، کہا عراق کا، حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل کوفہ کے خطوط وغیرہ تھے، دکھلا کر کہا کہ یہ ان کے خطوط اور بیعت نامے ہیں، ابن عمر نے فرمایا: نہ جاؤ، ان کی

باتوں میں مت پڑو، آپ اپنے ارادہ پر قائم رہے تو ابن عمر نے کہا: میں ایک حدیث سنا تا ہوں، سنو:

”إن جبرئیل أتی النبي ﷺ فخیره بین الدنیا والآخرة فاختار الآخرة ولم یرد الدنیا، وإنک من رسول الله ﷺ والله ما یلیها أحد منکم أبدا و ما صرفها الله عنکم إلا الذی هو خیر لکم فأبی أن یرجع، فقال فاعتنقه ابن عمر وبکی، وقال استودعک الله من قتیل“ (البدایة: ۵/ ۵۷۴)

”حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا، تو آپ نے آخرت کو اختیار کر لیا، اور دنیا کو نہ چاہا اور آپ رسول اللہ ﷺ کے پارۂ گوشت ہیں خدا کی قسم آپ میں سے کوئی شخص بھی کبھی دنیا کا حکمراں نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے ہٹا کر اس چیز کی طرف پھیر دیا ہے، جو تمہارے لئے بہتر ہے، مگر حضرت حسین ؓ نے واپس جانے سے انکار کر دیا، راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ؓ نے آپ کو گلے سے لگایا اور رو پڑے اور کہنے لگے: اے مقتول میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں“۔

حضرت ابو سعید خدری ؓ کا مشورہ

”فجاء ه أبو سعید الخدري، فقال: یا أبا عبد الله! إني لکم ناصح وإني علیکم مشفق وقد بلغني أنه قد یأتیک قوم من شیعتکم بالکوفة یدعونک إلی الخروج إلیهم، فلا تخرج إلیهم، فإني سمعت أباک یقول: بالکوفة والله لقد مللتهم وأبغضتهم، وملوني وأبغضوني وما یکون منهم وفاء قط، ومن فاز بهم فاز بالسهم الأخیب، والله مالهم نیات ولا عزم علی أمر ولا صبر علی السیف“ (البدایة: ۵/ ۵۷۵)

”جب سیدنا ابو سعید خدری ؓ کو پتہ چلا کہ حضرت حسین ؓ کوفہ کا سفر کرنے والے ہیں تو آپ تشریف لائے اور کہنے لگے: اے ابو عبداللہ (حسین ؓ) میں تمہارا خیر خواہ ہوں، تم پر مہربان ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ لوگ تمہیں بیعت کے لئے کوفہ بلا رہے ہیں، آپ ہرگز نہ جائیں، میں تمہارے والد سے کوفہ کے بارے میں سن چکا ہوں، تمہارے والد نے کہا تھا کہ میں نے انہیں تنگ کیا و اکتاہٹ میں ڈالا، وہ لوگ بھی مجھے تنگ کئے اور غصہ دلائے، ان میں سے کسی سے بھی کبھی وفا

نہیں ہوسکتی، جو ان میں کامیاب ہوا وہ ناکام کرنے والے تیر سے کامیاب ہوا ہے، خدا کی قسم! نہ ان کی کوئی نیت ہے اور نہ کسی امر کے بارے میں ان کا کوئی عزم ہے اور نہ تلوار پر کوئی صبر ہے"

جابر بن عبداللہ ؓ کا مشورہ

قال: کلمت حسینًا، فقلت: اتق اللہ ولا تضرب الناس بعضهم ببعض فو اللہ ما حمدتم ما صنعتم فعصانی۔

میں نے کہا: خدا کا خوف کریں، کہیں آپس میں مڈبھیڑ نہ ہوجائے، یہ مناسب بات نہ ہوگی، پر آپ عزم پر قائم رہے۔

سعید ابن المسیب کی رائے

قال سعید بن المسیب لو ان حسینا لم یخرج لکان خیرا له۔

اگر سیدنا حسین ؓ سفر نہ کرتے تو بہت اچھا تھا۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمن کی رائے

وقد کان ینبغی لحسین أن یعرف أهل العراق ولا یخرج إلیهم۔

سیدنا حسین ؓ کو عراقیوں کی فطرت و بے وفائی پر غور کرکے ادھر کا سفر نہ کرنا چاہئے تھا۔

مسور بن مخرمہ کا خط

کتب الیه مسور بن مخرمة إیاک أن تغتر بکتب أهل العراق

عراقیوں کے خطوط سے دھوکہ نہ کھائیں۔

ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کا مشورہ

قال له یا ابن عم! أن الرجیم تظارنی علیک ما ادری کیف انا عندک فی النصیحة لک؟

قال: یا أبا بکر! ما انت ممن یستغشّ ولا یتهم فقل قال قد رأیت ما صنع أهل العراق بأبیک وأخیک وأنت ترید أن تسیر إلیهم وهم عبید الدنیا فیقاتلک من قد وعدک أن ینصرک ویحزنک من أنت أحب إلیه ممن ینصره فاذکر اللہ فی نفسک، فقال جزاک =

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مشورہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو تشریف لائے اور فرمایا کہ میں یہ خبریں سن رہا ہوں، ان کی کیا حقیقت ہے؟ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میں ارادہ کر چکا ہوں، اور آج کل میں جانے والا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھائی میں اس سے آپ کو خدا کی پناہ دیتا ہوں، خدا کے لئے آپ مجھے یہ بتلائیں کہ آپ کسی ایسی قوم کے لئے جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر مسلط ہونے والے امیر کو قتل کر دیا اور وہ لوگ اپنے شہر پر قابض ہو چکے ہیں، اور اپنے دشمن کو نکال چکے ہیں، بیشک آپ کو ان کے بلانے پر فوراً چلے جانا چاہیئے، اگر وہ آپ کو ایسی حالت میں بلا رہے ہیں جبکہ ان کے سروں پر ان کا امیر قائم وموجود ہے، اور اس سے مغلوب ومتاثر ہیں، اور ان کے حکام زمینوں کا مالیہ وصول کرتے ہیں تو ان کی یہ دعوت آپ کو ایک سخت جنگ ومقابلہ کی دعوت ہے اور مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ یہی لوگ آپ کو دھوکہ دیں، اور مخالفت اور مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہوں،

= **يا ابن عم خير أ مهما يقضي الله من أمر يكن قال إنا لله وإنا إليه راجعون، نحتسب أبا عبد الله عند الله"** (البداية والنهاية: ۵۷۶/۵)

''اے میرے چچا زاد بھائی! رشتہ داری تم پر مہربان بن رہی ہے، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں تمہیں کیسے نصیحت کروں؟ اور نہ ہی میرا وہ مقام ہے، آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جن کی ولایت کے بارے میں خیانت کا اندیشہ کیا جائے، جو کچھ کہنا ہے، اے عم زاد کہیئے، انہوں نے کہا کہ: جو کچھ اہل عراق نے آپ کے باپ اور بھائی سے سلوک کیا ہے، مجھے معلوم ہے، اور آپ انہیں کے پاس جا رہے ہو، وہ دنیا کے غلام ہیں اور جس نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ آپ کی مدد کرے گا، وہی آپ سے جنگ کرے گا، اور وہ شخص آپ کو چھوڑ دے گا جس کو آپ نے اپنے مددگار سے زیادہ محبوب ہیں، میں آپ کو آپ کے بارے میں اللہ کے نام کی یاددہانی کراتا ہوں، آپ نے فرمایا: اے عم زاد! اللہ آپ کو جزائے خیر دے، اس نے جس امر کا فیصلہ کیا وہ ہو کر رہے گا، ابوبکر نے **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ** پڑھا اور کہنے لگے: اے ابوعبداللہ! ہم اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں''۔

پھر جو کچھ سمجھ میں آئے گا عمل کروں گا۔ (۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوبارہ تشریف لانا

دوسرے دن ابن عباس رضی اللہ عنہما پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بھائی میں صبر کرنا چاہتا ہوں، مگر صبر نہیں آتا، مجھے آپ کے اس اقدام سے آپکے اور آپ کے اہل بیت کا شدید خطرہ ہے، اہل عراق عہد شکن، بے وفا لوگ ہیں، آپ ان کے پاس نہ جائیں، آپ اس شہر مکہ میں اقامت کریں، آپ اہل حجاز کے مسلم رہنما و سردار ہیں، اور اگر اہل عراق آپ سے مزید تقاضہ کریں تو آپ ان کو یہ لکھئے کہ پہلے اپنے امیر و حکام کو اپنے شہر سے نکال دو۔ پھر مجھے بلاؤ تو میں آجاؤں گا۔ اور اگر آپ کو یہاں سے جانا ہی ہے تو آپ یمن چلے جائیں کہ وہاں بہت سے محفوظ قلعے، اور پہاڑیاں ہیں اور طویل و عریض خطہ ہے، وہاں آپ کے والد کے متبعین بھی بکثرت ہیں، اس طرح آپ لوگوں کے ہنگاموں سے جدا رہ کر بذریعہ خطوط خود حق کی اشاعت وحمایت کرسکیں گے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن عباس رضی اللہ عنہما میں جانتا ہوں کہ آپ ناصح، مشفق ہیں مگر میں اب عزم کرچکا ہوں، اس کو فسخ کرنے کے لئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرے بھائی اگر آپ جانا طے ہی کر چکے ہیں تو خدا کے لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ اسی طرح اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے قتل کئے جائیں، جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے ہیں۔ (۲)

---

(۱) **البدایة:**۵/ ۵۷۴ (۲) ایضاً:۵/ ۵۷۴۔

اور ان کی اولاد بے یارو مددگار دیکھتی رہ گئی۔ تم ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بات سن کر حجاز چھوڑ جارہے ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اور جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر تمہاری پیشانی کے بال پکڑ کر جبراً تمہیں روک لوں تو تم رک جاتے اور میری درخواست قبول کرتے تو میں ضرور ایسا کرتا لیکن تم رکنے والے نہیں ہو، پھر جاتے ہوئے غم میں یہ اشعار کہنے لگے:

یا لکِ من قنبرة بمعمر ★ خلالک الجوّ فبیضی و اصفری
و نقری ما شئت ان تنقری ★ صیادک الیوم قتیل فابشری(۱)

(البدایة:۵/ ۵۷۴) =

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کے لئے روانگی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نزدیک ایک دینی ضرورت سمجھ کر خدا کے لئے عزم کر چکے تھے، مشورہ دینے والوں نے ان کو خطرات سے آگاہ کیا، مگر مقصد کی اہمیت نے ان کو خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کر دیا، اور ذی الحجہ ٦٠ھ کی تیسری یا آٹھویں تاریخ کو آپ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے، اس وقت یزید کی طرف سے مکہ کا حاکم عمرو بن سعید بن العاص مقرر تھا، اس کو ان کی روانگی کی خبر ملی، تو چند آدمی راستہ پر ان کو روکنے کے لئے بھیجے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی سے انکار فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔

فرزدق شاعر کی ملاقات اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد

راستہ میں فرزدق شاعر عراق کی طرف سے آتا ہوا ملا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دینے کے بجائے ان سے پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ کہ اہل عراق وکوفہ کو تم نے کس حال پر چھوڑا ہے؟ فرزدق نے کہا کہ اچھا ہوا آپ نے ایک واقف حال تجربہ کار سے بات پوچھی، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اہل عراق کے قلوب تو آپ کے ساتھ ہیں، مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں، اور تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، اور فرمایا: (١)

لله الأمر ما يشاء وكل يوم ربنا في شأن إن نزل القضاء نحب فنحمد الله وهو المستعان على أداء الشكر وإن حال القضاء دون الرجاء، فلم يعتد من كان الحق نيته والتقوى سريرته (٢)

= ''اے آباد اور خوشحال جگہ کی چنڈول تیرے لئے فضا خالی ہوگئی ہے، تو انڈے دے اور گیت گا اور تو جیسے چاہتی ہے چونچ مار، تیرا صیاد آج قتل ہونے چلا ہے، تجھے خوشخبری ہو''۔

(١) حوالہ سابق: ٥/ ٥٨٠

(٢) **کامل ابن اثیر: ذکر مسیر الحسین إلى الكوفة: ٢/ ١٦٢**

> "اللہ کے ہاتھ میں تمام کام ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا رب ہر روز نئی شان میں ہے، اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے، اور ہم شکر کرنے میں بھی اسی کی اعانت طلب کرتے ہیں کہ ادائے شکر کی توفیق دے، اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد میں حائل ہوگئی تو وہ شخص خطا پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خوف خدا ہو"۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا خط، واپسی کا مشورہ

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت حسین ؓ کی روانگی کی خبر پائی تو ایک خط لکھ کر اپنے بیٹوں کے ہاتھ روانہ کیا، تیزی سے پہنچیں، اور راستہ میں حضرت حسین ؓ کو دے دیں، خط کا مضمون یہ تھا: "میں خدا کے لئے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میرا خط پڑھتے ہی مکہ کی طرف لوٹ آئیں، میں محض خیر خواہانہ عرض کر رہا ہوں، مجھے آپ کی ہلاکت کا خطرہ ہے، اور خوف ہے کہ آپ کے سب اہل بیت اور اصحاب کو ختم کر دیا جائے، اور اگر خدانخواستہ آپ آج ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا، کیونکہ آپ مسلمانوں کے پیشوا اور ان کی آخری امید ہیں، آپ چلنے میں جلدی نہ کریں، اس خط کے پیچھے میں خود بھی آرہا ہوں، میرا انتظار فرمائیں، والسلام"۔ (۱)

یہ خط لکھ کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے پہلے یہ کام کیا کہ یزید کی طرف سے والی مکہ عمر بن سعید کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے اس کا بھی وعدہ تحریر میں لے لیا کہ اگر وہ واپس آجائیں تو ان کے ساتھ مکہ میں اچھا سلوک کیا جائے گا، عامل مکہ عمرو بن سعید نے پروانہ لکھ دیا۔

اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو بھی حضرت حسین ؓ کی طرف بھیجا، یہ دونوں راستہ میں جا کر حضرت حسین ؓ سے ملے، اور عمرو بن سعید کا خط ان کو سنایا، اور اس کی کوشش کی کہ لوٹ جائیں، اس وقت حضرت حسین ؓ

---

(۱) ابن اثیر

(۲) البدایة: ٥/ ٥٧٧

نے ان کے سامنے اپنے اس عزم کی ایک وجہ بیان کی۔ (۲)

حضرت حسین ؓ کا خواب اور ان کے عزم مصمم کی ایک وجہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے آپ کی طرف سے ایک حکم دیا گیا ہے، میں اس حکم کی بجا آوری کے لئے جا رہا ہوں، خواہ مجھ پر کچھ بھی گزر جائے، انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا کہ آج تک میں نے وہ خواب کسی سے بیان کیا ہے نہ کروں گا، یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار سے جاملوں۔ (۱)

بالآخر حضرت حسین ؓ کو اپنی جان اور اولاد کے خطرات اور سب حضرات کے خیر خواہانہ مشوروں نے بھی ان کے عزم مصمم میں کوئی کمزوری پیدا نہ کی اور وہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ (۲)

ابن زیاد حاکم کوفہ کی طرف سے حسین ؓ کے مقابلہ کی تیاری

ابن زیاد جو کوفہ پر اسی لئے حاکم مقرر کیا گیا تھا، کہ وہ حضرت حسین ؓ کے مقابلہ میں سخت سمجھا گیا، اس کو جب حضرت حسین ؓ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی پولیس کے افسر حصین بن نمیر کو آگے بھیجا کہ قادسیہ پہنچ کر مقابلہ کی تیاری کرے، حضرت حسین ؓ جب مقام حاجر پر پہنچے تو اہل کوفہ کے نام ایک خط لکھ کر قیس بن مِسہر کے ہاتھ روانہ کیا، خط میں اپنے آنے کی اطلاع اور جس کام کے لئے ان کو اہل کوفہ نے بلایا تھا اس میں پوری کوشش کرنے کی ہدایت تھی۔

---

(۱) کامل ابن اثیر: ۲/ ۱٦۲ (۲) ابن کثیر: ۵/ ۵۷۷

صحابہ ؓ کے روکنے کی اصل وجہ

جن بزرگوں نے حضرت حسین ؓ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطۂ نظر یہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پر نکیر کرنا اور مخالفت کرنا سرے سے غلط ہے بلکہ نقطۂ نظر یہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے، حضرت حسین ؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ نے سیدنا حسین ؓ سے کہا کہ آپ تمام علاقوں میں گھومئے پھرئے؛ تا کہ حالات کا اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ لوگوں سے ملئے، اس کے بعد جو رائے ہوگی وہی صحیح رائے ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مشورہ میں غور کریں تو یہی نقطۂ نظر ملے گا۔ (حادثہ کربلا: ۸۲)

کوفہ والوں کے نام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط اور قاصد کی دلیرانہ شہادت

قیس جب یہ خط لے کر قادسیہ تک پہنچے، تو یہاں ابن زیاد کی پولیس کے انتظامات تھے، ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا، ابن زیاد نے ان کو حکم دیا کہ قصر امارت کی چھت پر چڑھ کر (معاذ اللہ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور لعن طعن کریں۔

قیس چھت پر چڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد باآواز بلند کہا کہ:

اے اہل کوفہ! حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے اور اس وقت خلق اللہ میں سب سے بہتر ہیں، میں تمہاری طرف ان کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں، تم ان کا استقبال کرو، اس کے بعد ابن زیاد کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔ ابن زیاد ان کی دلیری اور جان بازی پر حیران رہ گیا، حکم دیا کہ ان کو قصر کی بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے۔ ظالموں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، بلندی سے نیچے گر کر ٹکڑے ہو گئے۔ (۱)

راہ میں عبداللہ بن مطیع سے ملاقات اور ان کا واپسی کے لئے اصرار

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے، راستہ میں ایک پڑاؤ پر اچانک عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوگئی، حضرت حسینؓ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کہاں جارہے ہیں؟ اور کیا قصد ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ بتلایا، عبداللہ نے الحاح وزاری سے عرض کیا کہ

اے ابن رسول اللہ! میں تمہیں اللہ کا اور عزت اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے رک جائیں، میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، اور حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر آپ بنی امیہ سے ان کے اقتدار کو لینا چاہیں گے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے، اور اگر خدانخواستہ انہوں نے آپ کو قتل کر ڈالا تو پھر دنیا میں کوئی ایسا نہ رہے گا جس سے ان کو کوئی خوف ہو، بخدا آپ کی بقاء کے ساتھ اسلام کی اور قریش کی اور پورے عرب کی حرمت وعزت وابستہ ہے، آپ ایسا ہرگز نہ کریں اور کوفہ نہ جائیں،

---

(۱) **الکامل لابن اثیر، ابن کثیر: ۵ / ۵۸۰**

اپنی جان کو بنی امیہ کے حوالے نہ کریں۔ (۱)

مگر حضرت حسین ؓ نے اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۲)

مسلم بن عقیل ؓ کے قتل کی خبر پا کر حضرت حسین ؓ کے ساتھیوں کا مشورہ

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ مسلم بن عقیل ؓ نے محمد بن اشعث سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے حالات کی اطلاع حضرت حسین ؓ کو پہنچا کر ان کو راستہ سے واپس کرا دیں، اور محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق آدمی بھیج کر اس کی اطلاع کرائی، یہ خط اور پھر ان کے قتل کی اطلاع دوسرے ذرائع سے حضرت حسین ؓ کو مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر ملی، یہ خبر سن کر حضرت حسین ؓ کے بعض ساتھیوں نے بھی ان سے بہ اصرار عرض کیا کہ خدا کے لئے آپ اب یہیں سے لوٹ جائیں کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں، بلکہ ہمیں قوی اندیشہ ہے کہ کوفہ کے یہی لوگ جنہوں نے دعوت دی تھی آپ کے مقابلہ پر آجائیں گے۔ (۳)

مسلم بن عقیل ؓ کے عزیزوں کا جوش انتقام

مگر یہ بات سن کر بنو عقیل سب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ واللہ ہم مسلم بن عقیل ؓ کا قصاص لیں گے، یا انہیں کی طرح اپنی جان دے دیں گے، حضرت حسین ؓ بھی اب یہ تو سمجھ چکے تھے کہ کوفہ میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور نہ اس دینی

---

(۱) ابن اثیر

(۲) عبداللہ بن اسدی اور مزری بن مشمعل اسدی کہتے ہیں کہ ہم حج سے فارغ ہونے کے بعد فوراً حضرت حسین ؓ سے جا ملے، راستہ میں قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی، سیدنا حسین ؓ نے اس سے کوفہ کے حالات پوچھنا چاہے، پھر خاموش رہ گئے، تو ہم دونوں اس کے پاس جا کر احوال کا جائزہ لیا، تو وہ کہنے لگے: قسم بخدا میرے نکلنے سے پہلے ہی مسلم بن عقیل ؓ اور ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا گیا (**البدایۃ: ۵ / ۵۸۱**) اور میری آنکھوں نے دیکھا کہ ان کے پیروؤں کو پکڑ کر کوفہ کے بازاروں میں کھینچ کر لے جایا جا رہا تھا، ہم دونوں نے یہ خبر آپ کو سنائی تو بہت غم کا اظہار کیا، کئی بار **انا للہ** پڑھے، ہم نے کہا: اپنے بارے میں سوچیں، آپ نے فرمایا: ''**لا خیر فی العیش بعدھما**'' اب ان کے چلے جانے کے بعد زندگی میں کوئی لذت نہیں۔

(۳) حوالہ سابق: ۵ / ۵۸۱

مقصد کا اب کوئی امکان ہے، جس کے لئے یہ آہنی عزم لے کر چلے تھے، لیکن بنوعقیل کے اس اصرار اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے تازہ صدمہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ اب ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں، اور ساتھیوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ آپ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نہیں آپ کی شان کچھ اور ہے، ہمیں امید ہے کہ جب اہل کوفہ آپ کو دیکھیں گے تو آپ کے ساتھ ہو جائیں گے، یہاں تک کہ پھر آگے بڑھنا طے کر کے سفر کیا گیا اور مقام زیالہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، راستہ میں جس مقام پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا اور ان کا مقصد معلوم ہوتا تھا ہر مقام سے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے، یہاں بھی کچھ لوگ ساتھ ہو لئے، مقام زیالہ میں پہنچ کر یہ خبر ملی کہ آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن لقیط جن کو راستہ سے مسلم بن عقیل کی طرف بھیجا تھا وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ (۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت

یہ خبریں پانے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اہل کوفہ نے ہمیں دھوکہ دیا، اور ہمارے متبعین ہم سے پھر گئے، اب جس کا جی چاہے واپس ہو جائے، میں کسی کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔

اس اعلان کے ساتھ راستے سے ہونے والے بدوی لوگ سب داہنے بائیں چل دیئے، اور اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے تھے، یہاں سے روانہ ہو کر مقام عقبہ پر پہنچے تو ایک عرب ملے اور کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ لوٹ جائیں، آپ نیزوں اور تلواروں کی طرف جا رہے ہیں، جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے اگر وہ خود اپنے دشمنوں سے نمٹتے اور ان کو اپنے شہر سے نکال کر آپ کو بلاتے تو وہاں جانا ایک صحیح رائے ہوتی، لیکن اس حال میں کسی طرح آپ کا جانا مناسب نہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جو کہہ رہے ہو مجھ پر بھی پوشیدہ نہیں؛ لیکن تقدیر الٰہی پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ (۲)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) جب آپ کربلا کے میدان میں اترے، پوچھا اس زمین کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا =

ابن زیاد کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار لشکر لے کر پہنچ گئے

حضرت حسین ؓ اور ان کے ساتھی چل رہے تھے، کہ دوپہر کے وقت دور سے کچھ چیزیں حرکت کرتی نظر آئیں، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ گھوڑ سوار فوج ہے، یہ دیکھ کر حضرت حسین ؓ اور ان کے ساتھیوں نے ایک پہاڑی کے قریب پہنچ کر محاذ جنگ بنایا، یہ حضرات محاذ کی تیاری میں مصروف ہی تھے کہ ایک ہزار گھوڑ سوار فوج حر بن یزید کی قیادت میں مقابلہ پر آ گئی اور ان کے مدمقابل آ کر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت حسین ؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ سب لوگ خوب پانی پی کر اور گھوڑوں کو پلا کر سیراب ہو جاؤ، حر بن یزید کو حصین بن نمیر نے ایک ہزار سواروں کی فوج دے کر قادسیہ سے بھیجا تھا، یہ اور اس کا لشکر آ کر حضرت حسین ؓ کے مقابل ٹھہر گئے، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔

دشمن کی فوج نے بھی حضرت حسین ؓ کے پیچھے نماز ادا کی

حضرت حسین ؓ نے اپنے موذن کو اذان دینے کا حکم دیا اور سب نماز کے لئے جمع ہو گئے، تو حضرت حسین ؓ نے فریق مقابل کو سنانے کے لئے ایک تقریر فرمائی، جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: ”اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے سامنے یہ عذر رکھتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک یہاں آنے کا ارادہ نہیں کیا جب تک تمہارے

= کربلا، آپ نے فرمایا: کرب و بلا (غم اور آزمائش) کی جگہ بالکل یہی ہے، سیدنا علی ؓ جب صفین کے لئے جا رہے تھے کربلا کے حنظل کے درختوں کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے، لوگوں نے کہا: کربلا، تو آپ نے فرمایا: **كَرْبٌ وَّبَلَاءٌ**، بلکہ مسند احمد میں ہے، محمد بن یحییٰ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد سیدنا علی ؓ کے ساتھ صفین جا رہے تھے نینویٰ تک پہنچے، سیدنا علی ؓ نے پکارا ابو عبداللہ رک جاؤ، ابو عبداللہ رک جاؤ، میں نے پوچھا کیا ارادہ ہے؟ فرمایا میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس گیا دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے پوچھا رسول اللہ کو کس چیز نے غمزدہ کر دیا، آپ نے فرمایا: ابھی جبرئیل میرے پاس سے گئے، اور مجھے کہہ گئے کہ حسین دریائے فرات کے کنارہ قتل ہو چکے، اور مجھ سے کہے کہ اگر آپ چاہیں تو اس مٹی کی بو آپ کو سنگھاؤں پھر ہاتھ بڑھا کر ایک مٹھی مٹی پیش کئے جسے دیکھ کر آنسو بہہ پڑے۔ (**البدایۃ: ۵/۲۰۹**)

بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہیں پہنچے، جس میں بیان کیا گیا تھا کہ اس وقت تک ہمارا کوئی امام اور امیر نہیں، آپ آجائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ میں تمہارے بلانے پر آ گیا، اب اگر تم اپنے وعدوں اور عہدوں پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر کوفہ میں جاتا ہوں اور اگر اب تمہاری رائے بدل گئی ہے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا تھا وہیں واپس چلا جاتا ہوں۔ تقریر سن کر سب خاموش رہے، حضرت حسین ؓ نے موذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا اور حر بن یزید سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھو گے یا ہمارے ساتھ، حر نے کہا کہ نہیں آپ ہی نماز پڑھائیں، ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے، حضرت حسین ؓ نے نماز ظہر پڑھائی اور پھر اپنی جگہ تشریف لے گئے، حر بن یزید اپنی جگہ چلے گئے۔ اس کے بعد نماز عصر کا وقت آیا تو پھر حضرت حسین ؓ نے نماز پڑھائی اور سب شریک جماعت ہوئے، عصر کے بعد پھر حضرت حسین ؓ نے ایک خطبہ دیا۔ (۱)

میدان جنگ میں حضرت حسین ؓ کا دوسرا خطبہ

خطبہ میں حمد وثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم اللہ سے ڈرو اور اہل حق کا حق پہچانو، تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہوگا، ہم اہل بیت اس خلافت کے لئے ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جو حق کے خلاف اس کا دعویٰ کرتے ہیں، اور تم پر ظلم و جور کی حکومت کرتے ہیں اور اگر تم ہمیں ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے جاہل ہو اور اب تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں لکھی تھی اور تمہارے قاصدوں نے مجھ تک پہنچائی تھی تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ (۲) اس وقت حر بن یزید نے کہا کہ ہمیں ان خطوط اور وفود کی کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس نے لکھے ہیں؟ حضرت حسین ؓ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے نکالے اور ان کو ان لوگوں کے سامنے الٹ دیا، حر نے کہا کہ بہرحال ہم ان خطوط کے لکھنے والے نہیں اور ہمیں امیر کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں، حضرت حسین ؓ نے جواب دیا کہ اس

---

(۱) ابن کثیر: ۵/ ۵۸۳

(۲) کامل ابن اثیر: ۴/ ۹۱

سے تو موت بہتر ہے، اس کے بعد حضرت حسین ؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ اور واپس لوٹ جائیں، مگر اب حر بن یزید نے اس ارادے سے روکا تو حضرت حسین ؓ کی زبان سے نکلا تمہاری ماں تمہیں روئے تم کیا چاہتے ہو؟ حر بن یزید نے کہا کہ بخدا اگر تمہارے سوا کوئی دوسرا آدمی میری ماں کا نام لیتا تو میں اسے بتا دیتا اور اس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا، لیکن تمہاری ماں کو برائی کے ساتھ ذکر کرنا کسی کی قدرت میں نہیں۔ حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ حر بن یزید نے کہا کہ ارادہ یہ ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دوں، حضرت حسین ؓ نے فرمایا تو پھر میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، حر نے کہا کہ تو پھر میں بخدا آپ کو نہ جانے دوں گا، کچھ دیر تک یہی ردو کد ہوتی رہی۔

حر بن یزید کا اعتراف حق

پھر حر نے کہا کہ مجھے آپ سے قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حکم یہ ہے کہ میں آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں، جب تک کہ آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں، اس لئے آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ، یہاں تک کہ میں ابن زیادِ کو خط لکھوں، اور آپ بھی یزید کو یا ابن زیاد کو لکھیں، شاید اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی ایسا مخلَص پیدا کر دے کہ میں آپ کے مقابلے اور آپ کی ایذا سے بچ جاؤں، اس لئے حضرت حسین ؓ نے عُذَیْبُ اور قادِسیہ کے راستے میں بائیں جانب چلنا شروع کر دیا، اور حر مع اپنے لشکر کے ان کے ساتھ چلتا رہا، اسی اثناء میں حضرت حسین ؓ نے پھر ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا۔ (۱)

حضرت حسین ؓ کا تیسرا خطبہ

’’اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے، اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم وعدوان کا معاملہ کرے اور یہ شخص اس کے ایسے افعال واعمال دیکھنے کے باوجود کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ

---

(۱) حوالہ سابق

تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو بھی اسی ظالم بادشاہ کے ساتھ اسی کے مقام (دوزخ) میں پہنچا دے۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امراء و حکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے، اور رحمن کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا دیا، حدود الٰہیہ کو معطل کر دیا، اسلامی بیت المال کو اپنی ملک سمجھ لیا، اللہ کے حرام کو حلال کر ڈالا اور حرام کو حلال ٹھہرا دیا، اور میں دوسروں سے زیادہ حقدار ہوں، اور میرے پاس تمہارے خطوط اور وفود تمہاری بیعت کا پیغام لے کر پہنچے ہیں، اور یہ کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے اور میری جان کو اپنی جانوں کے برابر سمجھو گے، اب اگر تم اپنی بیعت پر قائم ہو تو ہدایت پاؤ گے، میں رسول اللہ کی لخت جگر فاطمہ ؓ کا بیٹا ہوں، میری جان آپ لوگوں کی جانوں کے ساتھ اور میرے اہل و عیال آپ لوگوں کے اہل و عیال کے ساتھ، تم لوگوں کو میرا اتباع کرنا چاہیے۔

اور اگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ میری بیعت کو توڑتے ہو اور میرے عہد سے پھر جاتے ہو تو وہ تم لوگوں سے کچھ بعید نہیں، کیونکہ یہی کام تم میرے باپ علی ؓ اور بھائی حضرت حسن ؓ اور چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل ؓ کے ساتھ کر چکے ہو۔

اور وہ آدمی بڑا فریب میں ہے جو تمہارے عہد و پیمان سے دھوکہ کھائے، سو تم نے خود اپنا آخرت کا حصہ ضائع کر دیا، اور اپنے حق میں ظلم کیا، اور جو شخص بیعت کر کے توڑتا ہے، وہ اپنا نقصان کرتا ہے، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے مستغنی فرما دیں۔ والسلام"۔ (۱)

حر بن یزید نے خطبہ سن کر کہا کہ میں آپ کو اپنی جان کے بارے میں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیونکہ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اگر آپ قتال کریں گے تو قتل کئے جائیں گے، حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو موت سے ڈرانا چاہتے ہو، جو میں کہہ رہا ہوں، اس پر توجہ نہیں دیتے، میں آپ کے جواب میں صرف وہی کہہ سکتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی امداد کے لئے نکلنے والے ایک صحابی نے اپنے بھائی کی نصیحت کے جواب میں کہا تھا، بھائی نے اس سے کہا کہ تم کہاں جاتے ہو قتل کر دیئے جاؤ گے، تو اس صحابی نے جواب میں یہ شعر پڑھے:

---

(۱) کامل ابن اثیر: ۹۱/۴

سامضی وما بالموت عار علی الفتی ★ اذا ما نوی خیراً وجاهد مسلما
فإن عشت لم اندم وإن مت لم الم ★ کفی بک ذلا أن تعیش و ترغما

"یعنی میں اپنے ارادہ کو پورا کروں گا اور موت میں کسی جوان کے لئے کوئی عار نہیں جبکہ اس کی نیت خیر کی ہو اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو، پھر اگر میں زندہ رہ گیا تو نادم نہ ہوں گا، اور اگر مر گیا تو قابل ملامت نہ ہوں گا، اور تمہارے لئے اس سے بڑی ذلت کیا ہے کہ ذلیل و خوار ہو کر زندہ رہو"۔

حر بن یزید کچھ تو پہلے سے اہل بیت کا احترام دل میں رکھتا تھا کچھ خطبوں سے متاثر ہو رہا تھا، یہ کلام سن کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ (۱)

طرماح بن عدی کا معرکہ میں پہنچنا

اسی حال میں چار آدمی کوفہ سے حضرت حسین ؓ کے مددگار پہنچے جن کا سردار طرماح بن عدی تھا۔ (۲)

حر بن یزید نے چاہا کہ انہیں گرفتار کر لیں یا واپس کر دیں، مگر حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ یہ میرے مددگار اور رفیق ہیں، ان کی ایسی ہی حفاظت کروں گا، جیسے اپنی

---

(۱) **البدایۃ: ۵/ ۵۸۵**

(۲) جو یہ اشعار گنگناتے آرہا تھا:

یا ناقتی لاتذعری من زجری ★ و شمری قبل طلوع الفجر
بخیر رکبان و خیر سفر ★ حتی تعلی بکریم النجر
الماجد الحر رحیب الصدر ★ اتی به اللہ لخیر امر
ثمت ابقاہ بقاء الدهر

(ابن کثیر: ۵/ ۵۸۶)

"اے میری اونٹنی میری ذات سے خوف نہ کر، طلوع فجر سے پہلے پہلے بہترین سوار کے ساتھ بہترین سفر سے تیز چل کر جانا، یہاں تک کہ کریم الاصل بزرگ، شریف اور کشادہ سینہ والے شخص کے پاس جا اترنا، خدا نے اسے بہترین کام کے لئے لایا ہے، زمانہ جب تک باقی رہے اس کی بھی بقاء ہے"۔

جان کی کرتا ہوں، حر بن یزید نے ان کو آنے کی اجازت دے دی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کوفہ کے حالات دریافت کیے، انہوں نے بتلایا کہ کوفہ کے جتنے سردار تھے، ان سب کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئیں، اور ان کے تھیلے بھر دیئے گئے، اب وہ سب آپ کے مخالف ہیں؛ البتہ عوام کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں، مگر اس کے باوجود جب مقابلہ ہوگا تو تلواریں ان کی بھی آپ کے مقابلہ پر آئیں گی۔

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی جب حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں آکر شامل ہوئے تو آپ سے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ساتھ تو کوئی قوت اور جماعت نہیں، اگر آپ کے قتال کے لئے حر بن یزید کے موجودہ لشکر کے سوا کوئی بھی نہ آئے، تب بھی آپ ان پر غالب نہیں آسکتے، اور میں تو کوفہ سے نکلنے سے پہلے کوفہ کے سامنے آپ کے مقابلہ پر آنے والا اتنا بڑا لشکر دیکھ چکا ہوں جو اس سے پہلے کبھی میری آنکھ نے نہ دیکھا تھا، میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ایک بالشت بھی ان کی طرف نہ بڑھیں، آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو اپنے پہاڑ آجا میں ٹھہرا دوں گا، جو نہایت محفوظ قلعہ جیسا ہے، ہم نے ملوک غسان اور ضمیر اور لقمان بن منذر کے مقابلہ میں اسی پہاڑ میں پناہ لی اور ہمیشہ کامیاب ہوئے، آپ یہاں جا کر مقیم ہو جائیں، پھر آجا اور سلمیٰ دونوں پہاڑوں پر بسنے والے قبیلہ طے کے لوگوں کو بلائیں، بخدا دس دن نہ گزریں گے کہ اس قبیلہ کے لوگ پیادہ اور سوار آپ کی مدد کے لئے آجائیں گے۔

اس وقت اگر آپ کی رائے مقابلہ ہی کی ہو تو میں آپ کے لئے بیس ہزار بہادر سپاہیوں کا ذمہ لیتا ہوں، جو آپ کے سامنے اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے، اور جب تک ان میں کسی ایک کی آنکھ بھی چمکتی رہے گی کسی کی مجال نہیں کہ آپ تک پہنچ سکے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی قوم کو جزائے خیر عطا فرمائے، مگر ہمارے اور حر بن یزید کے درمیان ایک بات ہو چکی ہے، اب ہم اس کے پابند ہیں، اس کے ساتھ کہیں نہیں جاسکتے۔ اور ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، طرماح بن

عدی رخصت ہو گئے اور اپنے ساتھ سامان رسد لے کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے اور پھر آئے بھی، مگر راستہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی غلط خبر سن کر لوٹ گئے۔ (۱)

حضرت حسینؓ کا خواب

اس طرف حضرت حسینؓ چلتے رہے، اور نصر بنی مقاتل تک پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر آپ کو ذرا غنودگی آئی، **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ** کہتے ہوئے بیدار ہوئے، آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے سنا تو گھبرا کر سامنے آئے اور پوچھا ابا جان کیا بات ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی گھوڑ سوار میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ کچھ لوگ چل رہے ہیں، اور ان کی موتیں ان کے ساتھ چل رہی ہیں، اس سے میں یہ سمجھا کہ یہ ہماری موت ہی کی خبر ہے۔ (۲)

علی اکبرؓ کا مومنانہ ثبات قدم

صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ابا جان کیا ہم حق پر نہیں، آپ نے فرمایا: **نعم**، ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کی طرف سب بندگان خدا کا رجوع کرتے ہیں کہ بلاشبہ ہم حق پر ہیں، صاحبزادہ نے عرض کیا پھر ہمیں کیا ڈر ہے، جب کہ ہم حق پر مر رہے ہیں، حضرت حسینؓ نے ان کو شاباشی دی، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے، تم نے اپنے باپ کا صحیح حق ادا کیا، اس کے بعد حضرت حسینؓ پھر روانہ ہوئے، مقام نینویٰ تک پہنچے تو ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا نظر آیا، یہ سب اس کے انتظار میں اتر گئے، اس نے آکر حر بن یزید کو سلام کیا، حضرت حسینؓ کو سلام بھی نہ کیا اور حر کو ابن زیاد کا ایک خط پہنچایا، جس میں لکھا تھا کہ جس وقت تمہیں میرا یہ خط ملے تم حسینؓ پر میدان تنگ کر دو اور ان کو کھلے میدان کے سوا کسی پناہ کی جگہ میں نہ اترنے دو اور ایسے میدان کی طرف لے جاؤ جہاں پانی نہ ہو، اور میں نے اپنے اس قاصد کو حکم دیا ہے کہ جب تک میرے اس حکم کی تعمیل نہ کر دو گے تمہارے ساتھ رہے گا، یہ خط پڑھ کر حر نے اس کا مضمون حضرت حسینؓ کو سنا دیا اور اپنی مجبوری ظاہر کی، کہ اس وقت میرے سر پر جاسوس

---

(۱) **البدایة:** ۵/ ۵۸۶ (۲) **البدایة:** ۵/ ۵۸۶

مسلط ہیں میں کوئی مصالحت نہیں کر سکتا۔ (۱)

اصحاب حسین ؓ کا ارادۂ قتال اور حسین ؓ کا جواب کہ میں قتال میں پہل نہ کروں گا:

اس وقت حضرت حسین ؓ کے ساتھیوں میں سے زہیر بن القین ؓ نے عرض کیا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر آنے والی گھڑی مشکلات میں اضافہ کر رہی ہے، اور ہمارے لئے موجودہ لشکر سے قتال کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ جو اس کے بعد آئے گا۔ حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ میں قتال میں پہل نہیں کرنا چاہتا، زہیر ابن القین ؓ نے عرض کیا کہ آپ قتال کی ابتداء نہ کریں بلکہ ہمیں اس بستی میں لے جائیں جو حفاظت کی جگہ ہے، اور دریائے فرات کے کنارے پر ہے، اس پر اگر یہ لوگ ہمیں وہاں جانے سے روکیں تو ہم قتال کریں، آپ نے پوچھا کہ یہ کونسی بستی ہے، کہا گیا کہ عقر ہے، آپ نے فرمایا کہ میں عقر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عقر کے لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔

عمر بن سعد چار ہزار کا مزید لشکر لے کر مقابلہ پر پہنچ گیا

ابھی یہ حضرات اسی گفتگو میں تھے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے چار ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیج دیا، عمر بن سعد نے ہر چند چاہا کہ اس کو حضرت حسین ؓ کے مقابلہ کی مصیبت سے نجات مل جائے مگر ابن زیاد نے کوئی بات نہ سنی اور اس کو مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ (۲)

---

(۱) حوالہ سابق۔ یہ واقعہ ۶۱ھ محرم کی ۲ر تاریخ بروز جمعرات پیش آیا۔

(۲) حوالہ سابق: ۵/ ۵۸۷

واقعہ یہ ہے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو کوفہ کا لشکر دے کر روانہ کیا اور کہا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے جنگ کر کے فارغ ہو جاؤ، عمر نے کہا تم مجھے دوسری ذمہ داری دو پر میں اس سے معذرت خواہ ہوں، کہ نواسہ رسول ﷺ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ لوں، ابن زیاد نے کہا ٹھیک ہے، مجھے تیری معذرت قبول ہے، پر جتنے شہروں کا تجھے والی بنایا ہوں اس سے بھی معزولی ضروری ہے، عمر نے کہا مجھے غور کرنے کا موقع دو، اس کے بعد عمر بن سعد اپنے متعلقین سے مشورہ لینے لگا، ہر کوئی اس کو روکا کہ اس کام کے لئے قدم نہ اٹھانا، عمر کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا: =

عمر بن سعد یہاں پہنچا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کوفہ آنے کی وجہ پوچھی، آپ نے پورا واقعہ بتلایا، اور یہ کہ میں اہل کوفہ کا بلایا ہوا آیا ہوں، اگر اب بھی ان کی رائے بدل گئی ہے تو واپس جانے کے لئے تیار ہوں، عمر بن سعد نے ابن زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دینے کا حکم

ابن زیاد نے جواب دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے صرف ایک بات رکھو کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں، جب وہ ایسا کرلیں تو پھر ہم غور کریں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور عمر کو حکم دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر پانی بالکل بند کر دو، یہ واقعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تین روز پہلے کا ہے، ان حضرات پر پانی بالکل بند کر دیا گیا، یہاں تک کہ جب یہ سب حضرات پیاس سے پریشان ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہما کو تیس سوار اور تیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیج دیا، پانی لانے میں عمر بن سعد کی فوج سے مقابلہ بھی ہوا، مگر بالآخر وہ بیس مشکیں پانی کے بھر لائے۔(۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمر بن سعد کی ملاقات اور مکالمہ

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو ہماری ملاقات اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہو جانی چاہیے، تا کہ ہم سب کے سامنے گفتگو کریں، عمر بن سعد اس پیغام کے مطابق رات کو ملے۔

= **"إياک أن تسير إلى الحسين فتعصي ربک و تقطع رحمک فو الله لأن تخرج من سلطان الأرض كلها أحب إليک من أن تلقى الله بدم الحسين، فقال: انی افعل انشاء الله تعالیٰ"۔**

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے قتال کے ارادہ سے سفر کرنے سے بچو، ورنہ رب کے نافرمان ہو جاؤ گے اور قطع رحمی کے گناہ کے بھی مرتکب ہو گے، بخدا تمہارا ساری دنیا کے بادشاہ کے خلاف جنگ کے لئے نکلنا آسان ہے، اس سے کہ کل تم حسین رضی اللہ عنہ کا خون اپنے سر لے کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو۔ عمر نے کہا انشاء اللہ میں اس کی کوشش کروں گا لیکن ابن زیاد نے دھمکی دی، قتل اور معزولی سے ڈرایا۔

(البداية:۵/ ۵۸۷)

(۱) حوالہ سابق:۵/ ۵۸۸

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ تین باتوں میں سے کوئی اختیار کرلو

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ تین صورتوں میں سے کوئی اختیار کرلو (۱) میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔ (۲) یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں اور خود اس سے اپنا معاملہ طے کروں (۳) یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر پہنچا دو جو حال وہاں کے عام مسلمانوں کا ہوگا میں اسی میں بسر کروں گا، بعض لوگوں نے آخری دو صورتوں کا انکار کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ دو صورتیں پیش نہیں فرمائیں۔

عمر بن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر پھر ابن زیاد کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھا دی اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کر دیا۔ مجھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تین صورتوں کا اختیار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں آپ کا مقصد پورا ہوتا ہے، اور امت کی اس میں صلاح وفلاح ہے۔ (۱)

ابن زیاد کا ان شرطوں کو قبول کرنا اور شمّر کی مخالفت

ابن زیاد بھی عمر بن سعد کے اس خط سے متاثر ہوا، اور کہا کہ یہ خط ایک ایسے شخص کا ہے جو امیر کی اطاعت بھی چاہتا ہے اور اپنی قوم کی عافیت کا بھی خواہشمند ہے، ہم نے اس کو قبول کرلیا۔

شمر ذی الجوشن نے کہا کہ کیا آپ حسین رضی اللہ عنہ کو مہلت دینا چاہتے ہیں، کہ قوت حاصل کر کے پھر تمہارے مقابلہ پر آئے، وہ اگر آج تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر تم ان پر کبھی قابو نہ پاسکو گے، مجھے اس میں عمر بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ راتوں کو آپس میں باتیں کرتے ہیں، ہاں آپ حسین رضی اللہ عنہ کو اس پر مجبور کریں کہ وہ آپ کے پاس آجائیں، پھر آپ چاہے سزا دیں چاہے معاف کردیں، ابن زیاد نے شمر کی رائے قبول کر کے عمر بن سعد کو اسی مضمون کا خط اور خود شمر ذی الجوشن ہی کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس بھیجا اور یہ ہدایت کردی کہ اگر عمر بن سعد اس حکم کی تعمیل فوراً نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جگہ تم خود لشکر کے امیر ہو۔ (۲)

---

(۱) حوالہ سابق: ۵/ ۵۹۲ (۲) حوالہ سابق

ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام

اما بعد! میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ تم جنگ سے بچو، یا ان کو مہلت دو، یا ان کی سفارش کرو، اگر حسین ؓ اور ان کے ساتھی میرے حکم پر صلح کرنا اور میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کو صحیح سالم یہاں پہنچادو، ورنہ ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ ان کو قتل کرو، مثلہ کرو، کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں، پھر قتل کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالو، اگر تم نے ہمارے اس حکم کی تعمیل کی تو تم کو ایک فرمانبردار کی طرح انعام ملے گا اور اگر اس کی تعمیل نہیں کرتے تو ہمارے لشکر کو فوراً چھوڑ دو اور چارج شمر کے سپرد کردو۔ والسلام“

شمر یہ حکم اور خط لے کر روانہ ہونے لگا، تو اس کو خیال آیا کہ حضرت حسین ؓ کے ساتھیوں میں اس کے پھوپھی زاد بھائی عباس ؓ، عبداللہ، جعفر، عثمان بھی ہیں، ابن زیاد نے ان چاروں کے لئے امان حاصل کیا، اور روانہ ہوگیا، شمر نے یہ پروانہ امان کسی قاصد کے ہاتھ ان چاروں بزرگوں کے پاس بھیج دیا، یہ پروانہ دیکھ کر یک زبان ہو کر بولے کہ ”ہمیں امان دیا جاتا ہے، اور ابن رسول اللہ کو امان نہیں دیا جاتا، ہمیں تمہارے امان کی حاجت نہیں، اللہ کا امان تمہارے امان سے بہتر ہے، تجھ پر لعنت ہے اور تیرے امان پر بھی“۔ شمر یہ خط لے کر جب عمر بن سعد کے پاس پہنچا تو وہ سمجھ گئے کہ شمر کے مشورہ سے یہ صورت عمل میں آئی ہے، کہ میرا مشورہ رد کردیا گیا، اس کو کہا تم نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا کلمہ متفق ہو رہا تھا، اس کو ختم کر کے قتل وقتال کا بازار گرم کر دیا، بالآخر حضرت حسین ؓ کو یہ پیام پہنچایا گیا، آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمادیا کہ اس ذلت سے موت بہتر ہے۔(۱)

---

(۱) حوالہ سابق

حضرت حسین ؓ کا آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھنا

شمر بن ذی الجوشن کو جب آپ نے دیکھا تو فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا:

كأني أنظر إلى كلب ابقع بلغ في حماء أهل بيتي

”مجھے وہ برص کا کتا دکھائی دے رہا ہے، جو میرے اہل بیت کا خون پینا چاہ رہا ہے اور شمر کے جسم پر سیاہ وسفید داغ تھا“ **(البدایۃ: ۵/۵۹۹)**

شمر ذی الجوشن اس محاذ پر محرم کی نویں تاریخ کو پہنچا تھا، حضرت امام حسین ؓ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں کچھ اونگھ آ کر آنکھ بند ہوگئی اور پھر ایک آواز کے ساتھ بیدار ہوگئے، آپ کی ہمشیرہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ آواز سنی تو دوڑی آئیں، اور وجہ پوچھی، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، فرمایا کہ تم اب ہمارے پاس آنے والے ہو، ہمشیرہ یہ سن کر رو پڑیں، حضرت حسین ؓ نے تسلی دی اسی حالت میں شمر کا لشکر سامنے آگیا، آپ کے بھائی عباس ؓ آگے بڑھے اور حریف مقابل سے گفتگو ہوئی، اس نے بلا مہلت قتال کا اعلان سنایا، عباس ؓ نے آ کر حضرت حسین ؓ کو اطلاع دی۔ (۱)

حضرت حسین ؓ نے ایک رات عبادت گزاری کیلئے مہلت مانگی

حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ ان سے کہو آج کی رات قتال ملتوی کر دو، تا کہ میں آج کی رات میں وصیت اور نماز دعاء اور استغفار کر سکوں۔ شمر اور عمر بن سعد نے اور لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد مہلت دے دی اور واپس ہو گئے۔ (۲)

حضرت حسین ؓ کی تقریر اہل بیت کے سامنے

حضرت حسین ؓ نے اپنے اہل بیت اور اصحاب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی، یا اللہ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی، ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرما لیجئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے علم میں آج کسی شخص کے ساتھی ایسے وفا شعار و نیکوکار نہیں ہیں جیسے میرے ساتھی اور نہ کسی اہل بیت سے زیادہ ثابت قدم نظر آتے ہیں، آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، میں سمجھتا ہوں کہ کل ہمارا آخری دن ہے، میں آپ سب کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ سب اس رات کی تاریکی میں متفرق ہو جاؤ اور جہاں پناہ ملے چلے جاؤ، اور میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا

---

(۱) حوالہ سابق: ۵/ ۵۵۸

(۲) البدایۃ: ۵/ ۵۸۹

ہاتھ پکڑو اور مختلف علاقوں میں پھیل جاؤ کیونکہ دشمن میرا طلبگار ہے، وہ مجھے پائے گا تو دوسروں کی طرف التفات نہ کرے گا، یہ تقریر سن کر آپ کے بھائی اور اولاد اور بھائیوں کی اولاد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادہ یک زبان ہوکر بولے کہ واللہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے ہمیں اللہ تعالیٰ آپکے بعد باقی نہ رکھے۔

پھر بنو عقیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے ایک بزرگ مسلم بن عقیل ؓ شہید ہو چکے ہیں، وہی کافی ہیں، تم سب واپس ہو جاؤ میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں، انہوں نے کہا ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو موت کے سامنے چھوڑ کر اپنی جان بچا آئے، بلکہ واللہ ہم آپ پر اپنی جانیں اور اولاد و اموال قربان کر دیں گے، مسلم بن عوسجہ نے اسی طرح کی ایک جوشیلی تقریر کی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے میں آپ کے سامنے قتال کرتا ہوا جان دے دوں گا۔(۱)

آپ کی ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بے قرار ہوکر رونے لگیں تو آپ نے تسلی دی اور وصیت فرمائی۔(۲)

---

(۱) **البدایة: ۵/ ۵۸۸**

سعید بن عبداللہ الحنفی کا جواب

سعید بن عبداللہ الحنفی نے فرمایا: اللہ کی قسم جب تک ہم آپ کی حفاظت کر سکتے ہیں اس پر ہرگز کوتاہی نہیں کریں گے، اور نہ ہی آپ کو تنہا چھوڑیں گے اور بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی حفاظت میں ہزار بار قتل کر دیا جاؤں جس سے آپ کی جان محفوظ ہو جائے اور آپ کے گھر والوں کی جان بچ جائے تو میں ضرور اس کی تمنا کرتا پر کیا کروں میرے پاس تو ایک ہی جان ہے (اور جب تک یہ جان رہے آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہونے نہ دوں گا)۔

عباس بن علی ؓ کا جواب

لاأرانا اللہ یوم فقدک، ولا حاجة لنا فی الحیاة بعدک

”خدا ہمیں آپ کی وفات کا دن نہ دکھائے، آپ کے بعد ہمیں زندگی کی ضرورت نہیں ہے“**(البدایہ: ۵/ ۵۸۹)**

(۲) **آپ کی ہمشیرہ زینب رضی اللہ عنہا کی بے قراری**

علی بن حسین ؓ، زین العابدین، فرماتے ہیں کہ جس صبح میرے والد شہید کر دیئے گئے =

= اس رات میں خیمہ میں بیٹھا تھا، میری پھوپھی زینب میری تیارداری کررہی تھیں، میرے والد حسین ؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کونے میں گئے، ابوذر غفاری کے غلام (آزاد شدہ) آپ کی تلوار درست کررہے تھے، اس وقت میرے والد نے چند شعر پڑھے جو بار بار دہرانے سے مجھے یاد ہوگئے:

یا دھر أفٍ لک من خلیل ☆ کم لک بالاشراق والاصیل
من صاحب او طالب قتیل ☆ والدھر لا یقنع بالبدیل
انما الامر الیٰ الجلیل ☆ و کل حَیٍّ سالک السبیل

''اے زمانے تیرے دوست ہونے پر افسوس ہے، تیری کتنی صبحیں وشامیں ہیں، کتنے ہی ساتھی یا مقتول کے (کتنے ہی لوگ مرچکے) طالب ہیں، پر زمانہ ان کا بدل لانے میں بخل نہیں کرتا، ہر معاملہ خدائے جلیل کے سپرد ہے، ہر زندہ کو اس (موت) کے راستہ پر چلنا ہے''۔

میں سمجھ گیا کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے، جب میری پھوپھی زینب نے یہ اشعار سنے تو بے قابو ہوکر کہنے لگیں:

"واثکلاه! لیت الموت اعدمنی الحیاة الیوم ماتت امی فاطمة و ابی علی، و حسن اخی، یا خلیفة الماضی، و یا ثمال الباقی فنظر الیھا و قال یا اخیة لا یذھبن حلمک الشیطان فقالت بابی انت و امی یا ابا عبد اللہ استقتلت؟ و خرَّت مغشیا علیھا فقام الیھا فصب علی و جھھا الماء و قال یا اخیه اتق اللہ و اصبری بجزاء اللہ و اعلمی ان اھل الارض یموتون و إن أھل السماء لا یبقون و ان کل شئی ھالک الا وجہ اللہ الذی خلق بقدرته و یمیتھم بقھره و عزمه و یعیدھم فیعبدونه وحده و ھو فرد وحده الخ"
(البدایة: ۵/ ۵۸۹)

''ہائے افسوس، کاش کہ موت میری آج کی زندگی ختم کرچکی ہوتی، میری ماں فاطمہ میرے والد علی میرا بھائی حسن وفات پاچکے، اے اسلاف کے نمونے، اے بقیۃ السلف آپ کی آواز پر سیدنا حسین ؓ دیکھا اور فرمایا: میری چھوٹی پیاری بہن شیطان کہیں تمہارا حلم ختم نہ کردے، صبر کرو، کہنے لگیں میں نے غم کا اظہار ہی نہیں کیا، اور غم سے چور ہوکر بے ہوش ہوگئیں، آپ نے ان کے چہرہ پر پانی ڈالا اور فرمایا اللہ سے ڈرو صبر کرو، بخدا زمین پر بسنے والی ہر مخلوق کو فنا ہونا ہے، اور آسمان والوں کو بھی بقا نہیں، سوائے اس ذات کے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے عالم پیدا کیا، سب کو مرنا ہے وہ موت کا مزہ چکھائے گا، اور دوبارہ زندہ کرے گا، لوگ صرف اسی

کی عبادت کریں گے وہی تنہا باقی رہے گا"۔

حضرت حسین ؓ کی وصیت اپنی ہمشیرہ اور اہل بیت کو

میری بہن میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت پر تم کپڑے پھاڑنا یا سینہ کوبی وغیرہ ہرگز نہ کرنا، آواز سے رونے چلانے سے بچنا۔

افسوس کہ آج حضرت حسین ؓ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے ہی آپ کی اس آخری وصیت کی نہ صرف مخالفت کرتے ہیں؛ بلکہ اس کو دینی شعار سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ**۔

یہ وصیت فرما کر آپ باہر آ گئے اور اپنے اصحاب کو جمع کر کے تمام شب تہجد اور دعا واستغفار میں مشغول رہے۔(١)

یہ عاشورہ کی رات تھی، صبح کو یوم عاشوراء روز جمعہ اور ایک روایت کے موافق روز شنبہ تھا، صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی عمر بن سعد لشکر لے کر سامنے آ گیا، حضرت حسین ؓ کے ساتھ اس وقت کل بہتر اصحاب تھے، بتیس سوار اور چالیس پیادہ، آپ نے بھی

---

(١) **دعائے حسین ؓ بن علی ؓ**

جب صبح کے وقت دشمنوں کا سامنا ہوا تو حضرت حسین ؓ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

"اللهم انت ثقتی فی کل کرب و رجائی فی کل شدة وأنت لي من کل أمر نزل بي ثقة وعدة ، فكم من هم يضعف فيه الفؤاد وتقل فيه الحيلة، ويخذل فيه الصديق، ويشمت فيه العدو، فأنلته بک و شکوته إليک، رغبة فيه إليک عمَّنْ سواک ففرجته و کشفته و کفتنيه فأنت لي ولي کل نعمة وصاحب کل حسنة منتهی کل غاية" (البداية: ٥ / ٥٨٢)

"خدایا آپ ہی میری ہر مشکل میں مضبوط قلعہ ہیں، ہر پریشانی میں میری امید ہیں، اور آپ ہی آنے والی ہر مصیبت میں راحت رساں ہیں، کتنے ہی غم ایسے ہیں جو دلوں کو کمزور کر دیتے ہیں، ان سے چھٹکارے کی راہیں کم ہو جاتی ہیں، دوست بھی اس موقع پر ناکام ہو جاتے ہیں، دشمن خوش ہو جاتے ہیں، میں نے آپ سے مانگا اور آپ ہی کی طرف رجوع کیا، آپ کے علاوہ کسی طرف رغبت نہیں کی، آپ نے میری ان پریشانیوں کو دور کر دیا، خدایا آپ ہی میری ہر نعمت کے والی ہیں، ہر

بھلائی میں میرے مددگار و ساتھی ہیں، ہر عنایت کی آپ ہی انتہاء ہیں‘‘۔

مقابلہ کے لئے اپنے اصحاب کی صف بندی فرمائی۔ (۱)

حر بن یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ

عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو چار حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کا ایک امیر بنایا تھا، ان میں سے ایک حصہ کا امیر حر بن یزید تھا جو سب سے پہلے ایک ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، اس کے دل میں اہل بیت اطہار کی محبت کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا، اس وقت اپنی سابقہ کارروائی پر نادم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریب ہوتے ہوتے یکبارگی گھوڑا دوڑا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آملے اور عرض کیا کہ ’’میری ابتدائی غفلت اور آپ کو واپسی کے لئے راستہ نہ دینے کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا جو ہم دیکھ رہے ہیں واللہ مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف اس حد تک پہنچ جائیں گے، اور آپ کی کوئی بات نہ مانیں گے، اگر میں یہ جانتا تو ہرگز آپ کو نہ روکتا، میں اب تائب ہو کر آیا ہوں، اس لئے اب میری سزا اور توبہ یہی ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ قتال کرتا ہوا جان دے دوں‘‘ اور ایسا ہوا۔

دونوں لشکروں کا مقابلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لشکر کو خطاب

حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آگے بڑھ کر بہ آواز بلند فرمایا:

---

(۱) میمنہ میں زبیر بن القین کو کمانڈر مقرر کیا، میسرہ میں حبیب بن مطہر کو اور جھنڈا اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا خیموں کے آگے صف باندھی گئی، خیموں میں عورتیں تھیں، اس لئے اپنے پیچھے رکھا تھا کہ دشمن نہ پہنچ پائے اور خیموں کے پیچھے سے بھی دشمن خیموں پر حملہ آور نہ ہو پائے۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ میں داخل ہو کر غسل فرمائے، مشک اور نورہ خوب اپنے جسم اور بالوں میں لگایا، آپ کے ساتھیوں نے بھی اسی طرح کیا، کسی نے کہا یہ وقت تھوڑا ہی خوشبو لگانے کا ہے، دوسرے ساتھی نے جواب دیا اس سے زیادہ خوشی کا وقت کونسا ہے، زید بن حصین نے کہا بخدا میری قوم جانتی ہے، میں نے باطل کو نہ جوانی میں پسند کیا اور نہ ہی بڑھاپے میں اور اب میں بڑا ہی مسرور ہوں کہ ہمیں شہادت ملنے والی ہے، ہمارے اور حور عین کے درمیان صرف یہ قوم حائل ہے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قرآن مجید اپنے سامنے رکھ لئے پھر ساری قوم قبلہ رو ہو کر وہی دعا مانگی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مانگی تھی، پھر مقابلہ کے لئے صف بستہ دشمن کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ **(البدایة: ۵ / ۵۹۰)**

أيها الناس اسمعوا قولي، ولا تعجلوني حتى أعظكم بما يجب لكم علي وحتى اعتذر إليكم مقدمي عليكم فإن قبلتم عذری وصدقتم قولی وانصفتمونی كنتم بذلک اسعد ولم يكن لكم علی سبیل وإن لم تقبلوا منی العذر فاجمعوا أمركم وشركائكم ثم لا يكن أمركم عليكم غمة ثم اقضوا إلي ولا تنظرون إن ولی الله الذی نزل الكتاب وهو يتولی الصالحين

"لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو، تاکہ میں حق نصیحت ادا کردوں، جو میرے ذمہ ہے اور تاکہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلادوں، پھر اگر تم میرا عذر قبول کرو، اور میری بات کو سچا جانو اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو اس میں تمہاری فلاح وسعادت ہے اور پھر تمہارے لیے میرے قتال کا کوئی راستہ نہیں، اور اگر تم میرا عذر قبول نہ کرو تو تم سب مل کر مقرر کرو، اپنا کام اور جمع کرلو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر گزرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو" (۱)

یہ وہی الفاظ ہیں جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہے تھے۔ (مترجم)

بہنوں کی گریہ وزاری اور حضرت حسین ؓ کا اس سے روکنا

حضرت حسین ؓ کے یہ کلمات بہنوں، اور عورتوں کے کان میں پڑے تو ضبط نہ کرسکیں، رونے کی آوازیں بلند ہوگئیں، حضرت حسین ؓ نے اپنے بھائی عباس کو بھیجا کہ ان کو نصیحت کرکے خاموش کردیں اور اس وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر رحم فرمائے، انہوں نے صحیح کہا تھا کہ عورتوں کو نہ لے جاؤ۔ (۲)

حضرت حسین ؓ کا دردانگیز خطبہ

حضرت حسین ؓ جب دشمن کی فوج کو مخاطب کرکے متوجہ کرچکے اور عورتوں کو خاموش کردیا تو ایک دردانگیز ونصیحت آمیز بلیغ وبےنظیر خطبہ دیا۔

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق

حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد فرمایا:

’’اے لوگو! تم میرا نسب دیکھو میں کون ہوں، پھر اپنے دلوں میں غور کرو، کیا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم مجھے قتل کرو، اور میری عزت پر ہاتھ ڈالو، کیا میں تمہارے نبی ﷺ کی صاحبزادی کا بیٹا نہیں ہوں، کیا میں اس باپ کا بیٹا نہیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد بھائی اور وصی اولی (۱) بالمومنین باللہ کہا تھا، کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے، کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں تھے، کیا تمہیں یہ حدیث مشہور نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور میرے بھائی حسن ؓ کو سید اشباب اہل الجنۃ اور قرۃ عین اہل السنۃ فرمایا ہے، اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو، اور واللہ بالکل میری بات حق ہے، میں نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، اور اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے، پوچھو جابر بن عبداللہ سے، دریافت کرو ابو سعید یا سہل بن سعد سے معلوم کرو زید بن ارقم یا انس سے وہ تمہیں بتلائیں گے کہ بیشک یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، کیا یہ چیزیں تمہارے لئے میرا خون بہانے سے روکنے کو کافی نہیں۔ مجھے بتلاؤ کہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے، جس کے قصاص میں مجھے

---

(۱) حضرت حسین ؓ کے خطبہ کے یہ الفاظ ابن اثیر نے نقل کئے ہیں اور میں نے شروع رسالہ میں اس پر تنبیہ کردی ہے کہ میں نے تاریخی حیثیت سے ابن اثیر کی تاریخ کو مستند سمجھ کر اس کی روایات نقل کی ہیں؛ لیکن اس کا مستند ہونا صرف تاریخی درجہ تک ہے، تاریخی روایات کے الفاظ سے احکام عقائد یا احکام حلال وحرام اخذ نہیں کئے جاسکتے ہیں، اس کے لئے محدثانہ تنقید کے بعد جو الفاظ ثابت ہوں، صرف انہیں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، خطبہ کے الفاظ میں حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ کا وصی اور اولی المؤمنین باللہ کہا گیا اول تو ان دونوں لفظوں سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی جو اہل تشیع سنت کے خلاف بیان کرتے ہیں اور بالفرض ان لفظوں کے وہی معنی لئے جائیں تو پھر ابن اثیر کی یہ روایات دوسری احادیث صحیح کی روایات کے مقابلہ میں متروک ہوگی، جس کی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہے، یہ جگہ ان بحثوں کی نہیں، رسالۃ الذکر کراچی میں اس پر تنقید کی گئی تھی، اس لئے ان کے شکریہ کے ساتھ اس حاشیہ کا اضافہ کرتا ہوں، اور بھی چند جگہ لفظی اصطلاحات کا مشورہ قبول کرکے ترمیم کردی گئی ہے۔

۱۲ محمد شفیع ۲؍محرم ۶ےھ

قتل کررہے ہو، یا میں نے کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے، اس کے بعد حضرت حسین ؓ نے رؤسا کوفہ کا نام لے کر پکارا، اے شیث بن ربعی، اے حجاز بن الحجر، اے قیس بن اشعث، اے زید بن حارث، کیا تم لوگوں نے مجھے بلانے کے لئے خطوط نہیں لکھے، یہ سب لوگ مکر گئے کہ ہم نے نہیں لکھے، حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے خطوط موجود ہیں، اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! اگر تم میرا آنا پسند نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو، میں کسی ایسی زمین میں چلا جاؤں گا جہاں مجھے امن ملے۔

قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے چچازاد بھائی ابن زیاد کے حکم پر کیوں نہیں اتر آتے وہ پھر آپ کے بھائی ہیں، آپ کے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے، حضرت حسین ؓ نے فرمایا کہ مسلم بن عقیل ؓ کے قتل کے بعد بھی تمہاری یہی رائے ہے، واللہ میں کبھی اس کو قبول نہ کروں گا، یہ فرما کر حضرت حسین ؓ گھوڑے سے اتر آئے، اس کے بعد زہیر بن القین ؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کو نصیحت کی کہ آل رسول کے خون سے باز آجائیں۔(۱)

---

(۱) حوالہ سابق:۵/ ۵۹۰

زہیر بن القین ؓ کا خطبہ ونصیحت

اے کوفہ والو! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں، مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی بھلائی چاہے، اور ہم سب اب بھی بھائی بھائی ہیں، ایک دین وملت پر قائم ہیں، جب تک کہ ہمارے اور تمہارے مابین تلواریں نہ چلے، جب تلواریں اٹھ جائیں پھر جانیں غیر محفوظ ہوجائیں گی، ہم اور تم الگ الگ گروہ بن جائیں گے، سنو! اللہ نے ہمیں اور تمہیں اپنے نبی کی اولاد کے ذریعہ آزمارہا ہے کہ ہم ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں سو ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ نواسہ رسول ﷺ کی مدد کرو، اور سرکش بن سرکش عبید اللہ بن زیاد کی مدد سے باز آجاؤ، ورنہ تمہیں بھی ابن زیاد سے کوئی خیر نہ ملے گا۔ یہ تمہیں قتل کرکے ہاتھ سر کاٹ کر مثلہ کردے گا، ہانی بن عروہ کی طرح تمہیں بھی ماردے گا، ابن زیاد کا لشکر یہ سن کر آپ کو برا بھلا کہا اور ابن زیاد کی تعریف کی، اور کہنے لگے ہم تمہیں اور تمہارے ساتھی (سیدنا حسین ؓ) اور ان کے مددگاروں کو جب تک قتل نہ کردیں باز نہیں آئیں گے، زہیر نے کہا: لوگو! فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کی اولاد مدد کی زیادہ حقدار ہے، ابن سمیہ کے بیٹے سے اگر تم ان کی مدد نہیں کرسکتے تو میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ انہیں =

اور بتلایا کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے اور ابن زیاد کا ساتھ دیا تو خوب سمجھ لو کہ تم کو بھی ابن زیاد سے کوئی فلاح نہ پہنچے گی، وہ تم کو بھی قتل و غارت کرے گا، ان لوگوں نے زہیر کو برا بھلا کہا، اور ابن زیاد کی تعریف کی اور کہا کہ ہم تم سب کو قتل کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجیں گے۔

زہیر نے پھر کہا کہ اے ظالمو! اب بھی ہوش میں آؤ، فاطمہ ؓ کا بیٹا سمیہ کے بیٹے (ابن زیاد) سے زیادہ محبت و اکرام کا مستحق ہے، اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو ان کو اور ان کے چچازاد بھائی یزید کو چھوڑ دو کہ وہ آپس میں نمٹ لیں، بخدا یزید بن معاویہ تم سے اس پر ناراض نہ ہوگا، جب گفتگو طویل ہونے لگی تو شمر نے پہلا تیر چلا دیا، اس کے بعد حر بن یزید جواب تائب ہوکر حضرت حسین ؓ کے لشکر میں شامل

= قتل کرو، اس پاکیزہ ذات کے اور یزید بن معاویہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ، یہ جہاں چاہے چلے جائیں، میری جان کی قسم یزید انہیں بنا قتل کئے بھی تمہاری اطاعت سے راضی ہو جائے گا۔

یہ بات ہو رہی تھی کہ بدبخت شمر بن ذی الجوشن نے تیر چلا دیا، اور کہا خاموش رہ، اپنی گفتگو سے، تو نے ہمیں بہت تھکا دیا زہیر نے کہا یا ابن السوّال علی عصیة میں تجھ سے مخاطب ہوں میں تو تجھے قرآن کی ان آیات کا مصداق سمجھتا ہوں (تو تو قرآن کی ایک دو آیات کے مطابق فیصلہ کرنے تیار نہیں) تیرے لئے بشارت ہے، **فَابْشِرِیْ بِالْخِزْيِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَالْعَذَابِ الْاَلِیْمِ۔** قیامت کے دن کی رسوائی اور دردناک عذاب کی۔ شمر نے کہا اب تم اپنی جان کی سوچو تم جو تھوڑی دیر بعد اور تمہارے ساتھی مرنے والے ہیں، زہیر نے کہا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے، ارے کمبخت سن ''اس ذات کے ساتھ مرنا تیرے ساتھ جینے سے لاکھ درجہ بہتر ہے''۔ پھر حضرت زہیر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بہ آواز بلند فرمایا: =

''عباد اللہ لا یخرجنکم عن دینکم بعد الحلف الجافی و اشباھہ فو اللہ لا ینال شفاعة محمد قوم اھرقوا ماء ذریتہ وقتلوا من نصرھم و ذب عن حریمھم''(البدایہ: ۵/ ۵۹۱)

''اللہ کے بندو! یہ جھوٹی قسمیں اور دھوکے باز غداروں کے وعدے تمہیں اپنے دین سے نکال نہ دے، بخدا کل قیامت کے دن وہ قوم نبی کی شفاعت نہیں پائے گی، جو آپ کی نسل کا خون بہائے، ان کے مددگاروں کو قتل کرے اور ان کے محافظین کو ختم کرے''

ہوئے تھے، آگے بڑھے اور لوگوں کو خطاب کیا، ''اے اہل کوفہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ، کیا تم نے ان کو اس لئے بلایا تھا کہ وہ آجائیں تو تم ان کو قتل کرو، تم نے کہا تھا کہ ہم اپنی جان و مال آپ پر قربان کریں گے، اور اب تم ہی ان کے قتل کے درپے ہو، ان کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ خدا کی طویل و عریض زمین میں کہیں چلے جائیں، جہاں ان کو اور اہل بیت کو امن ملے ان کو تم نے قیدیوں کے مثل بنالیا ہے، اور دریائے فرات کا جاری پانی ان پر بند کردیا ہے، جس کو یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں اور جس میں اس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں، حسین ؓ اور ان کے اہل بیت پیاس سے بیہوش ہو رہے ہیں، تم نے محمد ﷺ کے بعد ان سے ان کی اولاد کے بارے میں نہایت شرمناک سلوک کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم کو پیاسا رکھے گا، اگر توبہ نہ کرو، اور اپنی حرکت سے باز نہ آؤ''، اب حر بن یزید پر بھی تیر پھینکے گئے، وہ واپس آگئے اور حضرت حسین ؓ کے آگے کھڑے ہو گئے۔

اس کے بعد تیر اندازی کا سلسلہ شروع ہو گیا، پھر گھمسان کی جنگ ہوئی، فریق مخالف کے بھی کافی آدمی مارے گئے، حضرت حسین ؓ کے رفقاء بھی بعض شہید ہوئے، حر بن یزید نے حضرت حسین ؓ کے ساتھ ہو کر شدید قتال کیا، بہت سے دشمنوں کو قتل کیا، مسلم بن عوسجہ زخمی ہو کر گر گئے، حبیب بن مطہر ؓ ان کے پاس آئے اور کہا کہ جنت کی خوشخبری تمہارے لئے ہے، اگر میں یہ جانتا کہ میں بھی تمہارے پیچھے شہید ہونے والا ہوں تو میں تم سے تمہاری وصیت دریافت کرتا، انہوں نے کہا کہ ہاں میں ایک وصیت کرتا ہوں اور حضرت حسین ؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب تک زندہ ہو ان کی حفاظت کرنا''، اس کے بعد شقی بدبخت شمر نے چاروں طرف سے حضرت حسین ؓ اور ان کے رفقاء پر حلہ بول دیا، حصرت حسین ؓ کے رفقائے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، کوفہ کے لشکر پر جس طرف حملہ کرتے تھے میدان صاف ہو جاتا تھا، جب عروہ بن قیس نے یہ حالت دیکھی تو عمر بن سعد سے مزید کمک طلب کی اور شیث بن ربعی سے کہا کہ تم کیوں آگے نہیں بڑھتے اس وقت شیث سے نہ رہا گیا اور کہا کہ تم سب گمراہ ہو، ابن علی

رضی اللہ عنہ جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر ہیں ان سے قتال کرتے ہو، اور سمیہ زانیہ کے لڑکے ابن زیاد کا ساتھ دیتے ہو، عمرو بن سعد نے جو کمک اور تازہ دم پانچ سو سپاہی بھیجے یہ آکر مقابلہ کیا اور گھوڑے چھوڑ کر میدان میں پیادہ آگئے اس وقت بھی حر بن یزید نے سخت قتال کیا، اب دشمن نے خیموں میں آگ لگانا شروع کی۔ (۱)

---

(۱) حوالہ سابق: ۵/ ۵۹۳

عبداللہ بن نمیر کا جوش

قبیلہ بنی عُلَیم کے ایک شخص تھے عبداللہ بن نمیر کوفی، کوفہ میں بیرِ جعد کے پاس گھر بنا لئے تھے، اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، دیکھا کہ لوگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی تیاری کر کے نکل رہے ہیں، تو کہنے لگے:

”والله لقد كنت على قتال أهل الشرك حريصا وإني لأرجو أن يكون جهادی مع ابن بنت رسول الله لهولاء أفضل من جهاد المشركين وايسر ثوابا عند الله“

بخدا میں مشرکین سے جہاد کرنے کو بہت پسند کرتا ہوں، اور آج سرکار دو عالم ﷺ کے نواسہ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا مشرکوں سے جہاد کرنے سے افضل اور اللہ کے نزدیک زیادہ ثواب کا باعث ہوگا، یہ کہہ کر اپنے گھر جا کر بیوی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا، بیوی نے کہا تم نے بہت ہی نیک ارادہ کیا، اپنے ارادے کو جلدی عمل میں لاؤ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، رات میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر اپنا ارادہ ظاہر فرمایا، جب صبح میدان جنگ میں ابن زیاد کی طرف سے سیار اور سالم نامی دو شخص آگے بڑھ کر **من یبارز؟** کا نعرہ لگایا تو یہی عبداللہ بن نمیر آپ رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کی اجازت چاہی، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مڑ کر دیکھا تو بہت لمبا، موٹے موٹے بازو، کشادہ سینہ والا نہایت جوش میں ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تو یہ بڑا بہادر لگ رہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے جانے کی اجازت دی، ابن زیاد کے دونوں مبارزوں نے پوچھا تو کون ہے؟ کہنے لگا، میں بھی تمہارا ہی ایک آدمی ہوں، انہوں نے کہا ہم تو تجھے نہیں جانتے، عبداللہ نے کہا: اے حرامیو (**یا أولاد الزانیة**) تمہیں کس سے لڑنے کا شوق ہے؟ تمہاری طرف نکلنے والا تم سے بہتر ہی ہوگا، پھر اس پھرتی سے سیار پر حملہ کیا کہ وہ ایک ہی وار میں ڈھیر ہوگیا، اتنے میں سالم مولی بن زیاد ان پر حملہ آور ہوا، اس سے پہلے کہ وہ متوجہ ہوتے اس نے وار کر دیا جس سے آپ کی بائیں ہاتھ کی چار انگلیاں کٹ گئیں، اتنے میں عبداللہ بن عمر کلبی باذن حسین رضی اللہ عنہ اس پر حملہ آور ہو کر اسے جہنم رسید کر دیا، اس کے بعد ان کی بیوی ام وہب لاٹھی لے کر آگے بڑھیں اور کہنے لگیں: **فدائک أبي وأمي** (میرے ماں باپ تجھ پر قربان) چل اٹھ کر لڑ، ان پاکیزہ نفوس کی =

گھمسان کی جنگ میں نماز ظہر کا وقت

حضرت حسین ؓ کے اکثر رفقاء شہید ہو چکے تھے، اور دشمن کے دستے حضرت حسین ؓ کے قریب پہنچ چکے تھے، اَبُو صَمَامَہ شَائِدِی نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے قتل کیا جاؤں، لیکن یہ دل چاہتا ہے کہ ظہر کا وقت ہو چکا ہے، یہ نماز ادا کر کے پروردگار کے سامنے جاؤں، حضرت حسین ؓ نے بہ آواز بلند فرمایا کہ جنگ ملتوی کرو، یہاں تک کہ ہم نماز پڑھ لیں، ایسی گھمسان جنگ

= خاطر، محمد کی ذریت کی خاطر ان کے شوہر انہیں پیچھے کرنے لگے، وہ کہنے لگیں **دعني اكون معک**، مجھے چھوڑ دو، مجھے اپنے ساتھ جام شہادت پینے دو، سیدنا حسین ؓ نے آواز دے کر کہا پیچھے آؤ، عورتوں کے ساتھ جا بیٹھو، عورتوں پر جہاد نہیں ہے، آپ کی آواز پر وہ واپس آ گئیں۔ (**البدايه والنهايه::** ۵ / ۵۹۳)

شمر بن ذی الجَوشَن بد بخت کی شرارت

گھمسان کی لڑائی میں بد بخت شمر بن ذی الجوشن سیدنا حسین ؓ کے خیموں کی طرف بڑھ کر خیمہ کی رسیاں کاٹ دیا اور اپنے کتوں کو آواز دے کر کہا کہ آگ لاؤ، خیمہ اور اس کے اندر کے لوگوں کو جلا دیں، خیمہ کے اندر کی عورتیں چیخیں مار کر باہر نکل آئیں، سیدنا حسین ؓ نے فرمایا: **أنت تريد أن تحرق أهلي؟** تو میرے گھر والوں کو جلا دے گا، تو اللہ تجھے جلا دے گا، اتنے میں شیث بن ربعی اس کمبخت کے پاس آئے اور کہا میں نے تجھ سے زیادہ برے قول و فعل و خیال والا نہ دیکھا، تو عورتوں کو مرعوب کرنا چاہتا ہے، ارے (نامرد) شرم کر باز آ جا، حمید بن مسلم نے کہا تیرا ان پاکیزہ نفوس مردوں سے جنگ کرنا ہی برا ہے، تو تو دو عجیب صفتیں جمع کر رہا ہے، جلا دینا چاہتا ہے (جو کہ اللہ کا عذاب ہے) اور بچوں و عورتوں کو قتل کرنا چاہتا ہے (جو کہ نامردوں کی حرکت ہے)۔ (**البدايه:** ۵ / ۵۹۴)

حبیب بن مطہر کی شہادت اور عجیب انتقام

مسلم بن عوسجہ کی شہادت کے بعد آپ بھی شوق شہادت میں رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے، اور ابن زیاد کے کتوں کو زخمی کرتے جہنم رسید کرتے رہے، کہ بنو تمیم کے ایک شخص نے نیزہ مارا جس سے آپ گر پڑے، اٹھنا چاہ رہے تھے کہ حصن بن نمیر نے حملہ کر دیا پھر وہ بد بخت آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا، حبیب کا بیٹا جو چھوٹا تھا ابن زیاد کی طرف سے تھا اپنے والد کا سر دیکھ کر رو پڑا اور کہا لاؤ یہ سر مجھے دو، دفن کر دوں گا، بخدا تم نے اپنے سے بہتر شخص کو قتل کیا ہے، جب یہ بچہ بڑا ہوا تو اپنے باپ کے قاتل کے قتل کا فکر مند تھا، مصعب بن زبیر کے زمانہ میں اس کے لشکر کا فوجی بن کر باپ کے قاتل کے پاس گیا جو خیمہ میں تھا، تلوار نکال کر اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ (۵۹۴)

میں کون سنتا تھا، طرفین سے قتل وقتال جاری تھا، اور ابو صمامہ اسی حالت میں شہید ہوگئے، اس کے بعد حضرت حسین ؓ نے اپنے چند اصحاب کیساتھ نماز ظہر صلوٰۃ الخوف کے مطابق ادا فرمائی۔ (۱)

نماز کے بعد پھر قتال شروع کیا، اب یہ لوگ حضرت حسین ؓ تک پہنچ چکے تھے، سعید بن عبد اللہ حنفی حضرت حسین ؓ کے سامنے آ کر کھڑے ہوگئے اور سب تیر اپنے بدن پر کھاتے رہے، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہوگئے، اس وقت زہیر بن القین نے حضرت حسین ؓ کی مدافعت میں سخت قتال کیا۔ (۲)

---

(۱) ابن کثیر: ۵/ ۵۹۳

”لما نزل القوم بالحسين و ايقن انهم قاتلوه قام فى اصحابه خطيبا فحمد الله وأثنى عليه ثم قال نزل من الامر ماترون وان الدنيا قد تغيرت وتنكرت و ادبر معروفها و انشمرت حتى لم يبق منها إلا كصبابة الإناء ألا حسبي من عيش كالمرعى الوبيل ألا ترون أن الحق لا يعمل به والباطل لا يتناهى عنه ليرغب المؤمن في لقاء الله تعالىٰ وإني لا أرى الموت إلا سعادة والحياة مع الظالمين إلا جرما“(حادثه کربلا: ۳۱۲، بحواله احياء العلوم: ۴/ ۳۹۸)

”جب یزیدی فوج حضرت حسین ؓ کے مقابل آ کر اتری اور آپ کو یقین ہوگیا کہ یہ آپ کو ضرور قتل کر کے رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا: جو مصیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، دنیا بدل گئی، اور اجنبی بن گئی، اس کی خوبی نے پیٹھ پھیر لیا اور جلدی سے کھسک گئی، اب تو اس میں سے بس صرف اتنا سا باقی رہا ہے جتنا کہ برتن میں سے پی لینے کے بعد اس میں کچھ لگا رہ جاتا ہے، اور بس اتنی سی نکمی زندگی اس چراگاہ کی طرح ہے کہ جس میں چرنے سے بدہضمی ہوجاتی ہے، دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا، اب مومن کو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت کرے، اور میں تو مرنے میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں، اور ظالموں کے ساتھ جینے کو جرم“۔

(۲) بوقت قتال ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھا جسے وہ بطور رجز پڑھ رہے تھے:

انا زهير و انا ابن القين   اذود كم بالسيف عن الحسين   =

یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، اس وقت حسین ؓ کے پاس بجز چند رفیقوں کے کوئی نہ رہا تھا اور یہ رفقاء بھی دیکھ رہے تھے کہ ہم نہ حضرت حسین ؓ کو بچا سکتے ہیں نہ خود بچ سکتے ہیں، تو اب ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ میں حضرت حسین ؓ کے سامنے پہلے شہید ہو جاؤں، اس لئے ہر شخص نہایت شدت و شجاعت سے مقابلہ کر رہا تھا۔ (۱)

اسی وقت حضرت حسین ؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

= ''میں زہیر ہوں ایک ہیرو کا بیٹا ہوں، تلوار سے حسین کی حفاظت کر کے تمہیں جہنم رسید کروں گا'' (حوالہ سابق: ۵/ ۵۹۵)

اور سیدنا حسین ؓ کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگے:

اقدم هديت هاديا مهديا　　فاليوم تلقى جدك النبيا
وحسنا والمرتضى عليا　　وذا الجناحين الفتى الكميا
واسد الله الشهيد الحيا

''آگے بڑھئے آپ ہدایت یافتہ اور رہنما بن کر آئے ہیں، آج اپنے نانا سے آپ کی ملاقات ہوگی، اور حسن، علی المرتضیٰ اور ذوالجناحین (دو پروں والے) نوجوان جعفر طیار سے ملاقات ہوگی اور اللہ کے شیر حضرت حمزہ سے'' (حوالہ سابق)

(۱) **عابس بن ابی شبیب کی شہادت**

سیدنا حضرت حسین ؓ کے ساتھیوں میں حضرت عابس تھے جو بڑے بہادر شمار ہوتے تھے، آگے بڑھے آپ سے کہا ابو عبداللہ (حسین ؓ) بخدا روئے زمین پر کوئی شخص میرے نزدیک تم سے زیادہ عزیز نہیں، تم میرے نزدیک ہر چیز سے محبوب ہو، اگر میں اپنا خون بہا کر تمہارے خون کو بچا لیتا تو ضرور ایسا کرتا، اب میں ضرور تمہارے طریقے پر ہوں، پھر تلوار سونت لی، اور نعرہ لگائے ''**ألا رجل لرجل؟ ألا ابرزوا إلي**'' (سنو کوئی ہے اس مرد سے لڑنے والا، آجاؤ کوئی مقابلہ کے لئے دشمن آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے، کوئی آگے بڑھنے تیار نہیں، تو عمر بن سعد نے کہا: پتھر پھینکو، جب دیکھا کہ ہر جانب سے پتھر آرہے ہیں تو اپنی ڈھال اور خود پھینک دی اور مجمع میں گھس پڑے اور دو سو سے زائد آدمیوں کو زخمی کر دیا، دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور آپ کو شہید کر دیا، اتنی تلواریں آپ پر پڑیں کہ آپ کا سر کئی آدمیوں کے ہاتھ ٹکڑوں کی شکل میں تھا، اور ہر کوئی دعویٰ کر رہا تھا کہ میں نے قتل کیا، عمر بن سعد نے کہا جھگڑا نہ کرو تم سب نے انہیں قتل کیا ہے۔ (حوالہ سابق: ۵/ ۵۹۶)

انا ابن علي بن الحسين بن علي   نحن و رب البيت اولى بالنبي(١)

کم بخت مرہ ابن منقذ نے ان کو نیزہ مار کر گرا دیا، پھر کچھ اور شقی آگے بڑھے اور لاش کے ٹکڑے کر دیئے، حضرت حسین ص سامنے آئے اور کہا: خدا تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جس نے تجھ کو قتل کیا ہے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیسے بیوقوف ہیں، تیرے بعد اب زندگی پر خاک ہے، ان کی نعش اٹھا کر خیمہ کے پاس لائی گئی۔

''عمرو بن سعد نے قاسم بن حسین ؓ کے سر پر تلوار ماری وہ گرے اور ان کے منہ سے نکلا ''یا عماہ'' تو حضرت حسین ؓ دوڑ کر ان کو سنبھالا اور عمرو پر تلوار سے حملہ کیا، کہنی سے اس کا ہاتھ کٹ گیا، حضرت حسین ؓ اپنے بھتیجے قاسم کی لاش کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر لائے اور اپنے بیٹے اور دوسرے اہل بیت کے برابر لٹا دیا۔ (۲)

---

(۱) **تالله لا يحكم فينا ابن الدعي   كيف ترون اليوم ستري عن أبي**

''میں حسین بن علی کا بیٹا ہوں، قسم ہے رب البیت کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہیں، اللہ کی قسم، بخدا ختنہ کرنے والی کا بیٹا ہمارا حاکم نہ بنے گا، آج تم دیکھ لوگے کہ میں اپنے والد سے کیسے دفاع کرتا ہوں۔

(۲) **قاسم بن حسن ؓ بن علی ؓ بن ابی طالب کی شہادت**

سلیمان بن ابی راشد حمید سے نقل کرتے ہیں، حمید نے کہا: میدانِ جنگ میں ایک بچہ چاند جیسا چہرہ، قمیص اور ازار پہنے ہوئے نکلا، عمر بن سعد ازدی نے ہم سے کہا میں اس پر حملہ کروں گا، تو میں نے کہا سبحان اللہ اس بچہ سے تجھے کیا عداوت ہے، ان سارے لوگوں کے قتل سے تیرا جی نہیں بھرا، عمر نے کہا بخدا میں حملہ کروں گا یہ کہہ کر بچہ پر حملہ کیا، بچہ نے آہ بھر کر پکارا یا عماہ (چچا جان میری مدد کیجئے) آواز سن کر سیدنا حسین ؓ شیر کے حملہ کرنے کی طرح غصہ سے حملہ کئے جس سے کہنی سے اس کا ہاتھ کٹ گیا، وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا بد بخت کوفی اس کی قوم اسے بچانے گھوڑے دوڑا کر گرد اڑانے لگی۔ جب غبار چھٹا تو اپنی قوم سے جاملا، سیدنا حسین ؓ بچہ کے پاس کھڑے تھے، اور بچہ دم توڑ رہا تھا، اور پیروں سے زمین رگڑ رہا تھا، (سیدنا حسین ؓ کی آنکھوں میں آنسو بہہ پڑے) اور فرمایا اس قوم کی ہلاکت ہو جس نے تجھے شہید کیا، کل ان کا کون مددگار ہوگا جب تیرے دادا (علی ؓ) تیرے خون کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں داخل کریں گے، پھر بچہ کو مخاطب بنا کر کہا: بیٹا! بخدا تیرے چچا پر بڑا گراں گزرا کہ تو اسے مدد کے لئے پکارا اور وہ تیری آواز نہ سن سکا، =

اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ تقریباً تنہا بے یار و مددگار رہ گئے؛ لیکن ان کی طرف بڑھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی، اسی طرح بہت دیر تک یہی کیفیت رہی، کہ جو شخص آپ کی طرف بڑھتا اسی طرح لوٹ جاتا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اس کے گناہ کو اپنے سر لینا نہ چاہتا تھا، یہاں تک کہ قبیلہ کندہ کا ایک شقی القلب مالک بن نسیر آگے بڑھا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار سے حملہ کیا، آپ شدید زخمی ہو گئے، (پہلے گذر چکا کہ کہ آپ) اپنے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ کو بلایا اور اپنی گود میں بٹھالیا، بنی اسد کے ایک بدنصیب نے ان کو بھی تیر مار کر ہلاک کر دیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس معصوم بچہ کا خون لے کر زمین پر بکھیر دیا اور دعا کی یا اللہ تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔

اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس حد کو پہنچ چکی تھی، آپ پانی پینے کے لیئے دریائے فرات کے قریب تشریف لے گئے، ظالم حصین بن نمیر نے آپ کے منہ پر نشانہ

= اور سنا تو مدد نہ کر سکا، ہائے اللہ مدد کی خاطر پکارنے والی آوازیں زیادہ ہو گئیں، پر مددگار کوئی نہیں، پھر بچہ کی لاش کو اپنے سینہ سے لگا کر کندھے پر اٹھا لائے (راوی کہتے ہیں کہ گویا میری آنکھوں کے سامنے بچہ کا وہ پیروں کا رگڑنا اب بھی نظر آرہا ہے) اور اپنے بیٹے علی اکبر کے بازو لٹایا، میں نے (راوی) پاس والے سے پوچھا یہ بچہ کون ہے؟ پاس والے نے کہا یہ قاسم بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (البدایہ: ۵/۵۹۷)

عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

آپ بہت زیادہ تھک چکے تھے، آپ آکر خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے اور اپنے چھوٹے بیٹے کو بلوایا جس کا نام عبداللہ تھا۔ اپنے گود میں بٹھایا، آپ اس کو بوسہ دینے لگے، اسے سونگھنے لگے، اور اپنے گھر والوں کو وصیت کرنے لگے، اتنے میں قبیلہ بنو اسد کا ایک بدنصیب جسے (ابن موقد النار) کہا جاتا تھا، ایک تیر چلایا جو بچہ کے حلق کو پار کر کے نکل گیا، آپ نے اس کے خون کو اپنے ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف اچھالا، اور فرمایا:

رب ان تک قد حبست عنا النصر من السماء فاجعلہ لما ھو خیر، وانتقم لنا من الظالمین

”اے میرے پروردگار اگر تو نے ہم سے اپنی آسمانی مدد کو روک لیں تو ہمارے لئے وہ چیز مقرر فرما جو ہمارے لئے خیر ہے اور ظالموں سے ہمارے ظلم کا بدلہ لے“

(حوالہ سابق)

کر کے تیر پھینکا، جو آپ کو لگا اور دہن مبارک سے خون جاری ہو گیا۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔** (۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس کے بعد شمر دس آدمی ساتھ لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ شدید پیاس اور اتنے زخموں کے باوجود ان کا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے، اور جس طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ بڑھتے یہ بھاگتے نظر آتے تھے، اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے کہ جس شخص کی اولاد اور اہل بیت قتل کر دیئے گئے ہیں، اس کو خود شدید زخم لگے ہوئے ہوں، اور وہ پانی کے ایک ایک قطرہ سے محروم ہو اور وہ اس قوت اور ثبات قدمی سے مقابلہ کر رہا ہے کہ جس طرف رخ کرتا ہے مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) ایضاً: ۵ / ۵۹۸۔ بعض واقعات شہادت لکھنے والوں نے عبداللہ کو علی اصغر لکھا ہے، مگر مستند یہ ہے کہ علی اصغر حضرت علی ابن الحسین زین العابدینؒ کا نام ہے، جو شہید نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر: ۱۲)

آپ نے اس خون کو ہاتھ میں لیا خون سے بھرے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اچھالا اور کہا:

"اللهم أحصهم عددا واقتلهم بددا، ولا تذر على الأرض منهم أحدا"

''خدایا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑنا، ہر ایک کو فنا کے گھاٹ سختی سے اتارنا، اور کسی کا نشان زمین پر باقی نہ رکھنا'' **(البدایہ: ۵۹۸)**

(۲) بد بخت شمر اپنے بدنصیبوں کو لے کر آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، آپ اپنے خیمہ کے پاس تھے، کوئی اب ایسا باقی نہ تھا جو آپ کے اور ان بدنصیبوں کے درمیان حائل ہو سکے، اچانک خیمہ سے ایک چھوٹا بچہ بہ تکلف و طاقت سے نکلا، زینب بنت علی رضی اللہ عنہما (پھوپھی) بھاگیں، بچہ کو روکنے بچہ آنے کو تیار نہیں اور اپنے چچا سے دشمنوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگا، چھوٹا معصوم ہاتھ میں نہ لکڑی نہ تلوار، نہ طاقت پر جوش و جذبہ محبت و شہادت تھا ایک درندے نے آپ پر تلوار چلائی یہ بچہ اپنا ہاتھ آگے کر کے آپ کو بچانا چاہا، ہاتھ کٹ گیا اور چمڑے سے لٹکنے لگا، معصوم تکلیف سے پکار اٹھا، یا ابتاہ! (ابا جان میری مدد کیجئے) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یا بنی احتسب اجرک عند اللہ فانک تلحق باباءک الصالحین"

''بیٹا صبر کر، اللہ سے اپنے اجر کی امید رکھ، خوش ہو جا، اپنے نیک و پاکیزہ باپ دادا سے ملنے والا ہے''

=

شمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حسین ؓ کے قتل کرنے سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے تو آواز دی کہ سب یکبارگی حملہ کرو، اس پر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے، نیزوں اور تلواروں سے یکبارگی حملہ کیا، اور یہ ابن رسول اللہ، **خیر خلق اللہ فی الارض ظالموں** کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون** (۱)

= آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا شدت غم سے خیمہ سے نکل آئیں، آسمان کی طرف دیکھ کر کہیں:

لیت السماء تقع علی الارض

کاش یہ آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا (ہائے ہائے آج کوئی مددگار نہیں، آل رسول کا، جس ذات نے امت کی خاطر اپنا خون بہادیا، آج اسی کی امت اس کی ذریت کا خون ناحق بہارہی ہے، جو پیاس سے بے قابو ہورہا ہے، بدنصیب کتے اس کے خون کے پیاسے ہیں) پھر درد بھری آواز میں عمر بن سعد سے کہنے لگیں، عمر نواسہ رسول شہید کردیا جارہا ہو اور میری آنکھیں دیکھتی رہ جائیں؟ اس سخت دل ظالم کے آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور شرم سے چہرہ پھیر لیا، اس وقت سیدنا حسین ؓ نے کہا: لوگو! تم میرے خون کے کیوں پیاسے ہو؟ بخدا میرے بعد کوئی ایسا نہیں ہوگا، جو اتنا ذلت اور ظلم و بے دردی سے قتل کیا جائے، پھر مجھے اپنے رب سے امید ہے وہ تمہارے اس ذلت کا بدلہ مجھے عزت و اکرام سے دے گا، اور تم سے ایسے طریقے سے بدلہ لے گا، جسے تم بھی نہ سمجھ پاؤ گے، میرے خون کے بدلہ تمہارا خون بہے گا، پر خدا اس سے راضی نہ ہوگا وہ تمہیں دگنا عذاب دے گا، آپ کی بات سن کر کسی کی ہمت نہ ہورہی تھی کہ آگے بڑھے۔ **(البدایہ: ۵۹۸)**

(۱) عمر بن عکرمہ سے منقول ہے جس صبح آپ شہید کئے گئے اس سے پہلے کی رات ایک منادی نے یہ اشعار پڑھے، پڑھنے والا معلوم نہ تھا:

ایها القاتلون ظلما حسینا ابشروا بالعذاب والتنکیل
کل اهل السماء یدعو علیکم من نبی وولي و قبیل
لقد لعنتم علی لسان ابن داؤد و موسیٰ وحامل الانجیل

”سیدنا حسین ؓ کو ظلماً قتل کرنے والو! تمہیں بشارت ہے، عذاب و سزا کی، آسمان کے تمام باشندے تم پر بددعا کررہے ہیں، نبی، ولی ہر مقبول بندے کی دعا میں تمہارے لئے بددعا ہے، داؤد کی زبان سے بھی تم پر لعنت کی گئی ہے، موسیٰ و حامل انجیل کی زبان سے بھی تم پر لعنت کی گئی ہے“۔

شمر نے خولی بن یزید سے کہا کہ ان کا سر کاٹ لو، وہ آگے بڑھا مگر ہاتھ کانپ گئے، پھر شقی بدبخت سنان بن انس نے یہ کام انجام دیا، آپ کی لاش کو دیکھا گیا تو تینتیس زخم نیزوں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے آپ کے بدن پر تھے، تیروں کے زخم ان کے علاوہ

فرضی اللہ عنہم و ارضاہ و رزقنا حبہ و حبَّ أولادہ

حضرت حسین ؓ اور عام اہل بیت کے قتل سے فارغ ہو کر یہ ظالم علی اصغر حضرت زین العابدین کی طرف متوجہ ہوئے، شمر نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا، حمید بن مسلم نے کہا کہ سبحان اللہ بچہ کو قتل کرتے ہو اور جب کہ وہ مریض بھی ہے، شمر نے چھوڑ دیا، عمر بن سعد آگے آئے اور کہا کہ ان عورتوں کے خیمہ کے پاس کوئی نہ جائے اور اس مریض بچہ سے کوئی تعرض نہ کرے۔ (۱)

---

(۱) **بے درد لٹیرے**

جب سب شہید ہو گئے تو سنان بن انس اور دوسرے ظالموں نے آپ کی تلوار، زین، سامان وغیرہ پر قبضہ کرنا شروع کیا، انہوں نے آپس میں قافلۂ حسین ؓ کا مال تقسیم کر لئے اور خیموں میں جا کر سارا مال اٹھا لیے، یہاں تک کہ عورتوں کے عمدہ عمدہ لباس بھی لوٹنے لگے، عمر بن سعد نے آگے بڑھ کر اعلان کیا کوئی ان عورتوں کے قریب نہیں جائے گا، اس مریض بچہ سے کوئی تعرض نہیں کرے گا، اور جو مال لیا گیا ہے، سب واپس کر دیا جائے، لیکن کوئی لٹیرا ابھی اپنا لوٹا ہوا مال واپس نہ کیا، علی اصغر بن حسین ؓ، زین العابدین اس کا اعلان سن کر اس کو دعا دی:

جُزیت خیر أفقد رفع اللہ عنی بمقالتک شرا

اللہ تیرا بھلا کرے اس اعلان سے اللہ نے مجھ سے شر کو دور کیا۔ (البدایہ: ۵۹۹)

سنان بن انس کی زبان درازی

جب میدان ٹھنڈا پڑ گیا تو یہ بدنصیب اچھلتا کودتا قافلہ عمر بن سعد کے خیمہ کے پاس آ کر زور زور پکار کر کہنے لگا:

أوقرر کأبی فضَۃً و ذھبا انا قتلت الملک المحجبا
قتلت خیر الناس أمّا و أبا وخیرھم ینسبون نسبا

”میرے کجاوے کو سونے چاندی سے بھر دو، میں نے معزز محفوظ پاکیزہ شخص کو قتل کر دیا، لوگوں میں سب سے بہتر ہیں جن کے والدین ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جس کا نسب نبیوں سے ہے“ (حوالہ سابق)

=

لاش کو روندا گیا

ابن زیاد شقی کا حکم تھا کہ قتل کے بعد لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا جائے، عمر بن سعد نے چند سواروں کو حکم دیا، انہوں نے یہ بھی کر ڈالا (۱) **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔**

مقتولین اور شہداء کی تعداد

جنگ کے خاتمہ پر مقتولین کو شمار کیا گیا تو حضرت حسین ؓ کے اصحاب میں بہتر حضرات شہید ہوئے، اور عمر بن سعد کے لشکر کے اٹھاسی سپاہی مارے گئے، حضرت حسین ؓ اور ان کے رفقاء کو اہل غاضریہ نے ایک روز بعد دفن کیا۔ (۲)

حضرت حسین ؓ اور ان کے رفقاء کے سر ابن زیاد کے دربار میں

خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ان حضرات کے سر کو لے کر کوفہ روانہ ہوئے اور ابن

= عمر بن سعد نے کہا اس کو میرے پاس پکڑ لاؤ، جب یہ اندر آیا تو عمر نے ایک کوڑا مارا، تیرا بیڑا غرق ہو، خاموش رہ کیا تو پاگل ہو گیا، اگر ابن زیاد تیری یہ بات سن لے تو تیرے کندھوں سے بھی سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

ایک بچ گیا

قافلہ حسین میں عقبہ بن سمعان تھے، جب ان کو قتل کرنے چلے تو انہوں نے کہا میں غلام ہوں، عمر نے اس کی بات سن کر چھوڑ دیا (غنیمت کہ اس کو یہ تو لحاظ رہا کہ اسلام میں عورتوں بچوں غلاموں کو قتل نہ کیا جائے گا جبکہ وہ میدان جنگ میں جنگ کے لئے نہ آئے ہوں۔ (حوالہ سابق)

(۱) **البدایہ: ۵/ ۶۰۰** (۲) حوالہ سابق

کرامت وغیرت

سیدنا حسین کا سر ابن زیاد کے پاس لے جانے کے لئے خولی بن یزید اصبحی چلا، جب سر مبارک لے کر محل پر پہنچا تو دروازہ بند تھا، تو سر لے کر گھر آیا اور ٹب کے نیچے رکھ دیا، اور اپنی بیوی سے کہا، دنیا کی سب سے قیمتی چیز تیرے پاس لایا ہوں، بیوی نے پوچھا کیا لائے ہو؟ جواب دیا حسین ؓ کا سر۔ بیوی نے کہا تجھے شرم نہیں آتی؟ لوگ تو جنگ سے سونا چاندی لاتے ہیں، اور تو محروم زمانہ نواسہ رسول کا سر لایا؟ بخدا آج کے بعد سے کبھی میرے ساتھ سونے کا خیال بھی نہ کرنا، یہ کہہ کر بستر سے اٹھ چلی، اس نے اپنی دوسری بیوی کو بلایا وہ اس کے ساتھ ہو گئی وہ کہتی ہے میں ساری رات اس ٹب سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور دیکھتی رہی، جس کے اردگرد سفید پرندے گھوم رہے تھے۔ (**البدایۃ:** ۵/ ۵۹۸)

زیاد کے سامنے پیش کئے، ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کر کے سب سروں کو سامنے رکھا اور ایک چھڑی سے حضرت حسین ؓ کے دہن مبارک کو چھونے لگا، زید بن ارقم ؓ سے رہا نہ گیا، اور بول اٹھے کہ چھڑی ان متبرک ہونٹوں کے اوپر سے ہٹا لے، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ ان ہونٹوں کو بوسہ دیتے تھے، یہ کہہ کر رو پڑے، ابن زیاد نے کہا کہ اگر تم سن رسید بوڑھے نہ ہوتے تو میں تمہاری بھی گردن مار دیتا، زید بن ارقم ؓ یہ کہتے ہوئے باہر آ گئے کہ واہ غلاموں پر ایک غلام ہی کی حکومت ہے جسے یہ سب اپنا آقا سمجھ بیٹھے ہیں کہ اے قوم عرب تم نے سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو قتل کر دیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا امیر بنا لیا، وہ تمہارے اچھے لوگوں کو قتل کرے گا اور شریروں کو غلام بنائے گا، تمہیں کیا ہوا کہ اس ذلت پر راضی ہو گئے؟ (۱)

بقیہ اہل بیت کوفہ میں......اور......ابن زیاد سے مکالمہ

عمر ابن سعد دو روز کے بعد بقیہ اہل بیت حضرت حسین ؓ کی بیٹیوں اور بہنوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے لئے نکلے تو حضرت حسین ؓ اور ان کے اصحاب کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، عورتوں اور بچوں کے سامنے یہ منظر آیا تو کہرام مچ گیا اور گویا زمین و آسمان رونے لگے۔ (۲)

---

(۱) **البدایۃ: ۵/ ۶۰۱**

(۲) سیدنا زینب بنت علی رضی اللہ عنہما روتے ہوئے کہنے لگیں:

”یا محمداہ، یا محمداہ صلی علیک اللہ و ملک السماء ھذا حسین بالعراء، مزمل بالعماء مقطع الاعضاء یا محمداہ وبناتک سبایا، و ذریتک مقتلۃ تسفی علیھا الصبا فابکت، و اللہ کل عدو و صدیق“

”ہائے محمد، ہائے محمد، خدا کا درود ہو آپ پر اور آسمان کے فرشتوں کا سلام ہو، یہ دیکھئے آپ کا نواسہ حسین ؓ جنگ میں بے یار و مددگار خون کی چادر اوڑھے کٹے اعضا کا ہار پہنے پڑا ہے، ہائے میرے محمد دیکھئے آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی جا رہی ہیں، آپ کی ذریت کو قتل کیا جا چکا، ہوائیں مٹی اڑا رہی ہیں، ان پر یہ کہہ کر رونے لگیں، آپ کا رونا سن کر ہر دوست و دشمن کی آنکھیں بھر آئیں“۔

ابن زیاد نامراد کے پاس حاضری

عمر ابن سعد نے ان سب اہل بیت کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ زینب بہت میلے اور خراب کپڑے پہن کر پہنچیں، اور ان کی باندیاں ان کے ارد گرد تھیں اور ایک طرف جا کر خاموش بیٹھ گئیں، ابن زیاد نے پوچھا یہ علیحدہ بیٹھنے والی کون ہے؟ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب نہ دیا، کئی مرتبہ اسی طرح دریافت کیا، مگر زینب خاموش رہیں جب کسی لونڈی نے کہا کہ یہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، ابن زیاد بولا شکر ہے اللہ کا جس نے تمہیں رسوا کیا، اور قتل کیا اور تمہاری بات کو جھوٹا کیا، اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کڑک کر بولیں: شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں محمد مصطفی کے نسب سے شرف بخشا اور قرآن میں ہمارے پاک کرنے کو بیان کیا، رسوا وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے، ابن زیاد نے غصہ میں آ کر کہا کہ اللہ نے مجھے تمہارے غیظ سے شفا دی، اور تمہارے سرکش کو ہلاک کیا، حضرت زینب کا دل بھر آیا، رونے لگیں، اور کہا کہ تو نے ہمارے سب چھوٹے بڑوں کو قتل کر دیا، اگر یہی تیری شفا ہے تو شفا سمجھ لے۔

اس کے بعد ابن زیاد علی اصغر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا، ان کا نام پوچھا، بتلایا کہ علی نام ہے، اس نے کہا وہ تو قتل کر دیا گیا، علی اصغر نے بتلایا کہ وہ میرے بڑے بھائی تھے، ان کا نام بھی علی تھا، ابن زیاد نے ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو علی اصغر نے کہا کہ میرے بعد ان عورتوں کا کون کفیل ہوگا، ادھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی ان کو لپٹ گئیں اور کہنے لگیں کہ اے ابن زیاد کیا ابھی تک ہمارے خون سے تیری پیاس نہیں بجھی، میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں، اگر تو ان کو قتل کرے تو ہم کو بھی ان کے ساتھ قتل کر دے، علی اصغر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن زیاد اگر تیرے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی قرابت ہے تو ان کے ساتھ کسی صالح متقی مسلمان کو بھیجنا، جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ان کی رفاقت کرے۔ (١)

یہ سن کر ابن زیاد نے کہا اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو کہ خود اپنی عورتوں کے ساتھ

---

(١) البداية: ٥/ ٦٠٢

جائے، اس کے بعد ابن زیاد نے ایک نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا، مجمع میں عبداللہ بن عفیف ازدی بھی تھے، کھڑے ہو گئے جو نابینا تھے، اور ہمہ وقت مسجد میں رہتے تھے، کہا اے ابن زیاد تو کذاب بن کذاب ہے، تم انبیاء کی اولاد کو قتل کرتے ہو، اور صدیقین کی سی باتیں بتاتے ہو، ابن زیاد نے ان کو گرفتار کرنا چاہا، تو ان کے قبیلہ کے لوگ چھڑانے کے لئے کھڑے ہو گئے، اس لئے چھوڑ دیئے گئے۔ (۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا پھر یزید کے پاس شام بھیجا گیا

ابن زیاد کی شقاوت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں میں اور گلی کوچوں میں گھمایا جائے کہ سب لوگ دیکھ لیں، اس کے بعد اس کو اور دوسرے اصحاب کے سروں کو یزید کے پاس ملک شام بھیج دیا اور اسی کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی روانہ کیا، یہ لوگ شام پہنچے تو انعام کے شوق میں حر بن قیس جو ان کو لے گیا تھا، فوراً یزید کے پاس پہنچا، یزید نے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے میدان کربلا کے معرکہ کی تفصیل بتلا کر کہا امیر المومنین کو بشارت ہو کہ مکمل فتح حاصل ہوئی، یہ سب مارے گئے، اور ان کے سر، عورتیں اور بچے حاضر ہیں، یہ حال سن کر یزید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کہا کہ میں تم سے اتنی ہی اطاعت چاہتا تھا کہ بغیر قتل کے گرفتار کر لو، اللہ تعالیٰ ابن سمیہ پر لعنت کرے اس نے ان کو قتل کرا دیا، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو میں معاف کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، یہ کہا اور اس شخص کو کوئی انعام نہیں دیا، سر مبارک جس وقت یزید کے سامنے رکھا گیا تو یزید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی لگا کر حصین بن ہمام کے یہ اشعار پڑھے:

أبی قومنا أن ینصفونا فأنصفت قواطع فی أیماننا تقطر الدما
یفلقن هاما من رجال اعزة علینا وهم كانوا اعق و اظلما

---

(۱) ابن کثیر میں ہے کہ اس بد بخت نے آپ کو قتل کروا دیا۔ (حوالہ سابق)

"یعنی ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا تو پھر ہماری خونچکاں تلواروں نے انصاف کیا، جنہوں نے ایسے مردوں کے سر پھاڑ دیئے جو ہم پر سخت تھے، اور وہ تعلقات قطع کرنے والے ظالم تھے"۔

وہاں ابو برزہ اسلمی ؓ موجود تھے، آپ نے کہا اے یزید تو اپنی چھڑی حسین ؓ کے دانتوں پر لگاتا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ ان کو بوسہ دیتے تھے، اے یزید تو قیامت کے روز آئے گا تو تیری شفاعت ابن زیاد ہی کرے گا، اور حسین ؓ آئیں گے تو ان کے شفیع محمد مصطفی ﷺ ہوں گے، یہ کہہ کر ابو برزہ ؓ مجلس سے نکل گئے۔ (١)

یزید کے گھر میں ماتم

جب یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ نے یہ خبر سنی کہ حضرت حسین ؓ قتل کر دیئے گئے اور ان کا سر لایا گیا ہے تو کپڑا اوڑھ کر باہر نکل آئی اور کہنے لگیں امیر المومنین کیا ابن بنت رسول اللہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا؟ اس نے کہا ہاں، خدا ابن زیاد کو ہلاک کرے، اس نے جلدی کی اور قتل کر ڈالا، ہند یہ سن کر رو پڑی۔ (٢)

یزید نے کہا کہ حسین ؓ نے یہ کہا تھا کہ میرا باپ یزید کے باپ سے اور میری ماں یزید کی ماں سے اور میرے دادا رسول اللہ ﷺ یزید کے دادا سے بہتر ہیں، ان میں پہلی بات کہ میرا باپ بہتر ہے یا ان کا اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا، وہ دونوں وہاں پہنچ چکے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے اس نے کس کے حق میں فیصلہ کیا ہے اور دوسری بات کے ان کی ماں میری ماں سے بہتر ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ بیشک صحیح ہے، ان کی والدہ فاطمہ ؓ میری والدہ سے بہتر ہیں۔

رہی تیسری بات کہ ان کے دادا میرے دادا سے بہتر ہیں سو یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مسلمان جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا، ان کی یہ سب باتیں صحیح و درست تھیں، مگر جو آفت آئی وہ ان کی سمجھ کی وجہ سے آئی ہے، انہوں نے

---

(١) البدایۃ: ٥/ ٦٠٣ (٢) البدایۃ: ٥/ ٦٠٤

اس آیت پر غور نہیں کیا:

"قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ"

اس کے بعد عورتیں اور بچے یزید کے سامنے لائے گئے اور سر مبارک اس مجلس میں رکھا ہوا تھا، حضرت حسین ؓ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہ اور سکینہ پنجوں کے بل کھڑے ہوکر سر مبارک کو دیکھنا چاہتی تھیں اور یزید ان کے سامنے کھڑا ہوکر چاہتا تھا کہ نہ دیکھیں جب ان کی نظر اپنے والد ماجد کے سر پر پڑی تو بے ساختہ رونے کی آواز نکل گئی ان کی آواز سن کر یزید کی عورتیں بھی چلا اٹھیں اور یزید کے محل میں ایک ماتم برپا ہوگیا۔(۱)

یزید کے دربار میں زینب رضی اللہ عنہا کی دلیرانہ گفتگو

ایک شامی شخص نے صاحبزادی کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہے تو ان کی پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا نے نہایت سختی سے کہا کہ نہ تجھے کوئی حق ہے نہ یزید کو۔ اس پر یزید برہم ہوکر کہنے لگا کہ مجھے سب اختیار حاصل ہے، زینب نے فرمایا واللہ جب تک تو ہمارے ملت و مذہب سے نہ نکل جائے تجھے کوئی اختیار نہیں، یزید اس پر اور زیادہ برہم ہوا، حضرت زینب نے پھر تیزی سے جواب دیا بالآخر خاموش ہوگیا۔(۲)

---

(۱) **الکامل لابن اثیر، البدایۃ: ۵ / ٦٠٦**

(۲) تفصیل یہ ہے جو خود حضرت فاطمہ بنت علی ؓ سے منقول ہے کہ جب یزید نے ہمیں اپنے پاس بلوایا تو ہمارے معاملہ میں تھوڑی نرم گفتگو کی، اس مجمع کا ایک بدبخت شخص نے یزید سے درخواست کی کہ اے امیر المومنین یہ بچی مجھے باندی کے طور پر دے دیجئے، میں اس وقت قبول صورت تھی، جب میں نے اس کی بات سنی تو اس خوف سے گھبرا گئی کہ ان کے لئے اب باندیوں کی طرح ہمیں تقسیم کرلینا بھی جائز ہے (شاید) تو میں اپنی بڑی بہن زینب کا پلو پکڑ کر اس کے اوٹ میں ہوگئی، وہ مجھ سے کہیں زیادہ سمجھدار تھیں، انہیں معلوم تھا کہ غلامی و باندی کا سلسلہ اس طرح کی جنگ میں جائز نہیں (جنگ جمل اس واقعہ کی دلیل ہے حضرت علی ؓ نے اپنے چند مصاحبین کی درخواست پر کہ مال غنیمت تقسیم ہو فرمایا تھا سنو تم میں کا کون ایسا ہے جو ام المومنین عائشہ ؓ کو اپنی باندی بنانا چاہتا ہے؟ (نعوذ باللہ) حضرت علی ؓ کی اس بات پر سب خاموش ہوگئے، زینب ؓ نے جواب دیا تو نے یہ بات کہہ کر اپنے کو قابل لعنت بنالیا، اس طرح کے اقدام کی نہ تجھے =

اہل بیت کی عورتیں یزید کی عورتوں کے پاس

اس کے بعد ان کو زنان خانہ میں اپنی عورتوں کے پاس بھیج دیا، یزید کی عورتوں میں سے کوئی نہ رہی، جس نے ان کے پاس آ کر گریہ و بکاء اور ماتم نہ کیا ہو، اور جو زیورات وغیرہ ان سے لئے گئے تھے ان سے زائد ان عورتوں نے ان کی خدمت میں پیش کئے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما یزید کے سامنے

اس کے بعد علی اصغر ؓ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں یزید کے سامنے لائے گئے انہوں نے سامنے آ کر کہا کہ اگر ہمیں رسول اللہ ﷺ اس طرح قید میں دیکھتے تو ہماری قید کھول دیتے، یزید نے کہا سچ ہے اور قید کھول دینے کا حکم دے دیا، اس کے بعد علی اصغر ؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس طرح مجلس میں بیٹھا ہوا دیکھتے تو اپنے قریب بلا لیتے، یزید نے ان کو اپنے قریب بلالیا اور کہا کہ اے علی بن حسین رضی اللہ عنہما تمہارے والد نے ہی مجھ سے قطع رحمی کی اور میرے حق کو نہ پہچانا، اور میری سلطنت کے خلاف بغاوت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ کیا جو تم نے دیکھا۔ علی اصغر نے قرآن کریم کی آیت پڑھی:

مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِى

= اجازت و اختیار ہے نہ تیرے اس امیر المومنین کو، یزید یہ جملہ سن کر کہ مجھے بھی اختیار نہیں غصہ میں ہوا اور کہنے لگا: مجھے ہر بات کا اختیار ہے، اگر میں یہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں، زینب ؓ نے جرأت مندی سے جواب دیا: واللہ جب تک تو ہمارے ملت و مذہب سے نہ نکل جائے تجھے کوئی اختیار نہیں، تو مسلمان ہوتے ہوئے یہ کام نہیں کر سکتا، الا یہ کہ کفر کو اپنا پسندیدہ مذہب بنالے، یزید بے قابو ہونے لگا (۵ / ۶۰۵) اور جواب دیا تو مجھے کفر سے آگاہ کرتی ہے، ملت اور دین سے تو تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل گیا ہے، حضرت زینب ؓ نے کہا ارے (کمبخت) میرے والد کے دین میرے بھائی اور نانا جان کے دین ہی کی برکت سے تو تیرا باپ اور تیرا دادا ہدایت پائے ہیں (آج وہی تجھے دین سے خارج دکھائی دے رہے ہیں) یزید نے کہا اللہ کی دشمن جھوٹ بولتی ہے، سیدنا زینب ؓ نے فرمایا: ہاں ہاں گالیاں بک، جبراً مسلمانوں کا امیر بن بیٹھا ہے، ظلماً دوسروں کو گالیاں بک رہا ہے، اور اپنے عہدے کے غرور میں دوسروں کو مرعوب کر رہا ہے، اب میری یہ بات سن کر جواب دینے سے گویا اسے شرم محسوس ہوئی۔ **(البدایہ: ۶۰۵)**

كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○
لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○

> ''جو کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے زمین میں یا تمہاری جانوں پر، سو وہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے، زمین کے پیدا کرنے سے قبل اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے (اور تمام کاموں کا تابع تقدیر ہونا) اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر زیادہ غم نہ کرو اور جو چیز مل جائے اس پر زیادہ خوش نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے فخر کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا''۔

یزید یہ سن کر خاموش ہو گیا، پھر حکم دیا کہ ان کو اور ان کی عورتوں کو ایک مقفل مکان میں رکھا جائے، اور یزید کوئی ناشتہ اور کھانا نہ کھاتا تھا جس میں علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو نہ بلاتا ہو، ایک روز انکو بلایا تو انکے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی عمرو بن الحسین رضی اللہ عنہ بھی آگئے، یزید نے عمرو بن الحسین رضی اللہ عنہ سے بطور مزاح کہا کہ تم اس لڑکے (یعنی اپنے لڑکے خالد سے مقابلہ کر سکتے ہو، عمرو نے کہا ہاں، کر سکتا ہوں، بشرطیکہ آپ ایک چھری ان کو دے دیں، اور ایک مجھے، یزید نے کہا کہ آخر سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔ (۱)

بعض روایات میں ہے کہ یزید شروع میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو خوشی کا اظہار کیا اس کے بعد جب یزید کی بدنامی سارے عالم اسلام میں پھیل گئی اور وہ سب مسلمانوں میں مبغوض ہو گیا تو بہت نادم ہوا اور کہنے لگا کاش میں تکلیف اٹھالیتا اور حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھتا، اور ان کو اختیار دیتا کہ جو وہ چاہیں کریں، اگرچہ میرے اس اقتدار کو نقصان ہی پہنچتا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اور ان کا اور ان کی قرابت کا یہی حق تھا، اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ (۲)

---

(۱) **البداية: ۵/ ۶۰۵**

(۲) اہل عرب کا مزاج ہے کہ تحقیر کے وقت باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پر لعنت کرے، اس نے ان کو مجبور کر کے قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے یہ کہا تھا مجھے یزید کے پاس جانے دو، یا کسی سرحدی مقام پر پہنچا دو، مگر اس نالائق نے قبول نہ کیا اور ان کو قتل کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں میں مجھے مبغوض کر دیا، ان کے دلوں میں میری عداوت کا بیج بو دیا کہ ہر نیک و بد مجھ سے بغض رکھنے لگا۔ اللہ اس ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ (۱)

اہل بیت کی مدینہ کو واپسی

اس کے بعد یزید نے ارادہ کیا کہ اہل بیت اطہار کو مدینہ واپس بھیج دے، تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ اس کے لئے ان کے مناسب شان ضروریات سفر مہیا کریں، اور ان کے ساتھ کسی امانت دار متقی آدمی کو بھیجے اور اس کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ فوج کا بھیج دے جو ان کو مدینہ تک بحفاظت پہنچائے، اور علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو رخصت کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اللہ ابن مرجانہ پر لعنت کرے، بخدا اگر میں خود اس جگہ ہوتا تو حسین ؓ جو کچھ کہتے میں قبول کر لیتا، اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کو ہلاکت سے بچاتا، اگرچہ مجھے اپنی اولاد کو قربان کرنا پڑتا۔ لیکن جو مقدر تھا وہ ہو گیا، صاحبزادے تمہیں جب کوئی ضرورت ہو مجھے خط لکھنا اور میں نے تمہارے ساتھ جانے والوں کو بھی یہ ہدایت کر دی ہے۔

تنبیہ: یزید کی زود پشیمانی اور بقیہ اہل بیت کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کے لئے تھا یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آ گیا، یہ تو علیم و خبیر ہی جانتا ہے، مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سب سیاہ کاریوں سے ہی لبریز ہیں، مرتے ہوئے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کے لئے لشکر بھیجے ہیں، اسی حال میں مرا ہے۔ عاملہ اللہ بما ہو اہلہ (مؤلف)

اس کے بعد اہل بیت ان لوگوں کی حفاظت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ان لوگوں نے راستہ میں اہل بیت کی خدمت بڑی ہمدردی سے کی، رات کو ان کی سواریاں اپنے سامنے رکھتے تھے اور جب کسی منزل پر اترتے تو ان سے علیحدہ

---

(۱) **البدایۃ:** ۵ / ۶۰۲

ہو جاتے اور اپنے چاروں طرف پہرہ دیتے تھے اور ہر وقت ان کی ضروریات کو دریافت کر کے پورا کرنے کا اہتمام رکھتے تھے، یہاں تک کہ یہ سب حضرات اطمینان کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ (۱)

وطن پہنچ کر حضرت حسین ؓ کی صاحبزادی فاطمہ ؓ نے اپنی بہن زینب سے کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیا کہ سفر میں راحت پہنچائی، ہمیں کچھ اس کو صلہ دینا چاہیے، زینب نے کہا ہمارے پاس اپنے زیور کے سوا تو کچھ ہے نہیں، دونوں نے اپنے زیوروں میں سے دو کنگن اور دو بازو بند سونے کے نکالے اور ان کے سامنے پیش کئے اور اپنی بے مائیگی کا عذر پیش کیا، اس شخص نے کہا واللہ اگر میں نے یہ کام دنیا کے لئے کیا ہوتا تو میرے لئے یہ انعام بھی کم تھا، لیکن میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے، جو کہ قرابت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ کا غم وصدمہ اور انتقال

حضرت حسین ؓ کی زوجہ محترمہ رباب بنت امرئ القیس بھی آپ کے ساتھ اسی سفر میں تھیں اور شام بھیجی گئیں، پھر سب کے ساتھ مدینہ پہنچیں، تو باقی عمر اسی طرح گزار دی کہ کبھی مکان کے سایہ میں نہ رہتی تھیں کوئی کہتا کہ دوسری شادی کر لو تو جواب دیتی تھیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کسی کو اپنا خسر بنانے کے لئے تیار نہیں، بالآخر

---

(۱) **البدایة: ۵/ ۶۰۶۔** جب یہ مظلوم قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو زینب صغریٰ بنت عقیل بن ابی طالب روتی ہوئی ان اشعار سے ان کا استقبال کیا:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ... ما ذا فعلتم و انتم آخر الامم
بعترتی و باھلی بعد مفتقدی منهم ... اساری و قتلی ضرجوا بدم
ما کان هذا جزائی اذا نصحت لکم ... ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحم

"کل قیامت کے دن اگر نبی ﷺ تم سے پوچھ لیں کہ تم نے میری ذریت، میرے گھر والوں کے ساتھ میرے جانے کے بعد کیا سلوک کیا جبکہ تم آخر الامم ہو، تم نے کسے قتل کیا اور کسے قیدی بنایا، کس کو خون سے نہلایا، میری بھلائیوں کا یہ صلہ تم نے مجھے کیا خوب دیا، اتنا برا بدلہ نہ ہو گا جبکہ میں تمہیں تاکید کر گیا کہ رشتہ داروں سے برا برتاؤ نہ کرنا تو تم کیا جواب دو گے"۔

ایک سال کے بعد وفات پا گئیں۔ (۱)

حضرت حسین ؓ اور ان کے اصحاب کے قتل کی خبریں مدینہ میں پہنچیں، تو پورے مدینہ میں کہرام تھا، مدینہ کے در و دیوار رو رہے تھے، اور جب خاندان اہل بیت کے یہ بقیہ نفوس مدینہ پہنچے تو مدینہ والوں کے زخم از سر نو تازہ ہو گئے۔

عبداللہ بن جعفر کو ان کے دو بیٹوں کی تعزیت

جس وقت عبداللہ بن جعفر کو یہ خبر ملی کہ ان کے دو بیٹے بھی حضرت حسین ؓ کے ساتھ شہید ہو گئے تو بہت لوگ ان کی تعزیت کو آئے، ایک شخص کی زبان سے نکل گیا ہم پر یہ مصیبت حسین ؓ کی وجہ سے آئی ہے، حضرت عبداللہ بن جعفر کو غصہ آ گیا، اس کو جوتا پھینک کر مارا کہ کم بخت تو یہ کہتا ہے، واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ قتل کیا جاتا، واللہ آج میرے بیٹوں کا قتل ہی میرے لئے تسلی ہے، کہ اگر میں حسین ؓ کی کوئی مدد نہیں کر سکا تو میری اولاد نے یہ کام کر دیا۔

واقعہ شہادت کا اثر فضائے آسمان پر

عام مورخین ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسین ؓ کی شہادت کے بعد

---

(۱) ان کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک سال تک سیدنا حسین ؓ کی قبر پر رہیں ایک سال بعد یہ شعر کہتی ہوئی لوٹیں۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکم
و من یبک حولا کاملا فقد اعتذر

”ایک سال تک تم پر غم کا اظہار کیا، تم پر سلامتی ہو، اور جو ایک سال مکمل روئے وہ معذور ہوگا (اس کا غم مانا جائے گا)“

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ آپ کی شہادت کے چند دن بعد ہی وفات پا گئیں، ان کی ایک بیٹی تھی۔ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما۔

” كانت من أجمل النساء حتى أنه لم يكن في زمانها أحسن منها “

(البدایۃ: ۵/ ۶۲۰)

سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کی بہت حسین و قبول صورت خاتون تھیں، آپ سا حسین کوئی نہ تھا نہ تھی۔

دو تین مہینہ تک فضاء کی یہ کیفیت رہی کہ جب آفتاب طلوع ہوتا اور دھوپ در و دیوار پر پڑتی تو اتنی سرخ ہوئی تھی، جیسے دیواروں کو خون لیپ دیا گیا ہو۔(۱)

---

(۱) **البدایۃ:** ۵/ ۵۸۴

حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کے اشعار شہادت حسین ؓ پر

جاؤا برأسک یابن بنت محمد ★ متزملا بد مائه تزميلا
وكانما بک یابن بنت محمد ★ قتلوا جهارا عامدین رسولا
قتلوک عطشانا و لم يتدبرو ★ فی قتلک القرآن والتنزيلا
و یکبرون بان قتلت و انما ★ قتلوا بک التكبير والتهليلا

> ”اے نواسہ رسول یہ (بدبخت و نامراد) لوگ آپ کو قتل کر کے خون سے آلودہ کر کے آپ کا سر مبارک لے آئے۔ آپ کو ان لوگوں نے پیاسا قتل کیا، یہ بھی نہ سوچا کہ قرآن کیا کہتا ہے، آپ کو قتل کر کے خود کو بڑا سمجھ رہے ہیں، بخدا حقیقت میں یہ لوگ تکبیر و تہلیل (**اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ**) کو قتل کر دیئے ہیں“۔

نواسہ کی کہانی نانا کی زبانی

حضرت انس ؓ سے روایت ہے ایک دن ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ اس کے ساتھ حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے، دروازہ پر ام سلمہ کو ٹھہرا دیا کہ کسی کو داخل ہونے نہ دینا تھوڑی دیر بعد چھوٹا بچہ حسین کھیلتا کودتا آیا اور کمرے میں داخل ہوگیا، اور آپ کے کندھوں پر چڑھنے لگا، فرشتہ نے پوچھا کیا آپ اس بچہ سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں فرشتے نے کہا آپ کی امت ہی اس کو شہید کردے گی، اگر آپ ان کی شہادت کی جگہ دیکھنا چاہیں تو دکھا دوں، یہ کہہ کر ہاتھ مارا اور لال مٹی اٹھا کر دکھایا، ام سلمہ نے وہ مٹی اٹھالیا، اور اپنے دامن کے کنارے اس کو باندھ لیا، انس ؓ فرماتے ہیں کہ اسی وقت سے سنتے تھے کہ یہ بچہ کربلا میں شہید کردیا جائے گا۔(**المعجم الكبير :الحسين بن علي**، حدیث: ۲۸۱۳، شعیب الارنوط نے صحیح ابن حبان میں اور حسین سلیم اسد نے مسند ابی یعلی میں اس کی سند کو حسن کہا ہے)

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آج میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے، جو پہلے کبھی نہیں آیا اور یہ کہہ گیا کہ آپ کے اس بیٹے کو شہید کردیا جائے گا پھر لال مٹی نکال کر دکھایا۔(**المستدرک :أول فضائل عبد اللہ بن حسین**، حدیث: ۴۸۱۸، حاکم نے اس روایت کو صحیحین کی شرط پر صحیح کہا ہے، ذہبی نے منقطع اور ضعیف کہا ہے۔)

انس بن حارث ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سنا یہ =

شہادت کے وقت آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا گیا

بیہقی نے دلائل میں بہ سند روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک رات آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے، اور آپ پراگندہ بال پریشان حال ہیں، آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا حسین ؓ

= فرماتے ہوئے کہ میرے اس بیٹے (حسین ؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کو کربلا کی زمین میں شہید کر دیا جائے گا، اگر تم میں سے کوئی وہ زمانہ پائے تو اس کی مدد کرنا، انس بن حارث ؓ اس وقت تک باحیات رہے اور میدان کربلا میں سیدنا حسین ؓ کی مدد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (**البدایہ:۶۰۹**)

سیدنا حسین ؓ کے والد محترم حضرت علی ؓ جب جنگ صفین کے لئے جارہے تھے تو میدان کربلا کے حنظل کے درختوں کے پاس سے گزرے تو پوچھا یہ کونسی جگہ ہے؟ لوگوں نے کہا: کربلا۔ آپ نے فرمایا: **کربٌ وبلاءٌ**۔ پھر وہیں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا، نماز ادا کی اور فرمایا: یہاں ایک جماعت شہید ہوگی جو صحابہ کے بعد بہترین شہداء ہوں گے، اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے، یہ فرماتے وقت آپ نے ایک خاص مقام کی طرف اشارہ بھی کیا، لوگ اسے نشان کے طور پر یاد رکھ لئے، بعد میں دیکھا گیا تو سیدنا حسین ؓ اسی جگہ شہید کئے گئے تھے۔ (**المعجم الکبیر: الحسین بن علي**، حدیث: ۲۸۱۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے کئی سندوں سے نقل کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں)

نبوت سے تین سو سال پہلے لکھا ہوا شعر

ابن عساکر کی روایت ہے کہ مجاہدین کی ایک جماعت ملک روم کے شہروں کی طرف جہاد کے لئے چلی، جب یہ لوگ ایک گرجا گھر میں داخل ہوئے تو اس کنیسہ پر یہ شعر لکھا دیکھا۔

اترجو امۃ قتلت حسینا ★ شفاعۃ جدہ یوم الحساب

"حسین کو قتل کرنے والی امت ان کے نانا سے قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟"۔

تو کنیسہ والوں سے پوچھا یہ شعر کس نے لکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی نبی کی بعثت سے تین سو سال قبل سے لکھا ہوا ہے، اور یہ بھی مروی ہے جب دشمن آپ کو شہید کر کے سر مبارک لے گئے اور سر رکھ کر پھر شراب نوشی میں مبتلا ہوئے ہے تو ایک لوہے کا قلم ظاہر ہوا، اور آپ کے خون سے دیوار پر یہ شعر لکھ گیا۔ (**البدایۃ: ۵/۶۱۰، تفسیر القرطبي: ۱۳/۱۹**)

کا خون ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا، حضرت عبد اللہ عباس رضی اللہ عنہما نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی تھی کہ حسین ؓ شہید ہو گئے، اس خواب سے چند روز کے بعد حضرت حسین ؓ کی شہادت کی اطلاع پہنچی، اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا۔ (۱)

اور ترمذی نے سلمی سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک روز ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ آپ کے سر مبارک اور داڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے، میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ میں ابھی حسین ؓ کے قتل پر موجود تھا۔ (۲)

ابو نعیم نے دلائل میں حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسین ؓ کے قتل پر میں نے جنات کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۳)

---

(۱) **المستدرک: ذکر أم المؤمنين أم سلمة بنت أبي أمية**، حدیث: ۸۲۰۱، حاکم نے اس روایت کو مسلمہ کی شرط پر صحیح کہا ہے، علامہ ذہبی نے موافقت کی ہے۔

(۲) **تاریخ الخلفاء للسیوطی** (۳) حوالہ سابق

جنات کو روتے و نوحہ کرتے وقت یہ شعر پڑھتے سنا گیا ہے:

مسح الرسول جبینه فله بریق فی الخدود
ابواه من علیا قریش جده خیرا لجدود

”نبی نے ان کی جبین مبارک کے بوسے لئے، آپ کے لعاب کی تری ابھی ان کے چہرہ پر باقی ہے، ان کے والدین قریش کے بلند پایہ لوگوں میں سے ہیں اور نانا سب سے بہتر“۔

بعض لوگوں نے یہ اشعار سن کر جواباً ان اشعار کو پڑھا:

خرجوا به وفدا إلیه منهم له شرا الوفود
قتلوا ابن بنت نبیهم سکنوا به نار الخلود

”ان کے خلاف جو وفد نکلا جنگ کے لئے وہ دنیا کے وفود میں سب سے بُرا وفد ہے، اپنے نبی کے نواسہ کو قتل کر کے ہمیشہ کی جہنم کو اپنے اوپر واجب کر لئے“

حسین ؓ کی قبر مبارک

اکثر مورخین کا یہی کہنا ہے کہ آپ کو شہر کربلا کے کنارے دفن کیا گیا۔ ابن جریر کا کہنا =

حضرت حسین ؓ کے بعض حالات وفضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان کو مدینہ طیبہ میں رونق افروز عالم ہوئے اور ۱۰ محرم ۶۱ ہجری میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے، آنحضرت ﷺ نے آپ کی تحنیک فرمائی یعنی کھجور چبا کر اس کا رس اور رس ان کے منہ میں ڈالا اور کان میں اذان دی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور حسین ؓ نام رکھا، ساتویں روز عقیقہ کیا، آپ بچپن ہی سے شجاع ودلیر تھے، رسول کریم ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

= ہے کہ آپ کی قبر مبارک کا کوئی نشان نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ بلکہ ابونعیم وغیرہ اس شخص کو گھڑنے والا کہتے تھے، جو یہ کہتا کہ میں حسین ؓ کی قبر جانتا ہوں۔ ہشام بن کلبی سے منقول ہے، جب سیدنا حسین ؓ کی قبر کا نشان مٹانے کے لئے مٹی پر پانی بہایا گیا تو اس پانی کے سوکھنے میں چالیس دن لگے، قبیلہ بنی اسد کا ایک اعرابی آیا اور مٹی اٹھا اٹھا کر سونگھنے لگا، جب اس جگہ کی مٹی اٹھایا جہاں قبر تھی اور سونگھا تو کہنے لگا: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے عمدہ تھے اور آپ کی مٹی (قبر) کتنی خوشبودار ہے۔

بابی انت وامی ما کان اطیبک وأطیب تربتک

پھر یہ شعر پڑھا:

أراد وا لیخفوا قبره عن عدوه   فطیب تراب القبر دل علی القبر

’’دشمن آپ کی قبر کو مٹانا چاہتے ہیں، پر قبر کی مٹی کی خوشبو نے قبر کا پتہ دے دیا‘‘

سیدنا حسین ؓ کا سر مبارک

آپ کا سر مبارک یزید کے پاس لے جانے کے بعد کہاں دفن کیا گیا اس میں مورخین واہل سیر کا اختلاف ہے:

(۱) محمد بن سعد سے منقول ہے کہ یزید نے آپ کا سر عمرو بن سعد مدینہ کے گورنر کے پاس بھیج دیا اور آپ کی والدہ کی قبر کے بازو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۲) ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے کہ آپ کا سر مبارک یزید کی وفات تک یزید اپنے خزانہ میں اٹھا رکھا جب وہ مرا تو پھر بعد والوں نے کپڑا پہنا کر دمشق کے شہر فرادلیس کے دروازہ کے پاس دفن کر دیا، اتنے دنوں تک صرف سفید ہڈیاں رہ گئی تھیں۔

(۳) ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ اسے عام مسلمانوں کے قبر میں دفن کر دیا گیا (یزید کا زمانہ گزرنے کے بعد)۔ **(البدایہ: ۵/ ۶۱۳)**

"حسین ؓ منی و انا من حسین، اللهم احب حسینا، أخرجه الحاکم فی المستدرک" (۱)

حسین ؓ مجھ سے ہیں اور میں حسین سے، یا اللہ جو حسین ؓ کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھے۔

ابن حبان، ابن سعد، ابو یعلی، ابن عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من سره أن ینظر إلی رجل من أهل الجنة و فی لفظ سید شباب أهل الجنة، فلینظر إلی حسین بن علی" (۲)

''جو چاہے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے یا یہ فرمایا کہ نوجوان اہل جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسین ؓ بن علی ؓ کو دیکھ لے'' (۳)

---

(۱) **ترمذی: باب مناقب الحسن والحسین**، حدیث: ۳۷۷۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) **کنز العمال: الحسن والحسین رضی اللہ عنہما**، حدیث: ۳۴۲۶۹، مناوی فیض القدیر میں فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس روایت پر حق کا نشان لگایا ہے اور یہ بات مسلمہ نہیں، اس میں ربیع بن سعد جوفی ہے جو غیر معروف ہے۔ (۶/۱۵۱، مکتبۃ التجاریہ، مصر)

(۳) **"من أحبهما فقد احبنی و من ابغضهما فقد ابغضنی یعنی حسنا و حسینا، نظر النبی ﷺ إلی الحسن والحسین و فاطمة فقال: أنا حرب لمن حاربکم سلم لمن سالمکم (المعجم الکبیر، حسن بن علی بن ابی طالب**، حدیث: ۲۶۱۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں تلید بن سلیمان ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں)

۲ - عن ابی هریرة ؓ قال: خرج علینا رسول الله ﷺ حسن و حسین هذا علی عاتقه الواحد، و هذا علی عاتقه الآخر و هو یلثم هذا مرة و هذا مرة حتی انتهی إلینا فقال له رجل یا رسول الله إنک لتحبهما؟ فقال من =

ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سجدہ میں تشریف رکھتے تھے فرمایا وہ شوخ لڑکا کہاں ہے یعنی حسین ؓ، حسین ؓ آئے اور آپ کی گود میں گر پڑے، اور آپ کی داڑھی میں انگلیاں ڈالنے لگے، آپ نے حسین ؓ کے رخسار پر بوسہ دیا اور فرمایا یا اللہ میں حسین ؓ سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت کریں، اور اس شخص سے بھی جو حسین سے محبت کرے۔ ایک روز ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے دیکھا کہ حضرت حسین ؓ سامنے سے آرہے ہیں، ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اس زمانہ میں اہل آسمان کے نزدیک سارے اہل زمین میں زیادہ محبوب ہیں۔ (۱)

= **أحبهما فقد أحبني ومن أبغضهما فقد ابغضني (مسند أحمد بن حنبل: مسند أبي هريرة**، حدیث: ۹۶۷۱۱، شعیب ارنوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے)

۳- **حسين مني و انا من حسين احب الله من احب حسنا حسين سبط من الاسباط (ترمذی: باب مناقب الحسن والحسين**، حدیث نمبر: ۳۷۷۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے)

۴- **الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة الا ابنی الخاله يحيى و عيسى عليهما السلام (البداية ٦١٥) (المستدرک: ومن مناقب الحسن والحسين**، حدیث: ۴۲۲۸۱، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو صحیح ابن حبان میں صحیح قرار دیا ہے)

۵- **سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ای اهل بیتک احب اليک قال الحسن والحسين۔ (ترمذی: باب مناقب الحسن والحسين**، حدیث نمبر: ۵۷۷۳، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ سجدہ میں جاتے تو دونوں بچے حسن حسین آپ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے، جب آپ سجدہ سے اٹھتے تو انہیں آہستہ سے اتار کر زمین پر رکھتے پھر آپ ﷺ جب سجدے میں جاتے تو اسی طرح وہ دوبارہ بیٹھ جاتے، جب آپ قعدہ میں بیٹھتے تو دونوں کو اپنی ران پر بٹھا لیتے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو ان بچوں کو ان کی والدہ کے پاس چھوڑ دوں؟ اتنے میں ایک بجلی چمکی جس سے سارا اندھیرا اچھٹ گیا، آپ نے بچوں سے کہا: اپنی امی جان کے پاس چلے جاؤ، بچے گھر میں داخل ہونے تک اس بجلی کی روشنی ایسے ہی باقی رہی۔ (**البدایہ: ٦١٧**)

(۱) ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ کے پاس یمن کے حلے آئے، آپ ؓ نے لوگوں میں =

حضرت حسین ؓ نہایت سخی اور لوگوں کی امداد میں اپنی جان و مال پیش کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کسی کی حاجت پوری کرنا میں اپنے ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر سمجھتا ہوں۔ (۱)

حضرت حسین ؓ کی زریں نصیحت

فرمایا کہ لوگ اپنی حاجات تمہارے پاس لائیں تو اس سے ملول نہ ہو؛ کیونکہ ان کے حوائج تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اگر تم اس سے ملول و پریشان ہو گئے تو یہ نعمت مبدل بہ قہر ہو جائے گی (یعنی تمہیں لوگوں کے ہاں محتاج کر دیا جائے گا کہ تم ان کے

= تقسیم کر دیا وہ سب یہ نئے کپڑے پہن کر مسجد نبوی میں آئے، حضرت عمر ؓ منبر اور قبر شریف کے درمیان بیٹھے تھے، لوگ آتے سلام کرتے ان کو دعائیں دیتے اتنے میں حضرات حسن ؓ و حسین ؓ اپنی والدہ حضرت سیدہ فاطمہ ؓ کے مکان سے نکلے، لوگوں کے درمیان سے گزر رہے تھے، اور ان صاحبزادوں کے جسم پر وہ حلے نہیں تھے، حضرت عمر ؓ افسردہ اور اداس بیٹھے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا: ان کی وجہ سے مغموم ہوں کہ ان کے بدن کے مطابق کوئی حلہ نہیں تھا، چادریں بڑی تھیں، اور ان کے قد چھوٹے ہیں، اس کے بعد یمن پیغام بھیجا کہ دو جوڑے حسن ؓ اور حسین ؓ کے لئے بہ عجلت بھیجے جائیں، چنانچہ وہ بھیجے گئے، آپ نے ان دونوں کو پہنایا، تب اطمینان ہوا۔ (**البدایة: ۵/ ۶۱۲**)

(۱) **صاحب حق کے حق کی فکر**

ایک مرتبہ حسن ؓ و حسین ؓ کے مابین کچھ بات ہو گئی، جس میں وہ آپس میں بات روک لئے، ایک دو روز بعد بڑے بھائی حسن ؓ کو خود خط لکھا کہ آپس کا ترک کلام شرعاً ممنوع ہے، اور جو آگے بڑھ کر اپنے بھائی سے معافی مانگ لے اور گفتگو کی ابتداء کر دے اس کا درجہ عند اللہ بلند ہو جاتا ہے، آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں؛ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ عند اللہ درجہ میں بھی آپ بلند ہو جائیں، اور آپ ہی بلند درجہ پانے کے حقدار ہیں، ورنہ میں اگر آگے بڑھ کر کلام کر لیا تو آپ کی فضیلت کو لے جانے والا ہو جاؤں گا، سیدنا حسن ؓ خط پڑھ کر فوراً بھاگے بھاگے آئے اور بھائی کو گلے لگایا، اور سر پر بوسہ دیا (عرب میں سر کا بوسہ نہایت تعظیم کی بات ہوتی ہے) پھر سیدنا حسین ؓ نے بھی ان کے سر کا بوسہ لیا۔

سیدنا حسن ؓ شعراء کو شعر خوانی کے عوض مال ہدیہ کرتے تھے، سیدنا حسین ؓ نے خط لکھا کہ شعراء کو مال دینا ٹھیک نہیں، (اس مال میں کوئی بھلائی نہیں جو شعراء کو دیا جائے) آپ نے جواباً لکھا جس مال سے انسان کی آبرو محفوظ رہے اور عزت بچ جائے اس سے بھلا کوئی مال نہیں۔ (**البدایہ: ۵/ ۶۱۸**)

دروازوں پر جاؤ)۔

حضرت حسین ؓ ایک روز حرم مکہ میں حجر اسود کو پکڑے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے ''یا اللہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا، مجھے شکر گزار نہ پایا، میری آزمائش کی تو مجھے صابر نہ پایا، مگر اس پر بھی آپ نے نہ اپنی نعمت مجھ سے سلب کی، اور نہ مصیبت کو مجھ پر قائم رہنے دیا، یا اللہ کریم سے تو کرم ہی ہوا کرتا ہے''۔

حضرت حسین ؓ اپنے والد ماجد حضرت علی ؓ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے، اور ان کے ساتھ ہر جہاد میں شریک رہے، اور ان کی صحبت میں رہے، یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس کے بعد اپنے بھائی حضرت حسن ؓ کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ وہ امارت چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، تو آپ بھی ان کے ساتھ مدینہ آ گئے، اور جب تک بیعت یزید کا فتنہ شروع نہیں ہوا مدینہ ہی میں مقیم رہے، حضرت حسین ؓ کے ساتھ کربلا میں آپ کے اہل بیت کے تینتیس حضرات شہید ہوئے۔(۱)

---

(۱) اسعاف الراغبین

نوٹ: سیدنا حسین کے لئے ''سید الشہداء'' کا لقب دیا جانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں عوام وبعض خواص کو بھی خلجان رہتا ہے کہ یہ لقب آنحضرت ﷺ نے صرف حضرت حمزہ ؓ کو دیا ہے، حضرت حمزہ ؓ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ لقب استعمال کرنا احداث فی الدین ہے، اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ کا مبسوط علمی دلائل ونکات پر مشتمل فتویٰ پیش خدمت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ سید الشہداء کا لقب حضرت حمزہ ؓ کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے بھی درست ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اسی طرح اس فتویٰ کے ضمن میں لفظ ''امام'' کے استعمال کا حکم بھی واضح ہے کہ لفظ ''امام'' حضرت حسین ؓ کے لئے استعمال کرنا درست ہے، جس طرح دیگر ائمہ وفقہاء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

علمی دلائل وبراہین پر مشتمل حکیم الامت ؒ کا فتوی پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیں:

حضرت حسین کو سید الشہداء کا لقب جائز ہے نہیں؟

السؤال: والا نامہ حسین میں تلقیب سید الشہداء واحکام کے متعلق یہ ارشاد گرامی کہ اہل سنت کے رفع توحش کے لئے شیعہ واہل سنت کے مذہب کا فرق دکھا دیا جائے، اور یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہمیں صرف عقائد شیعہ کی رو سے ان امور سے =

= اختلاف ہے، ورنہ نہ امام کہنے میں کوئی حرج ہے اور نہ سید الشہداء کہنے میں، میں نے مولانا عبدالشکور صاحب کی خدمت میں بھیجدیا، مولانا نے اسے رکھ لیا اور مجھے اتنا جواب عنایت فرمادیا کہ یہ مضمون کسی مناسب مقام پر بڑھا دیا جاوے گا۔

لیکن مجھے اس میں تردد ہے کہ ایک تلقیب دوسرے کی تلقیب سے مانع نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لقب اپنے کسی ایک صحابی کو عطا فرمایا آپ نے خود بھی وہ کسی دوسرے کو نہیں عطا فرمایا، پھر آپ کے صحابہ وتابعین نے بھی کسی کو وہ لقب نہیں دیا اس لئے معلوم ہوا کہ جس کسی کو جو لقب دیا گیا ہے وہ ایسے امور کی وجہ سے دیا گیا ہے جو انہی کے ساتھ خاص ہیں، بالخصوص سیادت جنت کے لقب میں تو صاف صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ کیونکہ مختلف جنتیں مختلف اعمال کے لوگوں کے لئے بنائی گئی ہیں، مثلاً انبیاء کے لئے اور شہداء کے لئے اور صالحین کے لئے اور سید الشہداء کے لئے اور اس لئے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی کو سید الشہداء کا لقب ملنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ انہیں ایک خاص جاگیر کی سند دی گئی ہے، اور ایسی سند دینے کا اختیار اسی کو ہے جس کے اختیار میں جاگیر ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خلیفہ فرمایا گیا تو رسول اللہ ﷺ کے بعد وہی خلیفۂ رسول اللہ کہلائے، اور کسی کو اس لقب کا شرف نہیں حاصل ہوا، اگرچہ اور حضرات بھی خلیفہ کہلائے، مگر یہ سب باعتبار لغت یا باعتبار اصطلاح شرع کے خلفاء کہلائے، لقب کے طور پر نہیں کہلائے، اور نہ یہاں ان معنی کا لحاظ ہوا، جو خلیفۂ رسول اللہ میں ہے، جیسا کہ رسول اللہ میں لفظ رسول سے جو شرف مفہوم ہوتا ہے، وہ مثلاً: **"جاءني رسول عامل خراسان"** میں نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو مختلف القاب عطا فرمائے جن میں بعض القاب کے آثار کا دنیا میں ظہور ہوا، اور بعض کا آخرت میں ہوگا، مثلاً حضرت ابوبکر ؓ کو صدیق اور حضرت عمر ؓ کو فاروق اور حضرت خالد ؓ کو سیف اللہ، حضرت ابوعبیدہ ؓ کو امین ہذا الامۃ، حضرت حمزہ ؓ کو اسد اللہ واسد رسولہ وسید الشہداء، حضرات حسنین ؓ کو سیدا شباب اہل الجنۃ، حضرت شیخین کو سیدا کہول اہل الجنۃ، حضرت علی ؓ کو اقضاہم، حضرت ابی ابن کعب ؓ کو اقرأہم فرمایا گیا، مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسی نہیں ملتی کہ صحابۂ کرام یا تابعین نے حالات کے تشابہ کے لحاظ سے ان القاب سے کسی اور کو یاد فرمایا ہو جو صاف صاف اس امر کی دلیل ہے کہ =

= رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ لقب وہ حضرات کسی اور کے لئے استعمال کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔

دنیا میں شاہی خطابات کا بھی اصول یہی ہے کہ شان بہادر، شمس العماء یا جنگ بہادر وغیرہ خطابات کسی غیر شاہی خطاب یافتہ کے لئے استعمال نہیں ہوسکتے، نہ قانوناً نہ رواجاً اور اگر کسی کو غیر بادشاہ یہ خطابات دے بھی دے تو اس سے ذرا بھی اس کی عزت افزائی نہ ہوگی، اور نہ وہ آثار مرتب ہوں گے جو شاہی خطاب یافتہ کے لئے ہیں، مثلاً دربار میں مدعو ہونا، عدالت میں کرسی ملنا، اس کی شہادت کی خاص وقت ہونا، وغیرہ ذلک، اسی طرح القاب نبوی کے متعلق بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

میں اپنے خیالات پریشان حضور والا کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں تا کہ اصلاح ہوجاوے ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا۔

الجواب: یہی حکم کرنا مشکل ہے کہ یہ ارشادات توصیف ہیں یا تلقیب، اس کے لئے قرائن خارجیہ کی حاجت ہے، جب تک احتمال توصیف کا ہے، تخصیص کا حکم نہیں کیا جاسکتا، حتی کہ حق تعالیٰ کے بعض اوصاف کا اطلاق مخلوق کے لئے جائز ہے، جیسے رحیم، ملک، عزیز و امثالہا تا بہ وصف دیگراں چہ رسد، حضور ﷺ نے زلزلہ جبل میں حضرت ابوبکر ؓ کو صدیق کا لقب اور بعض صحابہ[کو شہید کا لقب دیا، پھر بھی قرآن مجید سے صدیق اور شہید کا تعدد معلوم ہوتا ہے، **أولئک هم الصديقون والشهداء عند ربهم،** قرآن مجید میں حضرت ابراہیم ؑ کو امام فرمایا گیا اور خود امت نے ہزاروں کا امام کے لقب سے نام زد کیا، نیز حضور ﷺ نے حضرت حسن ؓ کی نسبت فرمایا: **إن ابنی ہذا سید،** پھر بلانکیر سید کا اطلاق ہزاروں پر کیا گیا اور اخیر بات تو یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہے، اس کا استفتاء علماء سے کرایا جاوے، کم از کم یہی فائدہ ہوگا کہ تحقیق مشترک ہوجاوے گی تفرد تو نہ ہوگا اگر استفتاء ہو دونوں پہلوؤں کے دلائل سوالوں میں لکھ دیئے جاویں۔

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تلقیب بھی مستلزم تخصیص نہیں؛ بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ تقلیب کبھی نفس مفہوم لقب کے اعتبار ہوتی ہے، وہ تو مقتضی تخصیص کی ہوتی ہے، جیسے رسول کا لقب صحابی کا لقب مثلاً اور کبھی مفہوم لقب کے درجۂ کمال کے اعتبار سے ہوتی ہے، وہ نفس مفہوم کی تخصیص کو مقتضی نہیں ہوتی بخاری کی حدیث میں حضور ﷺ کے مناقب میں حدیث قدسی ہے، **سمّيتک المتوکل** اور پھر غیر رسول پر اطلاق متوکل کا بلانکیر شائع ہے، البتہ قرآن مجید میں ارشاد ہے **هو سماكم المسلمين** اس کا اطلاق غیر مسلم پر جائز نہیں، فرق یہی ہے کہ مسلمین کا لقب باعتبار نفس مفہوم کے ہے اور متوکل کا لقب باعتبار کمال کے ہے، اور تعین اس کی قرائن خارجیہ =

= سے ہوتی ہے، جس میں ذوقِ اجتہاد کی ضرورت ہے ماوشما کا حکم معتبر نہیں، اس کے بعد ایک حدیث نظر سے گذری، آخر زمانہ میں روم اور اہل مدینہ کے قتال کے واقعہ میں ارشاد ہے کہ: **ویقتل ثلث ھم افضل الشھداء عند اللہ** (۱) **افضل الشھداء** مرادف ہے سید الشہداء کا، اس سے اطلاق کا غیر حمزہ ؓ کے لئے جائز ہونا ثابت ہوا، اور اگر دعویٔ تخصیص کا الفاظ ہی کے ساتھ خاص ہے تو اس اطلاق کو کمال کے ساتھ خاص کیا جاوے گا کما ذکر، اور حضرت امام حسین ؓ کو بعد کے درجہ میں سید الشہداء کہا جا سکے گا مثلاً الشہداء میں لام عہد کا ہو اور مراد اس سے شہداء کربلا ہوں، حضرت امام ؓ کے ان کے سید اور رئیس ہونے میں کوئی کلام نہیں، نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے **حسن و حسین سیدا شباب اھل الجنۃ** اور ظاہر ہے کہ شباب میں شہداء بھی ہیں، تو ان کے بھی سردار ہوئے تو سید الشہداء ہونا بے تکلف نص سے ثابت ہوگیا، نیز جس حدیث میں حضرت حمزہ ؓ کو سید الشہداء فرمایا ہے اس میں یوم القیمۃ کی بھی قید ہے، تو اگر تخصیص پر دلالت مسلم بھی ہو تو حضرت امام حسین ؓ پر اس قید کے ساتھ اطلاق نہ کیا جاوے گا ممکن ہے ان کو خاص شان کے شہدوں کا سردار کہا جاوے، جو دنیا میں واقع ہوئی کہ ارض غربت میں ہونا اہل وعیال کا لاوارث رہ جانا، قاتلوں کا مدعی محبت جد مقتول ہونا، اعزاء کا سامنے مقتول ہو جانا کسی صاحب شوکت جماعت کا معرکہ میں حاضر نہ ہونا، اور یہ سب جب ہے کہ حدیث سنداً صحیح ہو ورنہ ثبوت ہی متکلم فیہ ہوگا مگر جمع الفوائد میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (۱۲؍ربیع الثانی: سنہ ۱۳۵۲ھ) (**جمع الفوائد کتاب الملاحم عن مسلم**)

جواب تصدیق علماء مظاہر العلوم سہانپور و مفتی دار العلوم دیوبند

جواب بالا کے بعد مسائل کی طرف سے پھر کچھ سوالات آئے قصرِ مسافت و قطع شعب کے لئے ان کو مشورہ دیا گیا کہ دونوں طرف کے دلائل زید وعمرو کے نام سے دوسرے علماء کی خدمت میں پیش کر کے فیصلہ کرالیا جاوے، چنانچہ سائل نے کئی جگہ استفتاء بھیجے، دو جگہ کے تصدیقی جواب جو نظر سے گذرے نقل کئے جاتے ہیں۔

جواب سہارنپور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم: امابعد! سیدنا حضرت امام حسین ؓ پر لفظ سید الشہداء کے اطلاق کے جواز وعدم جواز پر فریقین کے فاضلانہ دلائل کو بندہ نے مکرر سہ مکرر بغور ملاحظہ کے طرفین کے دلائل ومعارضات پر بحیثیت قوت وضعف تنقید کرنا، اور ایک راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا اور اپنی رائے فیصل لکھنا یہ ایسے شخص کا کام ہے کہ جس کے علم و فضل اور فہم و دانش پر فریقین کا اعتماد ہو؛ لیکن چونکہ آپ نے استفتاء فرمایا ہے اس لئے محض استفتاء کا جواب اپنی تحقیق و تتبع کے موافق لکھا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ زید کے موافق یا عمرو کے مخالف ہے۔ =

= (۱) سید الشہداء کا اطلاق حضرت حسین ؓ پر جائز ہے یا نہیں؟

(۲) حدیث سید الشہداء حمزہ سند کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے؟

(۳) اور حدیث سیدا شباب اہل الجنۃ سند کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے؟

(۴) اور ان دونوں روایتوں میں سے کس کو ترجیح ہے؟

(۱) حضرت امام حسین ؓ پر سید الشہداء کا اطلاق گو احادیث میں حضور ﷺ سے ثابت نہیں؛ لیکن اگر کہا جائے تو اس کے لئے مانع نہیں، حضرات حسنین پر حضور ﷺ نے لفظ سید کا اطلاق کیا ہے، جو روایات میں مصرح ہے اور علماء نے جو اس کے معنی بیان کئے ہیں، وہ اپنے عموم سے سیادہ مطلقہ ثابت کرتے ہیں جس میں حضرت حمزہ ؓ اور دیگر صحابہ علاوہ انبیاء اور خلفائے راشدین کے سب داخل ہیں، چنانچہ مرقاۃ میں حدیث سیدا شباب اہل الجنۃ کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

قال المظهر يعنى هما افضل من مات شابا في سبيل الله من اصحاب الجنة اولم يرد به من الشباب لانهما ماتا وقد كهلا بل مايفعله الشباب من المروة كمايقال فلان فتي وان كان شيخا يشير الى مروته وفتوته او انهما سيد ا اهل الجنة سوى الانبياء والخلفاء الراشدين وذلک لان اهل الجنة كلهم فى سن واحد وهو الشباب وليس فيهم شيخ ولا كهل اه ومثله فى مجمع البحار وغيرهما

اور حضرت حسین ؓ کے شہید ہونے کی اطلاع بھی خود حضور ﷺ نے دی ہے اور اس میں اہل حق و انصاف کو کوئی تامل نہیں کہ حضرت امام اور ان کے ساتھی شہید ہیں، دونوں قسم کی احادیث کو اگر ملایا جائے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین پر سید الشہداء کا اطلاق کرنا درست ہے۔

جواب شبہات

شبہ اول: رہا یہ شبہ کہ حضرت حمزہ ؓ کے لئے حضور ﷺ نے سید الشہداء کے لقب کو خاص کر دیا ہے اس وجہ سے دوسرے پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حمزہ ؓ کی سیادت مسلم ہے، لیکن یہ دعوی کہ آپ نے مخصوص کر دیا ہے بلا دلیل ہے روایات کے سرسری تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب حضرت حمزہ ؓ کے لئے مخصوص نہیں گو آپ کے لئے سب سے اول لسان نبوت سے صادر ہوا، جو ایک انتہائی شرف اور باعث امتیاز ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث سید الشہداء حمزہ ؓ پوری اس طرح ہے:

ابن عباس ؓ رفعه سيد الشهداء يوم القيمة حمزه ابن عبد المطلب ورجل قام الى امام جائر فامره ونهاه فقتله للاوسط بضعف =

=(جمع الفوائد: ۲/: ۲۲۸)

خود اسی روایت میں تصریح ہے کہ سید الشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیا جاسکتا ہے جو امام جائر کے مقابلہ میں مارا جائے، اب کیا حضرت حسین ؓ اس رجل کے عموم میں داخل نہیں، یقیناً داخل ہیں اور جب آپ اس عموم میں داخل ہو گئے تو حضرت امام ؓ کے اوپر سید الشہداء کا اطلاق حضور ﷺ ہی کی زبان مبارک سے ثابت ہو جائے گا، اور حضرت امام ؓ کا مقابلہ بلا شبہ امام جائر سے تھا۔

دوسری روایت: حضرت علی ؓ سے مروی ہے:

عن علی ان افضل الشهداء حمزه بن عبد المطلب وقال رسول الله ﷺ سید الشهداء جعفر بن ابی طالب مع الملٰئکة لم ینحل ذلک احمد ممن مضی من الامم غیره شی اکرم به وصلی الله علیه وسلم ابوبکر وابو القاسم الحرقی فی امالیه (کنز العمال: ۷/ ۲۱)

اس روایت میں بھی تصریح ہے کہ حضرت جعفر ؓ پر سید الشہداء کا اطلاق کیا گیا اس وقت سرسری تتبع سے یہ روایات سامنے آ گئی ہیں ممکن ہے کہ تلاش کرنے پر اور روایات بھی ایسی ملیں کہ جس میں دوسرے صحابہ پر خاص اس لفظ کا یا دوسرے ان القاب کا جو حضور ﷺ نے صحابہ کو دیئے اطلاق کیا گیا ہو لہٰذا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ان القاب کا دوسرے لوگوں پر اطلاق نہیں کیا گیا، بالخصوص سید الشہداء کا۔

شبہ دوم: دوسرا شبہ یہ ہوسکتا ہے، یہ مانع کی طرف سے کیا گیا ہے، کہ سید الشہداء میں اضافت سید کی جمع کی طرف ہے، جو مفید عموم ہے یہ بھی دعوی محض ہے اس پر کوئی دلیل قوی قائم نہیں کی گئی اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اضافت اور الف لام دونوں عہد کے لئے ہیں، استغراق کے لئے نہیں، اور اگر استغراق بھی تسلیم کر لیا جائے تو استغراق حقیقی پر کیا دلیل ہے ظاہر یہ ہے کہ استغراق عرفی ہے چنانچہ علامہ حفنی حاشیہ شرح جامع صغیر حدیث سید الشہداء حمزہ کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں:

قوله سید الشهداء ای شهداء المعرکة فلا یرد ان نحو سیدنا عمر من الشهداء هو افضل منه لکنه لیس من شهداء المعرکة فلیس داخلافیه وکذا یقال فی رجل قام الی الامام (حاشیة شرح جامع صغیر، ص: ۳۲۱)

شبہ سوم: تیسرا شبہ اس میں تشبہ بالروافض ہے یہ اس قدر ضعیف ہے کہ ایک فاضل اور فہیم شخص کو تو کیا معمولی آدمی کو بھی اس سے دھوکہ نہیں ہوسکتا کیونکہ نفس محبت حسنین ؓ یا حضرت علی ؓ اور ان کا مرتبہ اہل سنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے باقی ان کو شیعہ کا اپنے اعتقاد کے موافق اور حضرات سے افضل سمجھنا افراط ہے لہٰذا محض اس وجہ سے اس کے عدم اطلاق کو معلل کرنا درست نہیں =

……

= جب کہ اس کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں اور روایات کے عموم سے جواز مفہوم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وجہ عدم جواز کی یہی ہوسکتی ہے یہ لقب حضرت حمزہ ؓ کے لئے مخصوص ہے سواس کا عام ہونا تقریر مذکور سے ثابت ہوگیا، اور اگر تسلیم کرلیا جائے اور حضرت حمزہ ؓ کے لئے اس خصوصی شرف کو مخصوص کردیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ پر جو اطلاق کیا ہے، وہ اس کے اس وصف خاص کے لحاظ سے فرد اعلیٰ تھے، اور دوسرے افراد کو چونکہ زبان نبوت سے یہ لقب نہیں ملا تو اس درجہ میں نہ سہی لیکن اطلاق کے لئے کوئی مانع نہیں جب کہ حضور ﷺ کے کلام سے عموم ثابت ہے چنانچہ علامہ حفنی سید الشہداء جعفر میں بھی باوجودیکہ خود حضور نے ان کو سید الشہداء فرمایا یہ توجیہ فرماتے ہیں: **ای بعد حمزة یوجد فی المفضول** (ص: ٣٢١ ج ٢)

٢۔ حدیث **سید اشباب الخ** کو جمع الفوائد میں حضرت ابن عباس ؓ سے بحوالہ واسط نقل کیا ہے، اور بضعف لکھا ہے: لیکن جامع صغیر میں طبرانی کبیر کے حوالہ سے اور بحوالہ حاکم حضرت جابر ؓ سے نقل کیا ہے، اور شرح میں ہے، قال الشیخ حدیث صحیح۔ (شرح جامع الصغیر: ٢/٢١: ٣)

٣۔ سید اشباب اہل الجنة، ترمذی، ص: ٢١٨ ج، ٢ پر ہے ترمذی نے اس کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

٤۔ دونوں روایتوں میں چونکہ کوئی تعارض وتخالف نہیں اس لئے کسی کو راجح مرجوح کہنے کی ضرورت نہیں، ہر ایک اپنے اپنے محل پر محمول ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سعید احمد اجزاڑوی مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور: ٢٦ رجب، سنہ ١٣٥٢ھ

الجواب صحیح۔

عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

جواب دیوبند

استفتاء متعلقہ لقب سید الشہداء مع دلائل فریقین دیکھا جواب کے لئے فرصت کا انتظار تھا اسی درمیان میں جواب محررہ مظاہر العلوم سہارنپور نظر سے گذرا، بالکل صحیح اور کافی ووافی معلوم ہوا، اس لئے جداگانہ جواب کی حاجب نہ رہی، اس لئے اسی جواب کی تصدیق کرتا ہوں، اور شبہ سوم کے متعلق اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ یہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ دونوں میں بون بعید ہے اگر حب آل نبی ﷺ روافض میں پائی جائے، یا کسی درجہ میں ان کے لئے مخصوص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جائے گی کہ وہ اس کو چھوڑ دیں کلاثم کلاولنعم ما قال الشافعی۔

ان کا ن رفضا حب أل محمد ﷺ
فلیشهد الثقلان انی رافضی =

....

= سیدنا حسین ؓ بن علی ؓ کے اشعار

کلما زید صاحب المال مالا ★ زید فی همه و فی الاشتغال
قد عرفناک یا منغصه العیش ★ ویادار کل فان وبال
لیس یصفو لزاهد طلب الزهد ★ إذا کان مثقلا بالعیال

‘‘جب بھی مالدار کے مال میں اضافہ ہوگا، تو ساتھ ہی اس کے غم و مشغولیت میں بھی اضافہ ہوگا، اے زندگی کو مکدر کر دینے والی اور ہر فانی و بوسیدہ ہو جانے والی چیز کے گھر (قبر) ہم نے تجھے پہچان لیا، زاہد جب عیال سے گراں بار ہو جائے تو زہد کا طلب اس کے لئے صاف و پاکیزہ نہیں رہتا’’

جنت البقیع جاتے تو یہ اشعار پڑھتے:

نادیت سکان القبور فأسکنوا ★ واجابنی عن صمتهم قرب الحصاء
قالت أندری ما فعلت بساکنی ★ مزقت لحمهم و خرقت الکسا
و حشوت اعینهم ترابا بعدما ★ کانت تاذی بالیسیر من القذی
اما العظام فاننی مزقتها ★ حتی تبانیت الفاصل والشویٰ
قطعت ذا زاد من هذا کذا ★ فترکتها رمما یطوف بها البلی

‘‘میں نے اس خاموش نگری کے باشندوں کو آواز دیا تو وہ چپ ہی رہے کچھ نہ بولے، ان کی طرف سے ان کی خاموشی کا جواب سنگریزوں کی مٹی نے دیا، اس نے (مٹی) کہا تجھے خبر بھی ہے کہ میں نے اپنے اندر رہنے والوں سے کیا سلوک کیا ہے؟ گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے، چادر کو پھاڑ دیا، ان کی آنکھوں کو مٹی سے بھر دیا، حالانکہ اس سے پہلے وہ معمولی سے تنکے سے بھی اذیت پاتی تھیں، اور ہڈیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جوڑ بند اور ہاتھ پاؤں کے اطراف الگ الگ کر دئے، میں نے توشہ والوں کو ان کے توشے سے یوں الگ کیا کہ بوسیدہ ہڈیاں کر چھوڑے کہ بوسیدگی ان کا چکر لگا رہی ہے’’۔

أغن عن المخلوق بالخالق ★ تسد علی الکاذب و الصادق
واسترزق الرحمن من فضله ★ فلیس غیر الله من رازق
من ظن ان الناس یغنونه ★ فلیس بالرحمن بالواثق
او ظن ان المال من کسبه ★ ذلت به النعلان من حالق

‘‘خالق پر کفایت کر کے مخلوق سے بے نیاز ہو جا پھر تو ہر سچے و جھوٹے پر سرداری =

قاتلانِ حسین ؓ کا عبرتناک انجام

(چندیں اماں، نداد کہ شب را سحر کند)

جس وقت حضرت حسین ؓ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانی پینا چاہتے تھے کہ کمبخت حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا، اس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ بددعا نکلی کہ ''یا اللہ! رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے میں اس کا شکوہ آپ ہی سے کرتا ہوں، یا اللہ ان کو چن چن کر قتل کر، ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے، ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔ اول تو ایسے مظلوم کی بددعا، پھر سبط رسول اللہ ﷺ اس کی قبولیت میں شبہ کیا تھا، دعا قبول ہوئی اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بری طرح مارے گئے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتل حسین ؓ میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہ بچا، جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو، کوئی قتل کیا گیا، کسی کا چہرہ سخت

= کرے گا، رحمن سے اس کا فضل مانگ کہ اس کے سواء کوئی رزق دینے والا نہیں ہے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ لوگ اسے بے نیاز و مالدار کر دیں گے وہ خدائے رحمن پر بھروسہ کرنے والا نہیں ہے، یا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی اپنی کمائی کا نتیجہ ہے، تو اس کے جوتے اسے بلندی سے گرا دیں گے''۔

لئن كانت الدنيا تُعَدُّ نفسية ★ فدار ثواب الله اعلیٰ و انبل
وإن كانت الأبدان للموت انشئت ★ فقتل امری بالسيف فی الله افضل
وإن كانت الارزاق شياء مقدَادًا ★ فقلة سعي المرء فی الرزق اجمل
وإن كانت الاموال لترك جمعها ★ فما بال متروك بالمرء يبخل

''اگر چہ دنیا بھی نفیس و عمدہ شمار ہوتی ہے مگر اللہ کے ثواب کا گھر (جنت) اعلیٰ و شاندار ہے، جسموں کو اگر چہ موت کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے، مگر انسان کا راہ خدا میں قتل (شہید) ہونا افضل و بہتر ہے، اگر چہ رزق مقدر کی چیز ہے، مگر آدمی کے لئے اس کی طلب میں تھوڑی کوشش بہتر ہے، مال جمع کرنا اگر چہ اسے چھوڑنے ہی کے لئے ہے بھلا اس متروک (مال) کا حال کیا ہے (بری چیز ہے) انسان اسی میں بخل کرتا ہے''۔ (**البداية: ۸/ ۲۰۹**، مکتبۃ المعارف)

سیاہ ہوگیا یا مسخ ہوگیا، یا چند ہی روز میں ملک سلطنت چھن گئے، اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی اصل سزا نہیں بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں دکھایا گیا ہے۔ (۱)

---

(۱) تقوے کا لقوہ

عراقیوں میں ایک شخص (بعض روایات میں قاتلین حسین ؓ میں کا ایک شخص ہے) نے ابن عمر ؓ سے پوچھا کہ مچھر کا خون اگر کپڑوں کو لگ جائے تو پاک ہے یا ناپاک؟ ابن عمر ؓ نے فرمایا ان عراقیین کو دیکھو مچھر کے خون کی پاکی و ناپاکی سے متعلق پوچھ رہے ہیں، جبکہ نواسہ رسول کا قتل ان کے نزدیک درست تھا، (کیا تقویٰ ہے، ایک پاکیزہ ذات کو تو قتل کر دیئے اب مچھر کے خون کی فکر پڑی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عراقی نے پوچھا محرم حالت احرام میں مکھی مار سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی اس کا مکھی کو مار دینا موجب دم ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: **ماشاء اللہ**۔ مکھی کے قتل کا حکم وہ پوچھ رہے ہیں جو نواسہ رسول کو قتل کر دیئے۔ (**البدایہ: ۶۱۴**)

قاتل کیوں رو رہا ہے؟

> **”لما أتی علي بن الحسین زین العابدین بالنسوة من کربلا و کان مریضا و اذا نساء أهل الکوفه ینتدبن مشققات الجیوب و الرجال معهم یبکون، فقال زین العابدین بصوت ضئیل و قد نهکته العلة ان هولاء یبکون فمن قتلنا غیرهم“ (احتجاج طبرسی: ۲ / ۱۱۸ مطبوعه** ایران ۱۴۲۴ھ**)**
>
> ”جب حضرت زین العابدین عورتوں کے ساتھ کربلا سے چلے تو وہ بیمار تھے، دیکھا کہ اہل کوفہ کی عورتیں گریبان چاک کئے ہوئے ماتم کر رہی ہیں اور مرد بھی ان کے ساتھ رو رہے ہیں، تو زین العابدین نے بہت کمزور آواز سے جبکہ بیماری نے ان کو کمزور کر دیا تھا، فرمایا کہ یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں مگر ان کے سوا ہم کو قتل کس نے کیا؟“
>
> **”أیها الناس! ناشدتکم بالله هل تعلمون أنکم کتبتم إلی أبی و خدعتموه و اعطیتموه من أنفسکم العهد و المیثاق و البیعة قاتلتموه و خذلتموه فتبالکم ماقدمتم لأنفسکم“**
>
> ”اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ جانتے ہو کہ تم لوگوں نے میرے والد کو خط لکھا اور ان کو فریب دیا اور ان کو عہد و پیمان دیئے اور بیعت کی اور ان سے قتال کیا اور ان کا ساتھ نہ دیا، پس تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا برا سامان تم نے =

قاتل حسین ؓ اندھا ہو گیا

مسبط ابن جوزی ؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسین ؓ کے قتل میں شریک تھا، وہ دفعتاً نابینا ہو گیا، تو لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے، اور آپ کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے، اور اس پر قاتلان حسین ؓ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں، اس کے بعد آپ نے مجھے ڈانٹا اور خون حسین ؓ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی میں صبح اٹھا تو اندھا تھا۔ (۱)

منہ کالا ہو گیا

نیز ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین ؓ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کے بعد اسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تار کول

= اپنے لئے جمع کیا ہے"۔

جب یہ قافلہ دمشق کی طرف لے جایا جارہا تھا کوفہ کے جس محلہ سے گزرتا اس محلہ کے لوگ دیکھ کر رونے لگتے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سیدنا حسین ؓ کی بہن نے یہ دیکھ کر فرمایا:

> "اے اہل کوفہ! اے غدارو! تم ہم پر ماتم کرتے ہو حالانکہ تم نے خود ہم کو قتل کیا ہے، ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا، اور تمہارے ستم سے ہمارا فریاد و نالہ نہیں رکا، تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنے رشتہ یا اسی کو مضبوط بنتی ہے اور پھر کھول ڈالتی ہے، تم ہم پر ماتم کرتے ہو؛ حالانکہ خود تم نے ہی ہم کو قتل کیا ہے، سچ ہے واللہ لازم ہے کہ تم ہمیشہ ماتم ہی کرتے رہو، اور کبھی خوش نہ رہو۔ تم نے عار ابدی کو خود ہی خرید لیا، اور اس عار کا دھبہ کسی پانی سے تمہارے لباس سے زائل نہ ہوگا، جگر گوشہ رسول و خاتم پیغمبراں و سید جوانان بہشت کے قتل کرنے کا کس چیز سے تدارک کر سکتے ہو؟ اے کوفیو! تم پر افسوس ہے تم نے کن جگر گوشہ ہائے رسول کو قتل کیا، اور کن باپردہ اہل بیت رسول کو بے پردہ کیا، کس قدر فرزندان رسول کی تم نے خون ریزی کی، اس کی حرمت کو ضائع کیا، تم نے ایسے کام کئے جن کی تاریکیوں سے زمین و آسمان گر گیا" **(جلاء العیون: ۵۰۳)**

(۱) اسعاف

ہو گیا، لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے، تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جب سے ذرا سوتا ہوں تو دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی آگ میں ڈال دیتے ہیں جو مجھے جھلس دیتی ہے۔ (١)

آگ میں جل گیا

نیز ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی، مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسین ؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی، اس شخص نے کہا بالکل غلط ہے (٢) میں خود ان کے قتل میں شریک تھا، میرا کچھ بھی نہیں بگڑا، یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا، جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہ اس میں جل بھن کر رہ گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسین ؓ کو تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی، پانی کتنا ہی پی جائے پیاس سے تڑپتا ہی رہتا تھا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکت یزید

شہادت حسین ؓ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا، تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں، اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں ہے تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی، دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ (٣)

---

(١) طبری (٢) طبری

(٣) **عمر بن سعد کا انجام**

"حدثنا موسیٰ حدثنا سلیمان بن سلم ابو المعلی العجلی قال سمعت =

کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی عبرتناک ہلاکت

قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی آفات ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی واقعہ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص

= **ابی ان الحسین لما نزل کربلا فاول من طعن، فی مراء به عمر بن سعد فرأیت عمر بن سعد وابنیه قد ضربت اعناقهم وعلقوا علی الخشب ثم الهبت فیهم النار"**

"ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سلیمان بن سلم ابو العلی عجلی سنئے بتایا کہ میں اپنے والد سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا میں فروکش ہوئے تو سب سے پہلے جس شخص نے ان کے سر پر نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا پھر میں نے کچھ عرصہ بعد یہ منظر دیکھا کہ عمر بن سعد اور اس کے دونوں بیٹوں کی گردنیں ماری گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹا کر نذرِ آتش کر دیا گیا (یہ ۶۲ھ کا واقعہ ہے)" (یزید کی شخصیت ۴۴۶، بحوالہ تاریخ صغیر للبخاری: ۷۵)

ابن زیاد کا حشر

۶۷ھ میں بروز عاشوراء یہی ابن زیاد بدنہاد بھی ابراہیم بن الاشتر مارا گیا اور اسی قصر میں جہاں ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کا سر نامبارک بھی رکھا گیا، پھر اس کے سر پر جو بیتی وہ سننے کے لائق ہے، امام ترمذیؒ اپنی جامع میں فرماتے ہیں:

"عن عماره بن عمیر قال: لما جیء برأس عبید الله بن زیاد وأصحابه تُصّدت فی الرحبة فانتهبت إلیهم وهم یقولون قد جائت قد جائت فإذا حیة قد جائت تخلل الرؤس حتی دخلت فی منخر عبید الله بن زیاد، فمکث هنیئة ثم خرجت وذهبت حتی تغیب، ثم قالو: قد جائت قد جائت فجعلت مرتین او ثلاثا" هذا حدیث حسن صحیح "(ترمذی: باب مناقب الحسن والحسین، حدیث: ۳۷۸۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے)

"عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر چوک کی مسجد میں بالترتیب رکھے گئے تو میں بھی وہاں پہنچا اس وقت لوگوں کی زبان پر تھا وہ آیا وہ آیا، دیکھا تو ایک سانپ سروں کے بیچ سے گذرتا ہوا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا پھر ذرا او پر رہ کر باہر غائب ہو گیا اب پھر لوگوں نے کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا، غرض اس سانپ نے دو تین بار ایسا ہی کیا"۔

لینے کا ارادہ ظاہر کیا، تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا اس نے اعلان عام کر دیا کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے، اور قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت خرچ کی، اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا، صرف ایک دن میں دو سو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے کہ وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھے، اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہوئی، عمر بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کر دیا گیا۔

شمر ذی الجوشن جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسد جہنی، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کر لیا گیا، انہوں نے رحم کی درخواست کی، مختار نے کہا ظالمو! تم نے سبط رسول ﷺ پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے؛ چنانچہ سب کو قتل کیا گیا۔ اور مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اٹھائی تھی، اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا گیا وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیل کے قتل میں اعانت کی تھی اس کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمرو بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر لشکر کی کمان کرتا رہا تھا، اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا، اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا، جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا تو جانتا ہے یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اور اس کے بعد مجھے اپنی زندگی پسند نہیں، اس کو بھی قتل کر دیا گیا اور مختار نے کہا عمرو بن سعد کا قتل تو حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی، اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

حکم بن طفیل جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تھا اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا گیا، اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رماد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ کو تیر مارا، انہوں نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپایا تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ گیا، اس (زید بن رماد) کو گرفتار کر کے اول اس پر تیر اور پتھر برسائے گئے پھر زندہ جلا دیا گیا۔ سنان بن انس جس نے سر مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا تو اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کا یہ عبرتناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۱)

’’عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے، کاش وہ سمجھ لیتے‘‘

مرقع عبرت

عبدالملک بن عمر لیثی کا بیان ہے کہ میں کوفہ کے قصر امارت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا، پھر اسی قصر میں عبیداللہ بن زیاد کا سر کٹا ہوا مختار کے سامنے دیکھا، پھر اسی قصر میں مختار کا سر کٹا ہوا مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا، پھر اسی جگہ مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک کے سامنے دیکھا، میں نے یہ واقعہ عبدالملک سے ذکر کیا تو اس قصر کو منحوس سمجھ کر یہاں سے منتقل ہو گیا (تاریخ الخلفاء) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو شاید اس فتنہ کا علم ہو گیا تھا، وہ آخر عمر میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں، ساٹھویں سال سے اور نوعمروں کی امارت سے ہجرت کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (۲)

---

(۱) **القلم:** ۳۳

(۲) کربلا کے دن بنی امیہ نے اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا، یزید کی ولی عہدی کی ابتداء =

نتائج وعبر

واقعہ شہادت کی تفصیل آپ نے پڑھی، اس میں ظلم و جور کے طوفان دیکھے، ظالموں اور ناخداترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار نظر آیا، دیکھنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ظلم وجور اور فسق وفجور ہی کامیاب ہے مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ سب طلسم تھا جو آنکھ جھپکتے ہی ختم ہوگیا اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ظلم و جور کو فلاح نہیں، ظالم مظلوم سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پنداشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد بر گردن وے بماند و بر ما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے، گھر گھر میں ان کا ذکر خیر ہے، اور صدیاں گزر گئیں کروڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں، اور ان کے نقش قدم کی پیروی کو پیغام حیات سمجھتے ہیں، آیت **ان العاقبة للمتقين** (۱)، ایک محسوس حقیقت ہوکر سامنے آگئی کہ حق و باطل کے معرکہ میں آخری فتح اور کامیابی حق کی ہوا کرتی ہے، اس میں عام لوگوں کے لئے اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو حکومت واقتدار کے نشہ میں مست ہوکر ظلم وعدل سے قطع نظر کرلیں بڑی نشانیاں ہیں۔

فاعتبروا ياأولي الأبصار

معرکۂ حق و باطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے اہل حق شکست کھاجائیں تو یہ بات نہ حق کے حق ہونے کے خلاف ہے نہ باطل کے باطل ہونے کے منفی، دیکھنا انجام کار کیا ہے، آخر میں حق پھر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

= حضرت صدیق اکبر ﵁ کی اہانت سے ہوئی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسہ عبداللہ بن زبیر پر حرم الٰہی میں فوج کشی سے ہوتی اور اسی طرح اختتام بھی واقعہ حرّہ سے ہوتی اور محرم ۶۱ھ کے یوم عاشوراء میں اہل بیت رسالت پر یزیدی لشکر کے ہاتھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا سچ کہا ہے: **ضحى بنو أميه يوم كربلا بالدين**

’’کربلا کے دن بنوامیہ نے اپنے دین کو ذبح کرکے رکھ دیا‘‘ (تاریخ الخلفاء از امام سیوطی ترجمہ یزید بن عبدالملک بن مروان: ۲۱۷/۱۴، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

(۱) ہود: ۴۹

اسوہ حسینی رضی اللہ عنہ

آخر میں پھر اس کلام کا اعادہ کرتا ہوں جو اس کتاب کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حب اہل بیت اطہار جزو ایمان ہے ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور درد انگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج وغم اور درد پیدا نہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں لیکن ان کی سچی اور حقیقی محبت و عظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر یہ نہیں کہ سارے سال خوش وخرم پھریں کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور صرف عشرہ محرم میں واقعہ شہادت سن کر رو لیں یا ماتم برپا کرلیں یا تعزیہ داری کا کھیل تماشہ بنائیں، سارے سال گرمی کی شدت کے زمانے میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے اور محرم کی پہلی تاریخ کو اگرچہ سردی پڑ رہی ہو کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ ہو شہدائے کربلا کے نام کی سبیل کا ڈھونگ بنایا جائے، بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصد عظیم کے لئے انہوں نے یہ قربانی دی، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی اپنی ہمت کے مطابق ایثار وقربانی پیش کریں، ان کے اخلاق واعمال کی پیروی کو سعادت دنیا و آخرت سمجھیں، وہ مقصد اگر آپ نے اس رسالہ کو اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور خطبات کو بغور پڑھا ہے تو اس کے متعین کرنے میں آپ کو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ملے گی، میں یاددہانی کے لئے پھر کچھ کلمات کا اعادہ کرتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی

اس رسالہ کے صفحہ ۴۲ پر آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھا جو اہل بصرہ کے نام لکھا تھا جس کے چند جملے یہ ہیں:

آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مٹ رہی ہے اور بدعات پھیلائی جارہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حفاظت کرو، اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے کوشش کرو۔ (۱)

فرزدق شاعر کے جواب میں جو کلمات کوفہ کے راستے میں آپ نے ارشاد فرمائے

---

(۱) کامل ابن اثیر: ۴/۹

اس کے چند جملے رسالہ ہذا کے یہ ہیں۔

اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے، اور ہم شکر ادا کرنے میں بھی اسی کی اعانت طلب کرتے ہیں کہ ادائے شکر کی توفیق دی اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد میں حائل ہوگئی تو اس شخص کا کچھ قصور نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔

صفحہ ۷۲ میں میدان جنگ کے خطبہ کے یہ الفاظ غور سے پڑھئے جس میں ظلم وجور کے مقابلہ کے لئے محض اللہ کے لئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے، صفحہ ۷۳ پر میدان جنگ کا تیسرا خطبہ اور اس کے بعد حر بن یزید کے جواب میں ایک صحابی کے اشعار مکرر غور سے پڑھئے جس کے چند جملے یہ ہیں:

> ''موت میں کسی جوان کے لئے عار نہیں جبکہ اس کی نیت خیر اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو''

صفحہ ۷۷ پر عین میدان کارزار میں صاحبزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خواب سن کر یہ کہنا کہ ''ابا جان کیا ہم حق پر نہیں، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کی طرف سب بندگان خدا کا رجوع کرتے ہیں، بلاشبہ ہم حق پر ہیں'' اس کو مکرر پڑھئے۔

صفحہ ۸۲ پر اہل بیت کے سامنے آپ کے آخری ارشاد کے یہ جملے پھر پڑھئے:

> ''میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی، یا اللہ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا اور ہمیں کان آنکھ اور دل دیئے جس سے ہم آپ کی آیات سمجھیں اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرما لیجئے''

ان خطبات اور کلمات کو سننے پڑھنے کے بعد بھی کیا کسی مسلمان کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جہاد اور حیرت انگیز قربانی اپنی حکومت واقتدار کے لئے تھے، برے ظالم ہے ہو لوگ جو اس مقدس ہستی کی عظیم الشان قربانی کو ان کی تصریحات کے

خلاف بعض دنیوی عزت واقتدار کی خاطر قرار دیتے ہیں، حقیقت وہی ہے جو شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سارا جہاد صرف اس لئے تھا کہ

کتاب وسنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دیں، اسلام کے نظام عدل کو از سر نو قائم کریں۔ اسلام میں خلافت نبوت کے بجائے ملوکیت وآمریت کی بدعت کا مقابلہ کریں۔ حق کے مقابلہ میں نہ زور وزر کی نمائش سے مرعوب ہوں اور نہ جان و مال اور اولاد کا خوف اس راستہ میں حائل ہو۔

خوف وہراس اور مصیبت ومشقت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں۔ اور اسی پر ہر حال میں توکل واعتماد ہو اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اس کے شکر گزار بندے ثابت ہوں، کوئی ہے جو جگر گوشہ رسول اللہ علیہ السلام شہید کربلا جور وجفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقش قدم پر انجام دینے کے لئے تیار ہو، ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے۔

یا اللہ ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی معیت کاملہ اور اتباع کامل نصیب فرمائے۔

اللھم ربنا ارزقنا من حبک وحب رسولک وحب اھل بیته الاطھار واصحابه الابرار مامتحول به بیننا وبین معاصیک وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه وصفوة رسوله محمد وعلی صحبه واھل بیته ولا سیما سید الشباب اھل جنة الحسن والحسین رضی اللہ عنھما وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔ العبد الضعیف

مفتی محمد شفیع کان اللہ لہ
صدر مجلس منتظمہ کراچی

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا رسالہ ختم ہوا

ماہِ محرم کی فضلیت

اور اس کی وجوہات

شریعتِ مطہرہ میں محرم کے پورے ہی مہینے کو خصوصی عظمت حاصل ہے، چنانچہ چار وجوہ کی وجہ سے اس ماہ کو تقدس حاصل ہے:

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ احادیثِ شریفہ میں اس ماہ کی فضلیت وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ ماہ رمضان المبارک کے بعد کون سے مہینہ میں روزہ رکھوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی سوال ایک مرتبہ قبلۂ ''باہلہ'' کے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیا تھا، اور میں بھی آپ کے پاس بیٹھا تھا تو آپ نے جواب دیا:

ان کنت صائماً بعد شهر رمضان فصم المحرم فانه شهر الله فيه يوم تاب الله فيه على قوم ويتوب فيه على قوم آخرين (۱)

''ماہ رمضان کے بعد اگر تم کو روزہ رکھنا ہے تو ماہِ محرم میں رکھو کیونکہ وہ اللہ کی خاص رحمت کا مہینہ ہے اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور آئندہ بھی ایک قوم کی توبہ قبول فرمائے گا''

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

افضل الصيام بعد صيام شهر رمضان شهر الله المحرم (۲)

''رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ ماہِ محرم الحرام کا ہے''

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صام يوما من المحرم فله بكل يوم ثلثون يوماً (۳)

---

(۱) ترمذی: ۱/۱۵۷، فقہ السنۃ، ص: ۳۷۳

(۲) ترمذی: ۱/۱۵۷، مسلم: ۱۱۶۳، ابوداؤد: ۲۴۲۹ (۳) الترغیب والرہیب

جو شخص محرم کے ایک دن کا روزہ رکھے تو اس کو ہر دن کے روزے کے بدلہ تیس دن روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔

(۲) مندرجہ بالا احادیث شریفہ سے دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ (شہر اللہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کا مہینہ ہے تو اس ماہ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے اس کی خصوصی عظمت وفضلیت ثابت ہوتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ ''اشہر حرم'' یعنی ان چار مہینوں میں سے ہے کہ جن کو دوسرے مہینوں پر ایک خاص مقام حاصل ہے وہ چار مہینہ یہ ہے۔

(۱) ذی قعدہ، (۲) ذی الحجہ (۳) محرم الحرام (۴) رجب۔(۱)

حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں فرمایا:

''زمانہ گھوم کر پھر اسی حالت پر آلیا ہے، جس حالت پر اس وقت تھا، جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی، سال بارہ مہینوں کی ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام اور چوتھا رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے'' (۲)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: ''ان مہینوں کی حرمت اب بھی باقی ہے اور آخرت تک باقی رہے گی، اسلاف کا یہی مذہب ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی عظمت کو دل سے تسلیم کیا جائے۔(۳)

اشہر حرم کی حرمت زمانۂ جاہلیت سے ہے

ان مہینوں میں ہر قسم کی برائی فتنہ وفساد اور جنگ وجدل ممنوع ہیں، حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چاروں مہینوں کا مکمل احترام ہوتا تھا، لڑائی وجھگڑا، ظلم وستم، قتل وغارت گری، بدامنی وبے سکونی، انتشار وانارکی وغیرہ ساری ناپسندیدہ حرکات موقوف

---

(۱) **صحیح البخاری**: ۱/ ۴۳۴، **صحیح مسلم**: ۴/ ۶۰

(۲) **صحیح البخاری**، حدیث نمبر: ۴۶۶۲، **صحیح مسلم**، حدیث نمبر: ۱۶۷۹

(۳) **تفسیر ابن کثیر**: ۲/ ۴

ہو جاتی تھیں، اور ہر طرف امن و امان، چین و سکون، خیر و برکت اور خوشی و مسرت کے خوشکن نظارے نظر آتے تھے، عرب کے سنگدل بھی رقیق القلب نظر آتے تھے؛ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے: ”عرب دور جاہلیت میں ان اشہر حرم کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور ان میں لڑائی کو حرام سمجھتے تھے۔ (۱)

ایک نکتہ: رب کائنات نے حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمانے کے بعد ایک عجیب جملہ فرمایا: **فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ**، ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو یعنی گناہ، منکرات، بدعات، خود ساختہ غیر شرعی عبادت کو رواج دیکر اپنے پر ظلم نہ کرو علم خداوندی نے چودہ سو سال قبل ہی ان برائی سے بچنے کی تاکید فرما دی جو چودہ سو سال جنم لیتے ہیں۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اسلامی سال کی ابتداء اسی مہینہ سے ہے چنانچہ امام غزالی ؒ لکھتے ہیں کہ ماہِ محرم میں روزوں کی فضلیت کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینہ سے سال کا آغاز ہوتا ہے، اس لئے اسے نیکیوں سے معمور کرنا چاہئے کہ وہ ان روزوں کی برکت پورے سال باقی رکھے گا۔ (۲)

یومِ عاشورہ:

یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بڑا محترم دن تھا، اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا، اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے، قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کی کچھ روایات اس کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے، ان کاموں میں آپ ان سے اتفاق و اشتراک فرماتے تھے، اسی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے، بس اپنے اس اصول کے بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے؛ لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے۔

پھر جب آپ مدینہ طیبہ میں آکر دیکھا کہ یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ ؑ

---

(۱) تفسیر خازن: ۳/۳۷

(۲) احیاء العلوم اردو: ۱/۶۰۱

اور ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی تھی، اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا، تو آپ ﷺ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو بھی عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن کا روزہ رکھا کریں (۱) بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے، چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت سلمۃ بن الاکواع ؓ اور حضرت ربیع بنت معوذ عفراء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشوہ کی صبح مدینہ منورہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے، یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں اور جو لوگوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں؛ بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفل روزہ کی رہ گئی (۲)؛ لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں سب سے زیادہ اہتمام اس روزہ کا فرماتے تھے۔ (۳)

جیسا کہ حدیث آگے آرہی ہے حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ

”ما رأیت النبی یتحری صیام یوم فضله علی فتره، الا هذا الیوم یوم عاشوراء وهذا الشهر یعنی شهر رمضان“ (۴)

”میں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضلیت والے دن کے روزہ کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ یعنی ماہ رمضان کے“

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ آپ کے طرز عمل سے یہی سمجھا کہ نفل روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزہ کا کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے نفلی

---

(۱) بخاری شریف: ۱/ ۴۸۱ (۲) بخاری: ۱/ ۲۶۸، مسلم: ۱/ ۳۱۰

(۳) معارف الحدیث: ۴/ ۱۹۸، بخاری: ۷/ ۲۰۰، مسلم: ۵/ ۱۱۳

(۴) بخاری شریف: ۱/ ۲۶۸، مسلم: ۱/ ۳۶۰

روزہ کا نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس لیوم فضل علی یوم فی الصیام الا شھر رمضان ویوم عاشوراء(۱)

''روزہ کے سلسلہ میں کسی بھی دن کو کسی دن پر فضیلت حاصل نہیں ہاں مگر ماہِ رمضان کو اور یوم عاشورہ کو کہ ان کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے''

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **انی احتسب علی اللہ ان یکفر السنة التي قبله** (۲) ''مجھے امید ہے کہ عاشورہ کے دن کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا'' ابن ماجہ کی ایک حدیث میں **''السنة التی بعدھا''** کے الفاظ ہیں۔ (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان المبارک کے بعد محرم الحرام کے روزے سب سے افضل ہیں اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔ (۴)

حضرت عبد الرحمن بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''قبیلہ اسلم'' کے کچھ لوگ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا آج تم لوگوں نے روزہ رکھا ہے؟ تو ان سبھوں نے جواب دیا: نہیں، یارسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم سب بقیہ دن کو بغیر کھائے پیئے گذارو اور اس دن کے روزہ کی قضا کرو''۔ (۵)

متعدد احادیث میں ہے کہ صوم رمضان سے قبل صوم عاشورہ فرض تھا، صوم رمضان

---

(۱) **رواہ الطبرانی، والبیھقی، الترغیب والترھیب:** ۱۱۵/۲

(۲) **مسلم شریف:** ۳۲۷/۱، **ابن ماجه:** ۱۲۵ (۳) **کذافی الترغیب:** ۱۴۵/۴

(۴) **صحیح مسلم،** حدیث نمبر: ۱۱۶۳ (۵) **سنن أبي داؤد**، حدیث نمبر: ۲۴۴۷

کے بعد صوم عاشورہ کی حیثیت اختیاری روزہ کی ہوگئی؛ چنانچہ ترمذی حدیث نمبر: ۷۵۳ پر امام ترمذی نے اس دن کے روزہ کے واجب نہ ہونے پر اہل علم کا قول نقل کیا ہے اور درس ترمذی میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ ''صحیح یہ ہے کہ صوم رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء وغیرہ کی عدم فرضیت پر اجماع ہے''(۱) اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ''صوم عاشورہ مستحب ہے''۔(۲)

تین عشروں کی عظمت متوارث ہے

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ابوعثمان النہدی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ

> ''ہمارے اسلاف تین عشروں کی بڑی عظمت اور اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے: ایک رمضان شریف کا آخری عشرہ، دوسرے ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور تیسرے محرم الحرام کا پہلا عشرہ''(۳)

یوم عاشورہ کے اعمالِ خیر

حرمت والے چار مہینوں میں سے محرم الحرام نہایت ہی محترم، مقدس اور معظم مہینہ ہے اور اس کی دسویں تاریخ (یوم عاشورہ) کی فضیلت وعظمت، ادب وحرمت اور خیر وبرکت کے تذکرے احادیث وآثار میں بہت زیادہ بیان ہوئے ہیں، نیز شریعت حقہ کی طرف سے اس دن میں اعمالِ خیر (روزہ، توبہ واستغفار اور توسیع نفقہ) کی بڑی ترغیب اور تاکید کی گئی ہے اور اعمالِ خیر کا اجر وثواب بھی بہت بڑھ جاتا ہے؛ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ نے ''تفسیر کبیر'' میں سورہ توبہ آیت ۳۶ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان مہینوں کی حرمت کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں طاعت کا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں پر عذاب اور وبال بھی سخت ترین ہوگا؛ لہٰذا خاص طور پر ان مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنے اور ظلم مت کرو؛ کیوں کہ ان مہینوں میں ثواب وعقاب دونوں کی زیادتی ہوتی ہے، (۴) اسی طرح سے برصغیر ہندو پاک کے مفسر

---

(۱) درس ترمذی: ۲/۵۱۳

(۲) حوالہ سابق: ۲/۵۹۱

(۳) لطائف المعارف، ص: ۳۱

(۴) تفسیر کبیر: ۶/۵۴

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے تفسیر ''معارف القرآن'' میں یوں فرمایا ہے کہ ''تمام انبیاء کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال بھی زیادہ ہے۔ (۱)

نیز ان چار مہینوں میں اعمالِ خیر بجالانے سے سال کے بقیہ مہینوں میں بڑی مدد ونصرت حاصل ہوتی ہے؛ چنانچہ امام جصاص رحمہ اللہ نے ''احکام القرآن'' میں کیا خوب فرمایا ہے کہ ''اس (آیت) میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاص یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے، اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں ان کو برائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے؛ اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔ (۲)

اسی طرح توبہ واستغفار ہر وقت اور ہر جگہ مطلوب ومحمود اور قابل قبول ہے؛ لیکن بعض خاص مقامات، مخصوص ایام اور متعین اوقات میں اس کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے، ان ہی میں عاشورہ کا دن بھی ہے؛ بلکہ عاشورہ کے دن تو اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک دن اپنے محبوب ترین انبیاء علیہم السلام کے رجوع وانابت کو، الحاح وزاری کو اور دعاء ومناجات کو ان کے مقام ومرتبہ کو بڑھانے کے لئے خوب خوب قبول فرمایا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ، حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ کو قبولیت بخشی ہے، نیز محرم الحرام کی تین تاریخ کو حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک (صالح) لڑکا عنایت فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ (۳)

نیز دیگر بہت سے لوگوں اور قوموں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے؛ چنانچہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

---

(۱) معارف القرآن: ۴/ ۳۷۰ (۲) معارف القرآن: ۴/ ۳۷۳

(۳) کتاب الایضاح: ۲/ ۳۱۵، بحوالہ دارقطنی

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی قوم سے کہئے کہ محرم کے پہلے عشرہ میں توبہ کریں، اور جب عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ ہو تو میری طرف آئیں، میں ان کو معاف کروں گا''۔ (۱)

اسی طرح ترمذی شریف کی ایک لمبی روایت (رقم: ۷۴۱) میں ہے کہ ''اس ماہ (محرم الحرام) میں ایک ایسا دن (عاشورہ) ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی'' (۲)

علامہ عامر بن علی الشماخی نے اپنی کتاب ''الایضاح'' میں دارقطنی کے حوالہ سے ایک لمبی اثر نقل کی ہے، اس میں ہے کہ ''اور اسی دن (یوم عاشورہ) کو اللہ تعالیٰ نے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور اسی دن برادران یوسف علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ (۳)

یوم عاشورہ کی فضلیت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عاشورہ کے دن روزہ رکھنے اور رات بھر جاگنے والے کو ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور اگر کوئی اس دن صرف روزہ رکھے تو سات آسمانوں کے آدمیوں کے برابر سے ثواب ملتا ہے، عاشورہ کے دن کسی مسلمان کو کھانا کھلانے والا گویا آپ ﷺ کی تمام امت کو کھانا کھلایا، اشہر حرم کا ایک روزہ رمضان کے علاوہ غیر اشہر حرم کے تیس روزوں کے برابر ہے، (۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جو محرم الحرام کے مہینہ میں کسی ایک دن کا بھی روزہ رکھے گا تو اس کو اس ایک دن کے روزہ کے بدلے میں تیس دن کے روزوں کا ثواب ملے گا'' (۵) میمون بن مہران نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص محرم میں عاشورہ کے دن روزہ رکھے اسے دس ہزار شہیدوں اور دس ہزار حاجیوں کا ثواب ملتا ہے۔
علامہ ابن نعیم نے خادم رسول ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ یے کہ آپ ﷺ

---

(۱) لطائف المعارف، ص: ۳۱

(۲) ترمذی/۴۷۱

(۳) الایضاح: ۲/۲۱۵

(۴) تفسیر کبیر: ۱۶/۵۲

(۵) اتحاف السادہ: ۴/۴۲۷

نے فرمایا: ”جو ایک محرم سے نو محرم تک روزہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس بندہ کے لئے ہوا میں ایک میل تک ایک قبہ بنائیں گے اور اس کے چار دروازے ہوں گے“۔ (۱)

یوم عاشورہ میں گھر والوں پر وسعت کرنا:

اور جو اس دن صدقہ کرے اسے سال بھر کے صدقہ کا کفارہ مل جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل پر سارے سال میں صرف ایک روزہ فرض کیا گیا تھا، وہ عاشوروں کا روزہ تھا جو محرم کی دس تاریخ ہے اسی لئے یہ نہایت اہم دن ہے سب مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں کھانے پینے کی چیزوں میں فراخی سے کام لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن کی برکت سے سال بھر رزق میں فراخی فرماتا ہے، اس دن کا روزہ رکھنے والے کو چالیس سال کا کفارہ دیا جاتا ہے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پچاس سال تک اس کا تجربہ کیا ہے اور میں نے دیکھا کہ جو شخص اس روز اپنے اہل وعیال کے ساتھ فراخی کا سلوک کرتا ہے خدائے تعالیٰ سارے سال کے لئے اس کے روزی اس فراخی کر دیتا ہے، یہ روایت گو کہ مضبوط نہیں ہے؛ لیکن عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضلیت بیان ہوئی ہے، ان شاء اللہ حاصل ہوگی۔ (۲)

یوم عاشورہ کی تاریخی اہمیت:

یوم عاشورہ بڑا ہی مہتم بالشان اور عظمت کا حامل ہے، تاریخ کے عظیم واقعات اس سے جڑے ہوئے ہیں، چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے:

(۱) یوم عاشورہ میں ہی آسمان وزمین قلم اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(۲) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی گئی۔ (۳)

---

(۱) ماثبت بالسنہ، ص: ۱۰

(۲) ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن جوزی کے علاوہ اکثر محدثین اس حدیث کو ”حسن لغیرہ“ شمار کیا۔ **(ماثبت بالسنہ**، ص: ۹)

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۲۲، عمدۃ القاری: ۱۱/ ۱۱۸، لطائف المعارف، ص: ۳۵

(٣) اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

(٤) اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہولناک سیلاب سے محفوظ ہوکر کوہِ جودی پر اتری، آپ نے بطور شکریہ عاشورہ کا روزہ رکھا۔ (١)

(٥) اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا گیا اور ان پر آگ گل گلزار ہوئی۔ (٢)

(٦) اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

(٧) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور مصر کی حکومت ملی۔

(٨) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہوئی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بنائی لوٹائی گئی۔ (٣)

(٩) اسی دن موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات حاصل ہوئی اور دریائے نیل عبور کرنے کے شکریہ میں حضرت موسی علیہ السلام نے عاشورہ کا روزہ رکھا۔ (٤)

(١٠) اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور آپ کو رب سے ہمکلامی نصیب ہوئی۔ (٥)

(١١) اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت ورسالت نصیب ہوئی۔ (٦)

(١٢) اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کی سخت بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔ (٧)

(١٣) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد نکالے گئے۔

(١٤) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے اوپر سے عذاب ٹلا۔ (٨)

---

(١) **فتح الباری: ٣١٠/٤** (٢) **عمدۃ القاری، ماثبت بالسنہ**

(٣) عمدۃ القاری، ماثبت بالسنہ، ص: ٦

(٤) بخاری، حدیث نمبر: ٢٠٠٤، فتح الباری: ٣١٠/٤

(٥) لطائف المعارف، ص: ٣١ (٦) عمدۃ القاری: ١١٨/١١

(٧) عمدۃ القاری: ١١٨/١١ (٨) لطائف المعارف، ص: ٥٣

(۱۵) اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔(۱)

(۱٦) اور اسی دن آپ ﷺ کو یہودیوں کے شر سے نجات دلا کر آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۱۷) اسی دن دنیا میں پہلی باران رحمت نازل ہوئی۔

(۱۸) اسی دن عریش خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے۔(۲)

(۱۹) اسی دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح فرمایا۔

(۲۰) اسی دن آنحضرت ﷺ کو "**غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ**" کا پروانہ عطا کیا گیا۔(۳)

(۲۱) اسی دن کوفی فریب کاروں نے نواسہ رسول ﷺ اور جگر گوشہ فاطمہ کو میدان کربلا میں شہید کیا۔

(۲۲) اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔(۴)

(۲۳) اسی دن ابولولو مجوسی کے ہاتھوں مصلیٰ رسول پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زخمی ہوکر جام شہادت نوش فرمایا۔(۵)

عاشورہ کے نام کی وجہ:

''عاشورہ'' نام کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عاشورہ اس لئے پڑا کہ یہ محرم کا دسواں دن ہے، کہا جاتا ہے کہ یوم عاشورہ دس کرامتوں میں سے ایک کرامت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی امت کو علم بخشا اس لئے اس دن کا نام عاشورہ پڑا، دس کرامتیں یہ ہیں:

پہلی کرامت یہ ہے کہ رجب اللہ تعالیٰ کا خاص مہینہ ہے جو دوسرے مہینوں سے اہم اور افضل ہے۔ اسی طرح جس طرح دوسری امتوں پر آپ ﷺ کی امت اور جس طرح انبیاء علیہم السلام دیگر پر آپ ﷺ کو فضلیت حاصل ہے۔ ایک کرامت ماہِ رمضان

---

(۱) **عمدۃ القاری** ۱۱/ ۱۱۸، **ماثب بالسنہ**، ص:٦

(۲) نسائی (۳) **عمدۃ القاری**: ۱۱/ ۱۱۸

(۴) نزہۃ المجالس: ۱/ ۳۴۷۔ ۳۴۸، معارف القرآن، آیت: ۹۸ معارف الحدیث: ۴/ ۱۹۸

(۵) **اسماء الرجال مشکوٰۃ**

کی ہے جیسے دوسرے مہینوں پر اس طرح برتری حاصل ہے۔ جس طرح ساری مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کو۔ چوتھی کرامت شب قدر ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ پانچویں کرامت یوم فطر ہے، یعنی جزا ملنے کا دن۔ چھٹی کرامت عمرہ ذی الحجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد کا خاص دن ہے۔ ساتویں کرامت یوم عرفہ ہے اس دن روزہ رکھنے والے کو دو سال کے روزوں کا کفارہ مل جاتا ہے۔ آٹھویں کرامت یوم نحر ہے، (قربانی کا دن)۔ نویں کرامت جمعہ ہے جو سب دنوں کا سردار ہے۔ دسویں کرامت یوم عاشورہ ہے۔

اس دن روزہ رکھنے والے کو سال بھر کے چھوٹے ہوئے روزوں کا کفارہ مل جاتا ہے، جو دن اوپر بیان ہوئے ان سب کی ہر ساعت فضیلت کی حامل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دس دن امت محمدیہ ﷺ کو انعام کے طور پر دیئے ہیں، جن میں روزہ کا کفارہ بھی ہو جاتا ہے، اور گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔ (۱)

بزرگوں کا قول ہے کہ اس دن کا نام عاشورہ اس لئے پڑا کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے دس نبیوں کو بیس کرامتیں بخشیں اور انہیں انعام سے نوازا اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند درجے تک پہنچایا اس دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دن پیدا ہوئے اسی دن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا دوست بنایا، اسی دن انہیں نمرود کی آگ سے نجات دی، حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے نکلا ہوا ملک اسی دن انہیں دوبارہ ملا، اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری سے شفا پائی، اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل سے پار اترے، اور فرعون اپنی قوم سمیت غرق ہوا، اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے آسمان تک لے جایا گیا، اسی دن مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ سے باہر نکالا، آپ ﷺ بھی اسی دن دنیا میں تشریف لائے۔ (۲)

عاشورہ کے روزے کا طریقہ:

حضور اقدس ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھنے کا طریقہ بتایا، اور یہود کی مخالفت کا

---

(۱) **غنیۃ الطالبین:** ۴۵۴

(۲) **غنیۃ الطالبین:** ۴۵۴

حکم فرمایا حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور لوگوں کو اس کا حکم دیا، لوگوں نے بتایا کہ یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آئندہ رہا تو انشاء اللہ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا؛ لیکن آئندہ سال آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (۱)

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے دسویں تاریخ کو عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور ایک روایت میں ابن عباس ؓ کا ارشاد ہے کہ نویں اور دسویں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ (۲)

ایک اہم سبق:

آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے ایک اہم سب یہ ملا کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس ﷺ نے پسند نہیں فرمائی۔

عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں بھی ایک اور سبق ملتا ہے وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنی مشابہت بھی حضور ﷺ نے پسند نہیں فرمائی؛ حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی؛ بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں؛ لیکن آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز کا وجود اس کی امتیازی خصوصیات اور جداگانہ اوصاف کی وجہ سے ہوتا ہے، جو خصوصیات اور اوصاف کسی دوسرے میں نہ پائی جاتی ہوں مثلاً:

(الف) زید عمر سے ایک مکان دوسرے مکان سے ایک کپڑا دوسرے کپڑے سے ایک سبزی دوسبزی سے ایک پھل و پھول دوسرے پھل و پھول سے ممتاز اور جدا ہیں ان کے اپنے خصوصیات و اوصاف کی وجہ سے کیونکہ زید کی قدو قامت رنگ و شکل عمر سے جدا ہے، ایک کپڑا ہوتا ہے دوسرا نرم ہے یا ایک سفید ہے دوسرا سیاہ ہے

---

(۱) مسلم: ۱/۳۵۹ (۲) ترمذی: ۱۵۷

ایک سبزی تیز ہے دوسری سخت کھٹی ہے ایک پھل رنگ و بو میں دوسرے سے الگ ہے گلاب الگ پھول ہے چمبیلی کے پھول سے۔

(ب) جمادات میں پتھر اینٹ سے جدا ہے اینٹ ریت سے الگ ہے، ایک لکڑی دوسری لکڑی سے ممتاز ہے، ان کی اپنی خصوصیات و اوصاف کی وجہ سے کوئی عقلمند بحالت صحت عقل یہ نہیں کہتا کہ پتھر اینٹ لکڑی سب ایک ہی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(ج) حیوانات میں انسان، گدھا، گھوڑا، ہاتھی، شیر وغیرہ اپنی اپنی شکلوں، اوصاف وخصوصیات کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز وجدا ہیں، کوئی گدھے کو دیکھ کر گھوڑا نہیں کہتا اور نہ شیر کو دیکھ لومڑی کہتا ہے، پھر ان میں صنفی اختلاف کی وجہ سے نر مادہ سے مرد عورت سے ممتاز ہو جاتا ہے تو ان کے احکام وحقوق بھی بدل جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ دنیا کی ہر چیز اپنے اوصاف واشکال کی وجہ سے ایک جداگانہ ہے اور اسی جداگانہ میں کائنات کا راز وحسن پوشیدہ ہے ورنہ اگر کوئی ایسی تمنا کرے کہ یہ امتیازیت ختم ہو جائے اور سارا عالم ایک ہی شکل اور ایک ہی مقدار میں ہو جائے تو مطلب یہ ہوا کہ کریلا اور کدو ککڑی اور مچھلی شیر اور گیدڑ، گدھا اور گھوڑا آم اور تربوزہ گلاب اور چمبیلی سب کی شکل سب کے اوصاف وخصوصیات ایک ہو جائیں، تو پھر کائنات میں پائی جانے والی لاکھوں قسم کی مخلوق ایک ہی قسم ہو جائے گی، اور کائنات میں سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہ رہے گا، جب سب ایک ہو گئے تو شیر کی جگہ چوہا ہاتھی کی جگہ بلی مچھلی کی جگہ مرغی کا استعمال درست ہو جائے گا، مرد کی جگہ عورت، عورت کی جگہ سانپ کا استعمال درست ہوگا، اور ظاہر ہے عالم میں اس سے بڑا فساد اور کیا ہوسکتا ہے تو پتہ چلا کہ کائنات کا حسن؛ بلکہ بقاء صحت اسی میں ہے کہ اشیائیں امتیازیت باقی رہے التباس اور اختلاط اس کے وجود کو باطل کر دیتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح انسان میں اگرچہ ایک درجہ تکوینی اتحاد ہے کہ ہر انسان کے دو ہی

ہاتھ دو ہی آنکھ دو ہی پیر ہیں، لیکن اوصاف و باطنی خصوصیات کی وجہ سے انسان صورت میں بھی مختلف ہے سیرت میں بھی جدا ہے آواز و حسن میں جدا ہے فکر و نظریہ میں علیحدہ ہے۔

بڑی تعجب کی بات ہے کہ اگر کوئی کتا ہاتھی کی شکل کا ہو جائے، یا بلی سانپ کی شکل کی ہو جائے تو سب تعجب کرتے ہیں اور خلاف فطرت سمجھتے ہیں؛ لیکن ایک مسلمان کی شکل ہندو کی ہو جائے اس کا حلیہ عیسائی کا ہو جائے وہ چوٹی رکھے کانوں میں بالیاں پہن لے، عورتوں کا لباس پہن لے، تو اس پر اس قدر تعجب نہیں کیا جاتا یعنی حیوانات میں شکلوں کی امتیازات ضروری ہے اور انسانوں میں یہ امتیازات ختم ہو جائے بڑی احمقانہ بات ہے۔

الغرض انسانوں میں ظاہری و باطنی اختلافات ضروری ہیں اسی وجہ سے مسلم قوم، آرین قوم، ہندو قوم، عیسائی اور یہودی قوم ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے باوجود ان میں مابین اخلاق و عادات، تہذیب و تمدن، جذبات و احساسات خصوصیات و نظریات میں بالکل مختلف ہے جو ایک دوسرے سے ممتاز ہے، اور اسلام ان سب میں اعلیٰ و اشمل و اکمل مذہب ہے اس کے اپنے عقائد اعمال، عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ میں ممتاز ہے تو اس کے اپنے امتیاز کو باقی رکھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہو، مسلمان کا طرز عمل مسلمان کی چال ڈھال مسلمان کی وضع قطع وغیرہ غیر مسلموں سے ممتاز ہو۔

احادیث میں یہ احکام جابجا ملیں گے جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، بخاری شریف کی حدیث ہے **"خالفوا المشرکین"** مشرکین سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔

حضرت ابن عمر ؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ نے فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت (صورتاً بھی) اختیار کرے گا وہ (انجام کار) اسی قوم میں (حقیقۃً بھی) ہو جائے گا: **"من تشبہ بقوم فھو منھم"**

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے فرمایا: "**إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها**" یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں ان کو مت پہنو۔

حضرت حجاج بن حسان ؒ سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس ؓ کی خدمت میں گئے حجاج اس وقت بچے تھے اور ہمارے سر پر بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے، حضرت انس ؓ نے ہمارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی اور فرمایا ان کو منڈوا دو یا کاٹ دو کیونکہ یہ وضع یہود کی ہے: "**احلقوا هذين أو قصوهما فإن هذا زيّ اليهود**"۔

حضرت عامر بن سعد ؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**فنظفوا أراه قال أفنيتكم ولا تشبّهوا باليهود**"، اپنے مکانوں کے سامنے کے صحنوں کو صاف رکھو، اور یہود کے مشابہت مت کرو (کیونکہ یہود صحن صاف نہیں رکھتے تھے) جب گھر سے باہر کے صحنوں کو گندا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔

حضرت امام احمد بن حنبل ؒ سے پوچھا گیا کہ گدی کے بال منڈوانا کیسا ہے؟ فرمایا کہ یہ تو مجوسیوں کا فعل ہے:

"**وكره حلق القفا وقال هو من فعل المجوسي من تشبه بقوم فهو منهم**"

الغرض غیروں کی مشابہت اختیار کرنا گناہ ہے مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آوں تو یہ گناہ کبیرہ ہے؛ لیکن اگر دل میں نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں؛ بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ مکروہ ضرور ہے(۱):

۱) غیروں سے مشابہت میں اپنے امتیاز کو مٹانا ہے۔

---

(۱) اصلاحی خطبات

۲) غیروں سے مشابہت میں شریعت کی وضع قطع کی حقارت ہے۔

۳) غیروں کی جانب میلان ورجحان ہے۔

۴) سلف کے لباس کے متعلق معمول کو لغو سمجھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے احکام بھی کفار کے مرتب ہونا۔

اس کے علاوہ دیگر ممنوعات پائے جاتے ہیں جو گناہ اور واجب الترک ہیں؛ لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال ہی نہیں رہا کہ تشبہ بالکفار کو چھوڑ دیا جائے، آج مسلمان اپنے طریقہ کار وضع قطع میں لباس پوشاک میں کھانے پینے کے طریقوں میں زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لی ہے ان کی طرح لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں زندگی کے ہر نظام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا اس سے سبق ملتا ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی نقالی اختیار کرنا چھوڑ دیں، جناب رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نقالی کریں ان لوگوں کی نقالی مت کرو جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں جنھوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں ان دشمنان اسلام کی نقالی سے دنیا میں ذلت اور آخرت میں رسوائی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ایک نکتہ ہمیشہ یاد رکھیں ”جب موسیٰ علیہ السلام کی نقالی سے جادوگروں کو ہدایت مل سکتی ہے تو سید الانبیاء کی نقالی سے شفاعت کیوں نہ ملے گی کالج کے امتحان میں نقل سے طالب علم کامیاب ہو جاتا ہے تو آخرت کے امتحان میں کامیابی نبی کی نقالی سے ضرور ہوگی“۔

صوم محرم کے تین مراتب ہیں:

۱) سب سے افضل: ۹، ۱۰، ۱۱ر تین دن ہیں۔

۲) ۹/اور ۱۰/دو دن

۳) ۹/اور ۱۰/کو روزہ رکھنے کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں، ۱۰/اور ۱۱/کا کوئی درجہ نہیں، صرف ۹ کا روزہ بھی سنت ہے۔ (۱)

در مختار میں لکھا ہے کہ صرف دس کا روزہ مکروہ تنزیہی ہے، یعنی پہلے یا بعد شامل کئے بغیر۔ (۲)

حضرت مولانا منظور نعمانی ؒ معارف الحدیث میں فرماتیں ہیں کہ ہمارے زمانے میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے؛ بلکہ ان کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لئے اب کسی اشتراک اور تشبہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے، واللہ اعلم۔ (۳)

خلاصہ یہ ہے کہ صرف یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے سے گناہ گار نہ ہوگا بہتر ہے کہ دو روزے رکھلے۔ (۴)

ایک غلط فہمی:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یوم عاشورہ کو فضلیت واہمیت شہادتِ حسین ؓ کی بنا پر حاصل ہوئی، یہ غلط ہے جب کہ آپ ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے یوم عاشورہ کی فضلیت بیان کی اور حضرت حسین ؓ کی شہادت کا واقعہ آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ (۶۰) سال بعد پیش آیا روزے کے متعلق اوپر جن احادیث کا ذکر کیا گیا ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ محرم کی فضلیت واہمیت شہادت حسین سے نہیں؛ بلکہ حضرت حسین ؓ کی شہادت یوم عاشورہ کو ہونا خود ان کی فضلیت وبزرگی کی دلیل ہے، لہٰذا یہ خیال کرنا کہ محرم کی اہمیت شہادت حسین ؓ ہی سے ہے یہ سراسر غلط ہے۔

---

(۱) حاشیہ ترمذی: ۱/۱۵۸

(۲) در مختار، ج:۲/ص:۹۱

(۳) معارف الحدیث ص: ۳۸۷

(۴) اصلاحی خطبات: ۶۰/۱۴

اسلام ماتم کا دین نہیں ہے، اسلامی تاریخ کا ہر ہر ورق شہدا کے خون سے رنگین ہے اگر ماتم کئے جائیں تو ہر دن ماتم ہی کرنا ہوگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت؛ بلکہ اس سے قبل حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت غزوہ موتہ کے شہداء کا واقعہ غزوہ الرجیع کا واقعہ یہ واقعات جو آپ ﷺ کے لئے بھی درد وغم کا باعث بنے تھے، ان کو کیوں بھول جائیں؛ لیکن اسلام ماتم کرنے کی تعلیم نہیں دیتا؛ بلکہ دین کے لئے جان ومال قربان کرنے کی تعلیم دیتا ہے، ہمارے بزرگوں نے دین حق کے لئے جانیں دیں ہم دین کے لئے کیا قربانی پیش کررہے ہیں یہ سوچنے کی بات ہے۔

ماہ محرم اور اسلامی جنتری

جنتری (کیلنڈر) انسانی سوسائٹی کی اہم ترین ضرورت ہے، باشعور قوموں کی زندگی، جنتری کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہتی ہے، دنیا میں ''شمسی جنتری'' زیادہ تر رائج ہے، اس کی بنیاد حساب وریاضی پر ہے، اس میں غلطی کا امکان زیادہ ہے؛ لیکن دین اسلام نے ابتداء ہی سے جنتری کے سلسلہ میں مشاہدہ (رؤیت ہلال) کو معیار بنا کر قمری جنتری کو اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ اس میں غلطی کا امکان نہیں کے برابر ہے، چنانچہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ، آیت ۱۸۹، سورہ یونس آیت: ۵، اور سورہ یٰس آیت ۳۹ میں اس کی طرف خاص اشارہ کرکے اسلامی تقویم کو قمری حساب سے جاری رکھنے کا حکم دیا ہے، نیز سورۂ توبہ آیت ۳۶ میں اسلامی مہینوں کی تعداد بارہ بتاتے ہوئے اور ان میں سے چار کو قابل ادب واحترام قرار دیتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ جنتری اور اس کے یہ ماہ وسال ابتدائے آفرینش سے ہی بنی نوع انسانی کے درمیان جاری وساری ہے؛ البتہ اہم تاریخی واقعات سے جنتری کو ہمیشہ منسوب کیا جاتا رہا ہے، چنانچہ نزول آدم علیہ السلام، طوفان نوح علیہ السلام، آتش خلیل علیہ السلام، عہد یوسف علیہ السلام، نجاتِ بنی اسرائی، عہد داؤد علیہ السلام، عہد سلیمان علیہ السلام، زمانۂ عیسی علیہ السلام اور عام الفیل کے سنین مشہور ہیں؛ لیکن قریش تعمیر کعبہ، آتش خلیل علیہ السلام اور واقعۂ فیل سے اپنی تاریخ شمار کرتے تھے۔

آپ ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کوئی سنہ رائج نہ

تھی، حضرات صحابۂ کرام علیہم السلام واقعۂ ہجرت ماہ بہ ماہ اپنی تاریخ شمار کرنے لگے، نیز سال کا نام **"سنة الأمر بالقتال"**، تیسرے سال کا نام **"سنة التمحيص"** اسی طرح سے اور سالوں کے نام اہم تاریخی واقعات پر رکھے گئے، پھر یہ سلسلہ منقطع ہوگیا، عہد صدیقی کا پورا دور اور عہد فاروقی کے ابتدائی چار سال اس طرح گزرے کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی سن تقویم رائج نہ تھی؛ لیکن جب عہد فاروقی میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوگیا، تو امور حکمرانی کی انجام دہی، اوامر خلیفہ کی تنفیذ اور دیگر مالی تقسیم کے لئے ایک تقویم کی شدید ضرورت محسوس کی جانے لگی؛ چنانچہ گورنر بصرہ حضرت ابوموسی ؓ نے حضرت عمر ؓ کو لکھا کہ آپ کے خطوط ہمارے پاس آتے ہیں اور اس پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی، جس سے اس میں مذکورہ حکموں کی وضاحت میں پریشانی ہوتی ہے، اسی طرح حضرت عمر ؓ کے پاس ایک چیک آیا جس میں ادائیگی کا وقت شعبان درج تھا، حضرت عمر ؓ نے کہا کہ کونسا شعبان، وہ جس سے ہم گذر رہے ہیں یا وہ جو گزر گیا یا وہ جو آئندہ آئے گا۔

حسن اتفاق سے اسی وقت نومسلم بادشاہ حضرت ہرمزان ؒ دربار فاروقی میں حاضر ہوئے، انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہیں اور اس میں مہینہ اور سال دونوں کا ذکر ہوتا ہے، حضرت عمر ؓ کو تاریخ لکھنے کا یہ طریقہ بہت پسند آیا اور فرمایا کہ تم لوگ بھی اپنی تاریخ (اسی طرح) لکھو؛ چنانچہ حضرت فاروق ؓ نے اسلامی تقویم کی تعیین کے لئے ربیع الاول ۱۶ھ میں حضرات مہاجرین وانصار صحابۂ کرام ؓ کی ایک مجلس منعقد کی، مختلف صحابۂ کرام ؓ نے مختلف مشورے دئے، اسلامی تقویم (جنتری) کو حضور ﷺ کی ولادت باسعادت یا آپ ﷺ کی بعثت یا واقعۂ ہجرت اور آپ ﷺ کے سانحۂ ارتحال میں سے کسی ایک واقعہ سے موسوم ومنسوب کرنے کی تجاویز پیش ہوئیں؛ لیکن حضرت علی ؓ نے یہ تجویز رکھی کہ واقعۂ ہجرت نبوی ﷺ سے اسلامی تقویم شروع کی جائے، حضرت عمر ؓ کو یہ تجویز پسند آئی اور بالاتفاق ہجری سنہ منظور کرلیا گیا؛ کیوں کہ واقعۂ ہجرت تاریخ اسلامی کا نقطۂ آغاز وانطلاق ہے،

اس کے بعد اس پر غور و خوض کیا گیا کہ اسلامی سنہ ہجری کو کس مہینہ سے شروع کیا جائے، اس سلسلہ میں بھی کئی تجویزیں پیش ہوئیں؛ لیکن حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ نے تجویز رکھی کہ محرم کے مہینہ سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے، یہی رائے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی بھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی تائید فرمائی؛ کیوں کہ ہجرت کی پہلی بنیاد (بیعت عقبہ اولیٰ) اسی ماہ مبارک میں پڑی ہے؛ چنانچہ اسی پر اتفاق ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم صادر فرمایا اور تمام عالم اسلامی میں یہ تقویم رائج ہوگئی۔

ہجری جنتری کی ابتداء کے بارے میں علامہ شبلی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الفاروق'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چیک پیش ہوئی، جس پر صرف شعبان کا لفظ تھا، حضرت عمر نے کہا یہ کیوں کر معلوم ہو کر گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ؟ اسی وقت مجلس شوری منعقد ہوئی (ہجری تقویم کے مختلف پہلو زیر بحث آئے) اس کے بعد یہ بحث ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی، اور اس پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ (۱)

اسی طرح قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی مشہور و مقبول عام کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں رقم فرمایا ہے کہ ''اسلام میں سنہ ہجری کا استعمال بعد خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جاری ہوا۔ یوم الخمیس (جمعرات) ۳۰/ جمادی الثانی ۱۷ھ مطابق ۹/ ۱۲/ جولائی ۳۸ھ (حضرت) علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سنہ کا شمار واقعہ ہجرت نبویہ سے کیا گیا، اور (حضرت) عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے محرم کو اولین شہور مقرر کیا گیا۔ (۲)

ہفتہ کا آغاز جمعہ مبارک دن سے ہے، یکم محرم الحرام ۱ھ کو بھی جمعہ تھا، جمعہ اللہ تعالیٰ کی اجتماعی عبادت کا مظہر ہے اس لئے کہ اسلامی ہفتہ کی ابتداء کی خصوصی عبادت و بندگی، دعاء و مناجات اور ذکر و اوراد سے ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جنتری کے ماہ و سال کی تعیین کے لئے اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) الفاروق: ۲/ ۱۴۴ (۲) رحمۃ للعالمین: ۲/ ۳۵۱

کائنات کے نظام میں چاند اور اس کی گردش کا ایسا پختہ انتظام فرمایا ہے جو معمولی سے معمولی انسان کے لئے پوری باقاعدگی سے سال و ماہ کا حساب واضح کرتا رہتا ہے اور انسان اپنے تمام دینی و دنیاوی مفوضہ امور اسی کے مطابق انجام دیتا چلا آیا ہے، گرچہ اسلام کے روزمرہ کی بعض عبادات خاص طور سے نماز کا تعلق سورج کے طلوع و غروب یا رات کے حصوں کے متعین کرنے سے ہیں؛ لیکن اکثر عبادات خاص طور سے حج اور اس کے مناسک، روزہ اس کی ابتداء و انتہاء، عیدین کی نماز اور قربانی وغیرہ کا تعلق قمری مہینوں سے ایسا ہے کہ ان کی واقفیت و جانکاری کے بغیر ان عبادات کا انجام دینا بالکل ناممکن ہے۔

اسلامی جنتری کی اسی عظمت، اہمیت و افادیت عامہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قمری جنتری کو دینی و شرعی جنتری قرار دیا ہے اور اسلامی عبادات کو اسی پر منحصر فرمایا ہے، چنانچہ برصغیر ہندوپاک کے عظیم مفسر قرآن شیخ امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”یہی فطری اور کائناتی دینی تقویم ہے۔

جس طرح اسلام دین قیم ہے اسی طرح یہ قمری جنتری اصل دینی جنتری ہے، یہ امر ملحوظ رہے کہ جس طرح ہماری کھیتی باڑی میں فصلوں اور موسموں کا اعتبار ہے، اسی طرح دینی امور میں اوقات، ایام اور سالوں کا اعتبار ہے، جس طرح بے وقت اور بے موسم کی زراعت لاحاصل اور بے برکت ہو کے رہ جاتی ہے، اسی طرح بے وقت کی نماز، بے وقت کا روزہ اور بے وقت کا حج بھی لاحاصل ہو کر رہ جاتا ہے، اسی وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ اس جنتری کو بھی شروعی اور دینی حیثیت حاصل ہو، جس کے تحت دین کی عبادات اور اس کے احکام و مناسک منضبط ہوئے ہیں، اسی پہلو سے اس تقویم کو ”دینی قیم“ کہا ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی دین ہی کا ایک حصہ اور نہایت ہی اہم حصہ ہے، اس میں کوئی تغیر و تبدل کرنا دین میں تحریف کے ہم معنی ہے“۔ (۱)

اسلامی جنتری دین اسلام کے شعار میں سے ایک اہم ترین شعار ہے، نیز تمام

---

(۱) تدبر قرآن: ۳/ ۵۷۰

حضرات انبیاء علیہم السلام کے شریعتوں میں تاریخ کا حساب رات سے ہوتا ہے؛ کیوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں قمری مہینے معتبر ہیں؛ چنانچہ تمام آسمانی مذاہب میں حساب قمری مہینوں سے اور شروع تاریخ غروب آفتاب سے اختیار کی جاتی ہے، گویا کہ عبادات مین قمری حساب معتبر ہے؛ البتہ دنیاوی معاملات میں شمسی حساب کی گنجائش ہے ؛ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عربی رحمہ اللہ کے کے حولہ سے نقل فرمایا ہے کہ ”شمسی حساب دنیاوی منافع کے لئے ہے اور قمری حساب ادائے عبادت کے لئے ہے“ (۱)

اس کی شرعی و دینی حیثیت حضرات اکابرین امت رحمہم اللہ کے نزدیک ”فرض کفایہ“ کی ہے، ”انوار التنزیل“ میں مذکور ہے کہ ”روزہ، حج اور عیدین میں اسی طرح بیع وشراء، قرض و دین کی ادائیگی اور بقیہ سارے تمام احکام میں جن کا تعلق مہینوں سے ہے، ان سب میں قمری تاریخوں کا استعمال کرنا واجب ہے۔ (۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ ”چوں کہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے؛ اس لئے اس کی حفاظت ”فرض کفایہ“ ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے، جس سے قمری حساب ضائع ہوجائے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے؛ لیکن خلاف سنتِ سلف ضروری ہے اور حسابِ قمری کا برتنا، بوجہ اس کے ”فرض کفایہ“ ہونے کے لابدی افضل و احسن ہے“ (۳)

اسی طرح برصغیر ہند و پاک کے مشہور و مقبول مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے قمری تاریخوں کو اسلامی شعار قرار دیا ہے، اور موجودہ زمانہ میں قمری تاریخوں کے بجائے شمسی تاریخوں کے رواجِ عام پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ”یہ شرعی حیثیت علاوہ غریب قومی و ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے، ان میں صرف شمسی حساب رکھیں

---

(۱) معارف القرآن: ۴/ ۵۸ (۲) انوار التنزیل: ۳/ ۱۱۸

(۳) بیان القرآن/ تفسیر سورہ توبہ: ۳۶

باقی خط و کتابت اور روزہ مرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا شعار بھی محفوظ رہے گا۔ (۱)

* * *

---

(۱) معارف القرآن: ۱/ ۴۶۸

ماہ محرم کی رسومات وبدعات

ماہ محرم برکات کا حامل مہینہ ہے؛ لیکن بعض لوگ اس کی برکات سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے بدعات ورسومات میں پڑ کر اس کی حقیقی فضیلت سے محروم ہوجاتے ہیں، ذیل میں چند بدعات ورسومات کی نشاندہی کی جاتی ہے؛ تاکہ ان سے بچ کر صحیح اعمال اختیار کئے جائیں:

تعزیہ:

تعزیہ کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے: "**أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ**" (۱) ''کیا تم ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جس کو خود ہی تم نے تراشا اور بنایا ہے''، ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے تراش کر بناتا ہے، پھر سنت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد وغیرہ کی صحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، اس کو سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارتِ سیدنا حسینؓ سمجھا جاتا ہے، یہ سب باتیں روح ایمان اور تعلیم اسلام کے اعتبار سے ناجائز ہیں۔

مجالس

ذکر شہادت کے لئے مجلس منعقد کرنا، ان میں ماتم کرنا نوحہ کرنا روافض کی مشابہت کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

علامہ ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

” وإياه ثم إياه أن يشغله ببدع الرافضة، من الندب والنياحة والحزن ، إذ ليس ذلک من أخلاق المؤمنين وإلا لكان يوم

---

(۱) **الصافات: ۹۰**

وفاته أولى بذلك وأحرى" (۱)

"خبر دار (اس محرم کی) روافض کی بدعتوں میں مبتلا نہ ہونا، جیسے: مرثیہ خوانی، آہ بکا، روح رنج، الم وغیرہ؛ کیوں کہ مسلمانوں کی شایان شان نہیں، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ کا یوم وفات اس کا زیادہ مستحق ہوسکتا تھا" (۲)

محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا

بعض لوگ اس مہینہ کو رنج و الم کا مہینہ سمجھتے ہیں اور اس میں شادی بیاہ اور خوشی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہوئے مختلف قسم کے سوگ مناتے ہیں، جیسا کہ کالا لباس پہننا عورتوں کا زیب زینت اور بناؤ سنگھار چھوڑ دینا نوحہ ماتم کرنا وغیرہ، ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے؛ کیوں کہ احادیث مبارکہ میں اس کے بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں؛ لہٰذا اس مہینہ کو غم کا مہینہ سمجھنا درست نہیں ہے۔

محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ نہ کرنا

بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ محرم کے مہینہ میں خصوصاً محرم کے شروع کے دس دنوں میں شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات وغیرہ کرنا حرام ہے اور اس مہینہ میں خوشی کی تقریبات کرنے میں خیر و برکت نہیں ہوتی اور وہ کام منحوس ہوجاتا ہے وغیرہ، اس میں بعض پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہیں، یہ سوچ بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ شریعت میں محرم یا کسی دوسرے مہینہ میں نکاح سے منع نہیں کیا گیا ؛ بلکہ اس مہینہ میں زیادہ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نکاح بھی ایک عبادت ہے؛ کیوں کہ نکاح سے اللہ کا قرب اور تقویٰ نصیب ہوتا ہے، حدیث میں ہے: "**إذا تزوج العبد فقد كمل نصف الدين فليتق الله في النصف الباقي**" (۳)

جب آدمی شادی کرتا ہے تو اس کا آدھا دین مکمل ہوجاتا ہے تو اس کو چاہئے کہ باقی

---

(۱) **الصواعق المحرقة: خاتمة فيها أخبر به: ۲/ ۵۳۴**، موسسۃ الرسالۃ - بیروت

(۲) شہید کربلا اور ماہ محرم، فضائل و مسائل، ص: ۷

(۳) **شعب الإيمان للبيهقي، فصل في الترغيب في النكاح،** حدیث: ۵۴۸۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے دو سندوں سے اور اس میں یزید الرقاشی اور جابر جعفی ہیں اور یہ دونوں ضعیف اور کبھی یہ ثقہ قرار دئے گئے ہیں۔

آدھے کے معاملے میں اللہ سے ڈرے؛ لہٰذا اس ماہ میں نکاح نہ کرنے کا عقیدہ و عمل درست نہیں ہے۔

حضرت حسین ؓ کے نام پر کھانا کھلانا

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو لوگ محرم کے دس دنوں میں بڑی پابندی سے کرتے ہیں، مثلاً: حضرت حسین ؓ کے نام پر کھانا پکا کر کھلانا، پانی، شربت، چھاچھ، پاپڑ، بتاسے اور خاص خاص قسم کی مٹھائیاں بنا کر تقسیم کرنا اور اس کو اس ماہ کی عبادت سمجھنا دین میں زیادتی اور بدعقیدہ ہے اور یہ عقیدہ بھی غلط ہے کہ حسین ؓ کو میدان کربلا میں بھوکے پیاسے شہید کیا گیا، یہ کھانا، پانی، شربت وغیرہ ان کی پیاس بجھائے گا، سو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، محرم کی دس تاریخ کو کاروبار کرنے کو تنگی کا باعث تصور کر کے دکانیں بند کر دینا، خاص اسی دن قبرستان جانے کا اہتمام کرنا، ان پر بتیاں جلانا، پھول چادر چڑھانا، سب بدعت و خرافات ہیں، جن کا مرتکب مستحق سزا ہوگا، نہ مستحق جزاء۔

ماتم حسین ؓ کی ابتدا کب اور کیسے؟

حادثہ کربلا اور اس سے متعلق ہونے والی بدعات کا تین سو برس بعد تک کوئی پتہ نہیں چلتا؛ البتہ اس بات پر تمام شیعہ وسنی مؤرخین اتفاق کرتے ہیں کہ حادثہ کربلا کے تین سو برس گذر جانے کے بعد ۳۵۲ھ میں ایرانی نسل اور شیعہ سے ''ماتم حسین'' کی ابتداء بغداد میں اس وقت ہوئی تھی، جب طوائف الملوکی کے سبب سے سلطنت کمزور ہو چکی تھی، مؤرخ شہیر علامہ ابن کثیر ''البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۲۲۳- ۳۵۲ھ کے احوال و کوائف کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''۳۵۲ھ اس سال ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو معز الدولہ نے یہ حکم دیا کہ بازار سارے بند رہیں، عورتیں ماتمی لباس کمبل کا پہن کر چہرے کھول لیں، بال سر کے بکھیرے نکلیں اور منہ اپنا پیٹتی ہوئی حسین ؓ بن علی ؓ کا بازاروں میں ماتم کرتی پھریں''۔

علامہ جلال الدین سیوطی ؒ نے تاریخ الخلفاء، ص: ۲۷۴ میں مطیع باللہ القاسم

کے احوال میں معز الدولہ شیعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ”۳۴۱ھ میں ایک قوم جو تناسخ کی قائل تھی ظاہر ہوئی، ان میں سے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روح حلول کرآتی ہے اور اس کی بیوی نے دعویٰ کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح میرے اندر حلول کرآتی ہے اور اسی جماعت میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں بذات خود جبرئیل ہوں، جب یہ خبر ندرت اثر خلیفہ تک پہنچی تو تینوں کو تعزیر وتشہیر کا حکم دیا گیا، اس قوم نے مکروکید سے کام لے کر اپنے کو اہل بیت کی طرف منسوب کیا تو معز الدولہ نے سفارش کر کے تینوں کو بری کرادیا اور بڑے بڑے مناصب ومراتب پر ان کو پہنچادیا“۔

محرم کا تعزیہ

محرم کا تعزیہ جس میں یہ سب خرافات اور غیر شرعی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، تعزیہ کب ایجاد ہوا اور کس نے ایجاد کیا؟ اس سلسلہ میں ایک شیعی پرچہ ماہنامہ ”المعرفت“ بابت محرم ۱۳۸۹ھ میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں اس طرح رہنمائی کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

> ”لفظ ’تعزیہ‘ تعزیت سے نکلا ہے، جس کے معنی ماتم پرسی یا مرنے والے پر اظہار رنج وغم کے ہوتے ہیں، تعزیہ داری کے بارے میں ابھی تک پوری تحقیق وتدقیق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی؛ البتہ اس کے آغاز کے بارے میں ایک روایت یہ ضرور مشہور ہے کہ سب سے پہلا تعزیہ امیر تیمور نے رکھا تھا، اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ہر سال کربلائے معلیٰ روضۂ اطہر کی زیارت کو جاتا تھا، ایک سال جنگ وجدال میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ وہ زیارت نہ کرسکا؛ چنانچہ اس نے روضۂ اقدس کی شبیہ منگوائی اور اس کو تعزیہ کی صورت میں بنوالیا اور اس کی

زیارت سے تسکین حاصل کی‘‘

ہندوستان میں تعزیہ داری

جہاں تک تعزیہ داری کا تعلق ہے اس کی ابتداء ایران میں عہد صفوی نویں صدی ہجری سے ہوئی ، اس کے بعد ہندوستان میں جب خاندان تغلق کا زوال شروع ہوا اور سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوا تو جنوبی ہندوستان میں ایک شخص حسن گنگو نامی نے بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی، حسن گنگو چوں کہ ایران کے بہمنی خاندان (شیعہ) سے تعلق رکھتا تھا؛ اس لئے اس کی سلطنت بھی بہمنی کہلائی ، اس سلطنت کے سلاطین میں شیعہ وسنی دونوں عقائد کے بادشاہ گزرے ہیں اور امرائے دربار میں ملکی وغیر ملکی مصاحبین اور وزراء شامل رہے ہیں ، جب چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت بہمنی کو زوال ہوا اور وہ پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی تو ان میں عادل شاہی ، نظام شاہی اور برید شاہی ، ریاستوں میں اکثر شیعہ عقائد کے لوگ گزرے ہیں۔

بالخصوص عادل شاہی سلطنت میں یوسف عادل شاہ اور قلی قطب شاہ نے تعزیہ داری کو باقاعدہ طور پر رواج دیا اور ان ریاستوں میں باقاعدگی کے ساتھ دس روز تک تعزیہ داری ہوتی تھی اور تعزیے رکھے جاتے تھے،تعزیہ کی ایجاد کے بارے میں ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفۂ اثناعشریہ صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے کہ:

> ’’ممتاز بن عبیدہ شیعی نے بنام تابوت سکینہ جناب امیر کی کرسی کی پرستش شروع کی؛ حالاں کہ یہ کرسی جناب امیر کی نہ تھی ؛ بلکہ طفیل بن جعدہ کسی روغن فروش کے مکان سے اٹھالایا تھا‘‘

> اور علامہ عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل کے صفحہ ۸۴ پر اس کرسی سے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ۔۔۔ وہ ایک ایرانی کرسی تھی جس پر مختار نے ریشمی غلاف چڑھا کر خوب آراستہ کر کے لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توشہ خانہ سے ملی ہے؛ چنانچہ جب کسی دشمن سے جنگ کرتا تو اس کو صف اول میں رکھ کر اہل شہر سے کہتا: بڑھو اور قتل کرو،

فتح ونصرت تمہارے شامل حال ہے، یہ تابوت سکینہ تمہارے درمیان تابوت بنی اسرائیل ہے، اس میں سکینہ ہے اور ملائکہ تمہاری اعانت کے لئے حاضر ہوتے ہیں"

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل تعزیہ داری کی ابتداء میں ہے، جیسا کہ صاحب تذکرہ الکرام اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ دراصل تعزیہ داری کی نقل یہیں سے معلوم ہوتی ہے، جو بعد میں بت پرستی بن گئی اور ہندوستان میں تعزیہ داری کی اشاعت کی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ تیموری عہد میں چوں کہ وزیر اور بیگمات ونیز بعض اہل لشکر شیعہ تھے، ہندوستان میں مسلسل قیام و نظام سلطنت اور برابر جنگی وفوجی تنظیم کے باعث ہر سال کربلائے معلیٰ نہیں جاسکتے تھے، یہ شکایت بادشاہ کے گوش گذار ہوئی، امیر تیمور نے کربلا سے امام حسین ؓ کے روضہ کی نقل حاصل کی اور اس کو تعزیہ کی صورت میں تیار کرایا؛ تاکہ ہندوستان میں شیعہ اس نقل کے ذریعہ سے کربلائے معلیٰ کی زیارت کا ثواب حاصل کرسکیں؛ چنانچہ آگے چل کر اس نے کم وبیش وہ صورت اختیار کرلی جو اب رائج ہے، پھر بتدریج اس میں بڑی ترقی ہوئی اور اس کے ساتھ دلدل علم وغیرہ بھی نکلنے لگے، خود مذہب شیعہ کے مصنفین ومؤرخین کا بھی تاریخ تعزیہ کے بارے میں یہی قول ہے۔ (١)

بدعات محرم اور شیعہ کی ترجمانی

شیعوں کی ایجاد کردہ رسومات وبدعات کا آج مسلمان محبت کے دعوی میں انہیں رسومات کو عبادت سمجھ کر کر رہا ہے، جن میں سے ☆ نوحہ کرنا ☆ گریہ وزاری کرنا ☆ سینہ کوبی کرنا ☆ منہ پر طمانچہ مارنا ☆ قمع لگانا ☆ نوحہ خوانی اور مرثیہ کی محفلیں منعقد کرنا ☆ اس ماہ میں شادی بیاہ کو منحوس جاننا ☆ سیاہ کپڑے پہننا ☆ عورتوں کا بالوں کو کھول دینا

---

(١) بدعات محرم وتعزیہ داری، ص: ٤٤

☆ زیب و زینت کی تمام چیزوں کو ترک کر دینا ☆ چوڑیاں توڑ ڈالنا ☆ سر پر سبز رنگ کی ٹوپی اوڑھنا ☆ بچوں کے گلے میں سبز رنگ کی تھیلیاں لٹکانا؛ یہ کہ امام حسین ؓ کے فقیر ہیں ☆ ماتم کرنا، تعزیہ کرنا ☆ اس کے سامنے سجدہ کرنا، بوسہ دینا، نذریں چڑھانا، مرادیں مانگنا ☆ جھنڈا اٹھانا، دلدل نکالنا ☆ روضہ امام حسین ؓ (ضریح) کی نقل بنانا ☆ ساتویں محرم کو مہندی اٹھانا ☆ فوجی گھوڑا بنا کر عقیدت میں بوسہ دینا ☆ تابوت علی اصغر کے ساتھ جلوس لے کر نکلنا ☆ قوالی کی محفلیں قائم کرنا ☆ قبروں کو مزین کر کے چراغاں و بتیاں جلانا، ان رسومات و بدعات پر روپیہ لگانا، سب حرام و ناجائز اور افعال شرکیہ ہیں، جو شیعہ کی مرہونِ منت ہیں، عقل و نقل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۱)

جہنم کا پیش خیمہ

محرم الحرام کی بدعات میں تعزیہ داری کی بدعت بہت ہی عام ہے، عوام الناس مقبرے کی شکل میں کہیں، بہترین لکڑی کا تعزیہ اور کہیں بانس و کاغذ کا تعزیہ بناتے ہیں، اس میں دو قبریں ہوتی ہیں، ایک کی نسبت حضرت سیدنا حسن ؓ سے کی جاتی ہے اور اس کا رنگ سبز ہوتا ہے، دوسری قبر کو حضرت سیدنا حسین ؓ سے منسوب کرتے ہیں، اس کی رنگت لال یا گلابی ہوتی ہے، اسی طرح علم یا جھنڈا ہے، لمبی لکڑی یا لمبے بانس پر رنگین کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور اس کے بالائی حصہ پر کوئی چمکدار پنجہ لگاتے ہیں، کہیں حضرت فاطمہ ؓ سے منسوب کر کے ''بی بی کا جھنڈا'' اور کہیں حضرت عباس ؓ سے نسبت کر کے ''عباس کا جھنڈا'' لیکن زیادہ تر علاقوں میں ''حضرت سیدنا حسین ؓ کا جھنڈا'' کہا جاتا ہے اور مخصوص جگہوں پر ان کو نصب کرتے ہیں۔

اور کہیں گڑھا کھود کر اس میں آگ جلا کر کوئی ناہنجار و شرابی اس جھنڈے کو لے کر اس آگ سے آر پار ہوتا رہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اب اس کے جسم میں سیدنا حسین ؓ کی روح، عبد القادر جیلانی ؒ کی روح، شہداء کربلا کی روح حلول کر گئی ہے (خدا ان رسومات سے بچائے، کہیں یہ دنیا ہی میں دوزخ ہی کا پیش خیمہ نہ ہو کہ جس کو آگے جہنم میں

---

(۱) اقتباس از بدعات محرم، ص: ۳۵

جلنا ہے، خدا اسے دنیا ہی سے جلانا شروع کر دئے)۔

تعزیے اور جھنڈے یکم محرم سے نو محرم تک مخصوص جگہوں پر کھڑے کئے جاتے ہیں اور ۱۰ رمحرم کے دن محلوں، گلیوں اور سڑکوں پر ان کی نمائش ہوتی ہے، لوگ ان پر نذر ونیاز چڑھاتے ہیں، ان سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، اس کے علاوہ بہت سے مشرکانہ عمل کر کے اسلامی تعلیمات کی عملی مخالفت اور غضب الٰہی کا باعث بنتے ہیں۔

* * *

محرم کی ان بدعات کے سلسلہ میں علماء کا فتویٰ

پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی ؒ کا فتویٰ

"ولو جاز أن يتخذ يوم موته يوم مصيبة لكان يوم الاثنين أولى بذلك، إذا قبض الله تعالىٰ نبيه محمد ﷺ وكذلك أبو بكر الصديق قبض فيه"(۱)

''اور اگر یوم وفات حسین ؓ کو ''یوم ماتم'' قرار دینا جائز ہوتا تو اس سے کہیں زیادہ حقدار دوشنبہ کا دن ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ ا کی وفات فرمائی اور اسی دن ابوبکر صدیق ص کی وفات ہوئی''

شاہ عبدالحق محدث دہلوی ؒ:

آپ شرح سفر السعادۃ میں رقم طراز ہیں:

''طریقۂ اہل سنت آنست کہ دریں روز عاشوراء از مبتدعات فرقہ رافضیہ مثل ندبہ ونوحہ عزا وامثال آں از داب مومناں نیست ورالا روز وفات پیغمبر احری می بود بداں''

''اہل سنت کا طریقہ ہونا چاہئے کہ روز عاشوراء کو فرقہ رافضیہ کی ایجاد کی ہوئی بدعتوں مثلا مرثیہ و ماتم ونوحہ وغیرہ سے اجتناب کریں، یہ کام مؤمنوں کی شان سے نہیں، ورنہ غم والم کا سب سے زیادہ حقدار خود پیغمبر کا یوم وفات ہے''(۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ کا فتویٰ

عشرہ محرم میں تعزیہ داری اور ضریح وتصویر وغیرہ بنانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ تعزیہ

---

(۱) **غنیۃ الطالبین:** ۲/ ۳۸ (۲) ماخوذ از: بدعات محرم وتعزیہ، ص: ۷۸

داری سے مراد یہ ہے کہ نیت اور لذتوں کو ترک کیا جائے اور صورت رنجیدہ وغمگین بنائی جائے، یعنی سوگوار عورتوں کی طرح منہ پیٹا جائے، مرد کے لئے ایسی کوئی صورت شریعت سے ثابت نہیں ہوئی اور تعزیہ داری جیسا کہ بدعت کرنے والوں نے نکال رکھی ہے، اسی طرح تصویر قبول اور علم (جھنڈا) وغیرہ سب بدعت ہے''۔ (۱)

شیخ شاہ اسماعیل شہید ؒ کا ارشاد

اسماعیل شہید ؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''صراط مستقیم'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''تیسرا افادہ - ماہِ محرم میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی محبت کے گمان پر ماتم داری اور تعزیہ سازی بھی رافضیوں کی انہی بدعات میں سے ہے کہ ہندوستان کے ملک میں مشہور ہوگئی ہیں''۔ (۲)

شیخ نذیر حسین دہلوی ؒ کا فتوی

حضرت شیخ سید نذیر حسین دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ

> ''تعزیہ بنانا اور شان تعظیم وتوقیر کے چبوترہ یا کسی بلند مقام پر قائم کرنا اور نذر و نیاز بتوقع حصولِ مطالب دنیاوی، و امید حاجت روائی اور فراخی روزی و طلب اولاد و جاہ و منصب کے، اس پر چڑھانا اور اس کے بے ادبی میں نقصان جان و مال کا اعتقاد رکھنا اور بجہت عقیدہ واجب التعظیم کے سلام اور مجرا و سجدہ اس کو کرنا، جیسا کہ رسم و رواج و عرف و عادت تعزیہ پرستوں کا ہے، صریح بت پرستی ہے'' (۳)

شیخ فضل رحمن گنج مراد آبادی ؒ کا فتوی

حضرت فضل رحمن گنج مراد آبادی ؒ کا فتوی ہے کہ ''تعزیہ بنانا ناجائز ہے، اور بنانے والا فاسق وجہنمی ہے'' (۴)

---

(۱) فتاوی عزیزیہ: ۱/ ۶۸ (۲) صراط مستقیم اردو، ص: ۶۲

(۳) فتاوی نذیریہ: ۱/ ۱۷۵

(۴) کمالات رحمانی، ص: ۳۶

علامہ عبدالحی فرنگی محل ؒ کا فتوی

فقیہ ہند حضرت شیخ عبدالحی فرنگی محل ؒ نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے کہ ''سب امور تعزیہ داری بدعت وممنوع ہیں اور مرتکب ان کا مبتدع و فاسق ہے''(۱)

عبدالماجد دریا آبادی ؒ کا ارشاد

نامور ادیب ومفسر قرآن حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی ؒ نے کس قدر جامعیت کے ساتھ محرم اور اس کی رسموں پر تنقید فرمائی کہ

> ''عبرت اور صد ہزار عبرت کا مقام ہے کہ جو دن روزہ اور عبادت کے لئے مخصوص ہونا چاہئے، اس کو ہم نے لہو ولعب کھیل وکود، باجہ اور جلوس کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، امام حسین ؓ نے شہادت کی رات اور وقت شہادت تک کا دن یاد الٰہی میں گذارا تھا، ہمارے نادان بھائی یہ سارا وقت فضول خرچی اور نمائش کی نذر کرتے ہیں، شہید کربلاء نے غیر اللہ کے سامنے سر جھکانا حرام سمجھا، ہم اس کی یادگار یوں قائم کرتے ہیں کہ سارا وقت تعزیوں کے آگے جھکے رہتے ہیں، اللہ کے اس پاکیزہ بندے کے دل میں یہ لو لگی ہوئی تھی کہ بجز خدا کے کسی کی غلامی باقی نہ رہنے پائے، ہم وہ سارا وقت اپنے نفس کی غلامی میں صرف کرتے ہیں، اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ ان طریقوں سے ہم امام حسین ؓکی روح مبارک کو خوش کر رہے ہیں اور ان سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں، ہندوستان کا رواجی محرم اور رواجی عاشوراء ایسی چیزیں ہیں جن کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے نہ نقل سے؛ بلکہ جو رسمیں اس روز ادا کی جاتی ہیں وہ قرآن وحدیث سے تقریباً ان سب کی تردید ہی نکلتی ہے''(۲)

---

(۱) فتاوی مولانا عبدالحی، ص:۱۷۶

(۲) اقتباس از مضمون یوم عاشوراء ہفتہ واری، سچ لکھنؤ: ۳/۳۱، جولائی ۱۹۲۵ء

مولانا احمد رضا خان بریلوی ؒ کا فتوی

بریلوی مسلک کے مرجع و ماویٰ شیخ احمد رضا خان بریلوی ؒ نے محرم اور اس کی بدعات پر مختلف جگہوں پر بہت واضح اور دوٹوک انداز میں اسلام کی سچی ترجمانی کی ہے کہ:

> ''یہ اہل شیعہ کے منعقدہ مجلس مرثیہ خوانی میں اہل سنت و جماعت کا شریک ہونا حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **"من کثر سوادھم فھو منھم"** وہ بدزبان ناپاک لوگ اکثر ''تبراء'' بک جاتے ہیں، اس طرح کہ (ان پڑھ) جاہل سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ۔۔۔ ایسی جگہ جانا حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **"فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین"**(۱)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ

> افعال مذکورہ محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت کرنا ناجائز ہے، وہ مناہی ومنکرات سے پُر ہوتے ہیں''(۲)

موصوف نے تعزیہ داری، اس پر نذر و نیاز کرنے اور حاجت برآراء کی نیت سے اس پر عرائض اور درخواستیں لٹکانے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

> ''افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں، بدعت سیئہ وممنوع وناجائز ہیں''(۳)

> ماتمی لباس پہننے کے بارے میں فرمایا کہ ''محرم میں سیاہ، سبز کپڑے علامت سوگ ہے اور سوگ حرام ہے''(۴)

تعزیہ داری اور اس کی زیارت کے سلسلہ میں بالکل دوٹوک انداز میں فرمایا کہ:

> ''تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض وروگردانی کریں، اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہئے''(۵)

---

(۱) اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند و بیان الشھادۃ

(۲) احکام شریعت: ۱/ ۱۶

(۳) رسالہ تعزیہ داری، ص: ۱۵

(۴) احکام شریعت: ۱/ ۱۸

(۵) عرفان شریعت: ۱/ ۱۵، ماخوذ از یوم عاشوراء، فضیلت حقیقت اور عمل خیر، ص: ۳۲

محرم میں واقعہ حسین ؓ بیان کرنا

یحرم علی الواعظ وغیرہ روایة مقتل حسین ؓ وحکایة ما جری بین الصحابة من التشاجر والتخاصم، فإنه یهیج علی بغض الصحابة والطعن فیهم وهم علامة الدین تلقی الأئمة منهم روایة وتلقینا عنهم والطاعن فیهم طاعن فی دینه" (۱)

"واعظ ہو یا کوئی اور اس کے لئے مقتل حسین ؓ کے واقعات بیان کرنا حرام ہے، اسی طرح صحابہ کرام ؓ میں جو باہمی مشاجرہ وتنازعہ ہوا اس کو بھی بیان نہیں کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ یہ باتیں صحابہ ؓ کے بارے میں بغض وطعن پر ابھارتی ہیں؛ حالاں کہ صحابۂ کرام ؓ دین کے علماء ہیں، ائمہ دین نے ان ہی سے سیکھا ہے اور ہم نے اسے ائمہ سے حاصل کیا ہے، پس صحابۂ کرام ؓ پر طعن کرنے والا دراصل اپنے ہی دین پر طعن کرتا ہے"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کا ارشاد

آپ فرماتے ہیں:

"اس زمانے میں جو خرابیاں ہمارے واعظوں میں پیدا ہوگئی ہیں، ان میں سے ایک خرابی ان کا تمیز نہ کرنا، درمیان موضوعات وغیر موضوعات (کے قصوں) کے ہے اور ان ہی قصوں میں کربلاء کا قصہ بھی ہے" (۲)

نوٹ: ماہ محرم میں صرف تذکرہ شہادتِ حسین ؓ کو بدعت قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کا فتوی گذر چکا ہے، چوں کہ اس سے دیگر شہدائے اسلام کی شہادت سے صرف نظر یا تذکرہ شہادت حسین میں غلو کا امکان ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ شہداء اسلام کے دو چند شہیدوں کا تذکرہ کردیا جائے؛ تاکہ اس بات سے بخوبی واقفیت ہوجائے کہ تاریخِ اسلام میں شہید مظلوم صرف

---

(۱) إحیاء العلوم

(۲) بدعاتِ محرم اور تعزیہ داری، ص:۷۹

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی نہیں ہیں؛ بلکہ تاریخ کے اوراق میں اور بھی شخصیات شہید مظلوم ہیں، جنہیں تاریخ بھولے سے بھی بھلا نہیں سکتی۔

* * *

شہدائے مظلوم کا تذکرہ

سید الشہداء حضرت حمزہ ؓ کی شہادت

حضرت حمزہ ؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچا اور رضاعی بھائی ہیں، ابولہب کی باندی ثوبیہ نے آپ دونوں کو دودھ پلایا تھا، حضرت حمزہ ؓ آپ ﷺ سے صحیح قول کے مطابق عمر میں دو برس کے اور بقول بعض چار برس کے بڑے تھے، آپ کا لقب سید الشہداء ہے، جنگوں میں شتر مرغ کے پر سے پہچانے جاتے تھے، غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے دونوں ہاتھ میں تلواریں لے کر جنگ کی کفار کے بعض قیدیوں نے پوچھا کہ وہ کون شخص تھے، جو شتر مرغ کے پر لگائے ہوئے تھے؟ لوگوں نے کہا وہ حمزہ ؓ تھے، کفار نے کہا انہوں نے ہم پر دہشت طاری کر دی تھی، غزوہ بدر کے بعد غزوہ احد میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہو کر جان کی بازی لگا دی اپنے شہید ہونے سے پہلے اکتیس کافروں کو جہنم رسید کر دیا تھا، سباع خزاعی بھی انہیں لوگوں میں تھا اس سے حضرت حمزہ ؓ نے فرمایا کہ اے مقطعۃ البظور (اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے اشارہ تھا ذلیل پیشہ کرنے والی کا بیٹا ہونے کی طرف) کے بیٹے! ادھر آ، (اس کی ماں ختنہ کیا کرتی تھی)، آپ خود آگے بڑھ کر اسے قتل کیا ابن اسحق نے کہا کہ حمزہ اس دن دو تلواریں لئے لڑ رہے تھے، کسی نے کہا یہ کون شیر ہے؟ یہ حمزہ ہیں ناگاہ اسی حالت میں ان کا پیر پھسلا اور پیٹھ کے بل گر پڑے زرہ آپ کے پیٹ سے ہٹ گئ حبشی وحشی جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حملہ کے انتظار میں تھا نیزہ مار کر شہید کر دیا، ہفتہ کے دن ۱۵ شوال کو آپ شہید ہوئے، مشرکوں نے ان کے ساتھ اور تمام شہداء کے ساتھ مثلہ کیا۔

سوائے حنظلہ بن ابی عامر راہب کے کیونکہ ان کے باپ مشرکوں کی طرف سے تھے، ان کی خاطر سے مشرکوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا، ہند اور اس کی ساتھ والیوں

نے مسلمانوں کے ناک اور کان کاٹے اور ان کے پیٹ چاک کئے، ہند نے حضرت حمزہ ؓ کا پیٹ چاک کیا اور آپ کا جگر نکال کر چبانے لگی مگر نگل نہ سکی تو اسے تھوک دیا، نبی ﷺ نے فرمایا اگر حمزہ کا جگر اس کے پیٹ میں پہنچ جاتا تو وہ دوزخ میں نہ جاتی، جب نبی ﷺ نے آپ کی حالت ملاحظہ فرمائی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا، اور فرمایا اگر مجھے قابو ملا تو میں کافروں کے ستر آدمیوں کے ساتھ مثلہ کروں گا، اس پر اللہ سبحانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (١)

اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں دی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بے شک وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے، اور تمہارا صبر تو اللہ کی مدد سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حمزہ کے پاس جا کے کھڑے ہوئے جب کہ ان کے ساتھ مثلہ کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ آپ کے دل کو صدمہ پہنچائے پھر آپ نے فرمایا کہ اے چچا! اللہ تم پر رحم کرے بے شک تم بڑے صلہ رحمی کرنے والے اور بہت نیکی کرنے والے تھے۔

حضرت جابر ؓ نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ کو مقتول دیکھا تو آپ روئے پھر جب آپ نے یہ دیکھا حمزہ ؓ کا مثلہ کیا گیا ہے تو آپ چلائے اور فرمایا کہ اگر صفیہ رنجیدہ نہ ہوئیں تو میں انہیں ایسی حالت میں چھوڑ دیتا تاکہ (پرندہ اور درندان کا گوشت کھائیں اور) یہ پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے حشر کے دن نکلیں (صفیہ حضرت زبیر ؓ کی والدہ حمزہ ؓ کی بہن اور آپ ﷺ کی پھوپی ہیں)۔

---

(١) **النحل:** ١٢٦-١٢٧

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت ہے کہ جب نبی نے وہ کیفیت سنی جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی گئی تھی تو آپ ﷺ چلا اٹھے، اور جب خود ان کی حالت ملاحظہ فرمائی تو آپ پر غشی سی طاری ہونے لگی جب مدینہ لوٹ کر آئے تو آپ نے سنا کہ شہیدائے انصار کے لئے عورتیں رو رہی ہیں آپ نے فرمایا: ''حمزہ کے لئے کوئی رونے والا نہیں ہے'' انصار نے جو اس کو سنا تو انہوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے شہیدوں سے پہلے حمزہ کے لئے روئیں چنانچہ عورتوں نے ایسا ہی کیا۔

امام واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک کسی کا بھی مرثیہ پڑھا جائے تو زنان انصار ہر مرثیہ کی ابتداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کرتی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اور اس نماز میں سات تکبیریں کہیں پھر آپ کے پاس جو شہید لایا گیا آپ نے اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی اس طرح آپ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی ۷۲ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ احد کے دو دو شہیدوں کو ایک ساتھ قبر میں دفن کر دیتے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھانجے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایک قبر میں دفن کئے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن میں صرف ایک چادر دی گئی، وہ بھی ایسی چھوٹی کہ اگر ان کے سر پر ڈالی جاتی تو ان کے پیر کھل جاتے تھے، اور اگر اس سے ان کے پیر بند کئے جاتے تھے، ان کا سر کھل جاتا تھا، اس چادر سے ان کا سر ڈھانک دیا گیا، اور پیروں پر کچھ اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ (۱)

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آ کر ٹھہرے اسے دیکھ کر آپ نے بچشم تر فرمایا کہ ایسی مصیبت جیسی حمزہ رضی اللہ عنہ پر پڑی دنیا میں کسی پر نہ پڑی ہوگی، آپ کو اتنا غصہ کسی اور کی لاش دیکھ کر نہیں آیا جس قدر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھ کر آیا تاہم آپ نے فرمایا:

---

(۱) اسد الغابہ جلد اول: حصہ سوم: ۶۹۳

"جبرئیل علیہ السلام نے ابھی مجھے آکر بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ساتویں آسمان پر **"حمزة بن عبد المطلب أسد الله وأسد رسوله"** لکھ دیا گیا ہے"(۱)

جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری نے یہاں کہا کہ میں اور عبید اللہ بن عدی بن الخیار مدربین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد امارت میں گھومنے پھرنے کو نکلے جب ہم واپسی پر حمص میں جہاں وحشی بن حرب جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل سکونت پذیر تھے، وارد ہوئے تو میرے رفیق سفر نے کہا قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کسی طرح وقوع پذیر ہوا ہم نے ایک آدمی سے وحشی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ اکثر اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا رہتا ہے، اور شراب سے مخمور رہتا ہے، اگر اس نے شراب پی رکھی ہو تو اس سے معترض نہ ہونا اور اگر ہوش میں ہو تو تم اسے ایک خوش اخلاق اور بامروت عرب کے روپ میں جلوہ گر پاؤ گے جب ہم ان کے مکان پر پہنچے تو وہ صحن میں بیٹھے تھے ہم نے سلام کہا تو انہوں نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور کہنے لگے کیا تم عدی بن خیار کے بیٹے ہو؟ عبید اللہ نے کہا: ہاں آپ کا اندازہ درست ہے، کہنے لگے: میں نے جب بچپن میں تجھے میری دودھ پلائی سعدیہ کے سپرد کیا تھا، اس کے بعد سے آج تک بھر نہیں دیکھا تھا، اس دن تجھے میں نے ہی اس کے حوالے کیا تھا اور جب تجھے وادی ذی طوی میں اس کے سپرد کیا تھا تو تیرے پاؤں چمک رہے تھے، آج تم جونہی میرے سامنے آئے، میں نے تمہیں پہچان لیا۔

بعدہ ہم نے اسے کہا کہ ہم تم سے یہ پوچھنے آئے ہیں کہ تم نے حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو غزوہ احد میں کیسے قتل کیا، اس نے جواب دیا کہ میں تم سے یہ واقعہ بیان کروں گا جیسا کہ میں نے حضور ﷺ کے سامنے بیان کیا تھا۔

میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، اور اس کا چچا طیمہ بن عدی غزوہ بدر میں مارا گیا تھا، جب لشکر قریش احد کی طرف روانہ ہوا، تو جبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اگر تم حمزہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) **البدایہ:** ۴/ ۲۶۵

عم محمد ﷺ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو تم آزاد ہو، چنانچہ میں بھی اور لوگوں کے ساتھ ہو لیا، میں میدان جنگ میں اسے ڈھونڈتا پھرتا تھا، دیکھا کہ بدمست اونٹ کی طرح لوگوں کی صفوں کی تلوار سے چیرتا پھرتا تھا، اور کوئی اس کے سامنے نہیں ٹھہرتا تھا، میں اس کی تاک میں تھا اور پتھروں اور درختوں کی اوٹ میں چھپتا تھا کہ مجھے دیکھ نہ لے، چنانچہ سباع بن عبد العزی نے مجھے حمزہ ؓ کے آمنے سامنے کر دیا جب اس نے مجھے دیکھا تو ماں کی گالی دی؛ کیونکہ وہ فاحشہ عورت تھی، پھر میں نے اپنے نیزے کو جنبش دی اور جونہی موقعہ ملا میں نے نیزہ اس انداز سے پھینکا کہ اس کی ناف پر لگا اور دونوں ٹانگوں کے درمیان سے باہر نکل گیا میں نے نیزہ کو اسی حالت میں رہنے دیا، تا آنکہ حمزہ ؓ کا انتقال ہو گیا پھر میں نے اپنا نیزہ نکالا اور چونکہ مجھے اور کسی سے کوئی پرخاش نہ تھی، اس لئے اپنے لشکر میں واپس آ گیا اور جب واپس مکے پہنچا تو مجھے آزادی مل گئی۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو میں بھاگ کر طائف چلا گیا جب چند دنوں کے بعد وفدِ اہل طائف قبول اسلام کے لئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ ہوا تو زمین کی وسعتیں مجھ پر تنگ ہو گئیں اور ارادہ کیا کہ شام یمن یا اور کہیں چلا جاؤں، اس پر ایک آدمی نے مجھے کہا ارے احمق! کیا تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ جو شخص اسلام قبول کر لے حضور ﷺ اسے معاف کر دیتے ہیں وحشی نے مدینہ کا رخ کیا اور حضور ﷺ کو اس وقت اس کی موجودگی کا علم ہوا جب وہ حضور اکرم ﷺ کے سر پر جا کھڑا ہوا اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا، مجھے دیکھ کر فرمایا: وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: بیٹھو قتل حمزہ ؓ کا واقعہ بیان کرو میں نے حضور ﷺ سے صورت حال بیان کی تو فرمایا تیرا بھلا نہ ہو، آئندہ مجھے اپنا منہ نہ دکھانا، اس کے بعد حضور کی وفات تک میں آپ ﷺ سے چھپتا پھرتا، حضور ﷺ کے بعد جب اسلامی لشکر مسیلمہ کذاب کے خلاف روانہ ہوا تو میں بھی اپنے اسی نیزے کے ساتھ جس سے میں نے حمزہ کو قتل کیا تھا لشکر میں شامل ہو گیا، میدان جنگ میں میں نے مسیلمہ کذاب کو دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار لئے کھڑا تھا، چنانچہ میں اس پر حملہ آور ہونے کو تیار ہو گیا، میں نے دیکھا کہ ایک انصاری بھی اس کے تاک میں تھا

ادھر میں نے اپنے نیزۃ کو جنبش دیکر مسیلمہ پر پھینکا جو اس کے پیٹ میں لگا ادھر انصاری نے اس پر تلوار سے وار کیا، اب اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی ضرب سے وہ مرا۔ (۱)

اَلَمْ تَرَ أَنِّیْ ووحشِیِّهُمْ قتلتُ مُسَيلَمَةَ الْمُفْتَتَنْ
وَيَسْأَلُنی الناس عَنْ قتله فقلت ضربتُ وهذا طَعَنُ (۲)

امیر المؤمنین حضرت عمر ؓ بن خطاب کی شہادت

ایام خلافت میں ایک رات حضرت عمر ؓ بن خطاب نے خواب میں دیکھا جس کو حیوۃ الحیوان میں بحوالہ صحیح مسلم اس طرح روایت کیا ہے۔

ان عمر ؓ خطب الناس يوما فحمد الله واثنیٰ عليه ثم قال إني رأيت رويا وهي ان ديكا أحمر نقرني نقرة أو نقرتين فحدثتها اسماء بنت عميش فحدثني بان يقتلني رجل من الأعاجم وكان هذا القول الخ۔

حضرت عمر ؓ نے ایک دن جمعہ کے خطبہ میں فرمایا کہ لوگو! میں نے آج رات کو خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک سرخ رنگ کے مرغ نے میرے بدن پر ایک یا دو مرتبہ ٹھونگیں ماریں، پھر میں نے اس خواب کو بی بی اسماء ؓ سے ذکر کیا انہوں نے یہ تعبیر فرمائی کہ اے عمر آپ کو ایک کافر عجمی شخص قتل کرے گا، جمعہ کے دن خطبہ میں یہ خواب ذکر کیا اور بدھ کے دن صبح کی نماز میں آپ زخمی ہو گئے۔ (۳)

یہ ہمیشہ آپ کی عادت تھی کہ نماز کے شروع کرنے سے پہلے صفوں کو سیدھا کیا کرتے تھے، جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتے تھے بدھ کے دن جب آپ نے صفیں سیدھی کرنے کے بعد نیت باندھی تب فیروز نامی مغیرہ بن شعبہ کے آتش پرست غلام نے آپ کو دو دھاری چھری سے زخمی کیا، جناب کے شکم میں زیر ناف

---

(۱) **أسد الغابة**، ص: ۳۷۰۔۳۷۱ (۲) **البداية والنهاية:** ۳/ ۱۱۸

(۳) **أسد الغابه**

زخم لگایا، آپ کو گرا کر وہ ظالم بھاگا، راستہ میں جماعت کے اندر اور بھی چند صحابیوں کے شدید زخم لگائے آخر ایک انصاری نے اس پر اپنے کمبل کی اندھیری ڈال کر اسے قبضہ میں کیا، جب اس کافر نے جان لیا کہ اب میں بے قابو ہوا اپنے ہاتھ سے آپ چھری مار کر مر گیا، حضرت عمر ؓ نے عبدالرحمن بن عوف ؓ کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے حکم دیا، اور خود وہیں نماز پڑھتے رہے، اور زخمی ہو کر بھی وہیں حاضر رہے، جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے فرمایا:

يا ابن عباس أنظر من قتلني فقال غلام المغيرة بن الشعبة فقال الحمدلله الذى لم يجعل مني الخ۔

اے ابن عباس ؓ دیکھو مجھے کس نے قتل کیا ہے، حضرت ابن عباس ؓ نے عرض کی کہ جناب مغیرہ کے غلام نے جو مذہب سے مجوسی ہے، یہ سنکر فرمایا الٰہی تیرا شکر ہے کہ میری موت کسی کلمہ گو شخص کے ہاتھ نہیں ہوئی، آپ کے زخم شدید آئے تھے، بعضوں نے کہا کہ آپ اچھے ہو جائیں گے، بعضوں نے کہا، آپ کی وفات ہو جائے گی، اسی اثناء میں آپ کو شربت پلایا گیا وہ شربت فوراً زخم کی راہ سے باہر نکل آیا، کسی نے کہا نہیں شربت بجنسہ باہر نکل آیا اور زخم پار ہو گیا ہے، پھر آپ کو دودھ پلایا گیا وہ بھی فوراً باہر نکل آیا اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ زخم کاری ہے اور اب آپ کی تندرستی مشکل ہے لوگ آپ کے پوچھنے کے لئے آئے تھے، اتنے میں ایک جوان آپ کے پوچھنے کے لئے آیا اور عرض کیا۔

أبشر يا أمير المؤمنين ببشرئ الله لک من صحبة رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقدم في الإسلام ثم وليت فعدلت ثم شهادة الخ۔

بشارت ہو، آپ کو اے امیر المؤمنین بہت سی قسم کی بشارتوں سے، اول آپ کو خدا نے صحبت رسول ﷺ عنایت فرمائی کہ آپ کیسے بڑے صحابی ہیں، پھر اسلام لا کر آپ نے کیسے بڑے بڑے کام کئے، پھر آپ متولی خلافت کے ہوئے تب کیا کچھ عدل اور انصاف کیا، یہ کیسا کچھ مرتبہ خدا نے آپ کو دیا، پھر سب کے بعد جناب کو خدا نے

شہادت عطا فرمائی ان مرتبوں کا کیا ٹھکانا ہے یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا یہ سب کچھ محض خدا کا فضل اور احسان تھا، قیامت کے دن ان سب باتوں کی نسبت اگر ایسا کیا جائے کہ نہ مجھ سے سوال کیا جائے اور نہ مجھے کچھ انعام دیا جائے تو بھی اس کو غنیمت جانوں۔

فائدہ: اے مسلمانو! خدا کی سرکار کیا زبردست سرکار ہے اتنے اتنے بڑے صحابی حضور میں جاتے ہوئے کیسے ڈرتے تھے، اور اپنے عملوں کو ہیچ جانتے تھے، آپ غور کیجئے، کہ ہم اور آپ کس شمار میں رہیں گے۔

فلما ادبر إذا ازاره يمس الارض قال ردوا على الفتىٰ فقال ابن اخى ارفع ثوبک فانه اتقى لربک وأنقى الخ۔

جب یہ جوان واپس جانے لگا تب حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ اس کا تہبند زمین سے لگتا ہے، فرمایا لوگو! اس نوجوان کو میرے پاس لاؤ جب دوبارہ حاضر ہوا تو فرمایا کہ میاں اپنے تہبند کو اونچا کرلو یہ عمل اللہ کے نزدیک برا ہے، اور تمہارا کپڑا ابھی زمین پر خراب ہونے سے محفوظ رہے گا۔

فائدہ: مسلمانوں غور کرو، جان جارہی ہے نزع کی حالت ہے مگر اس وقت بھی خلاف شرع بات نہ دیکھ سکے، اور نصیحت فرمائے بغیر نہ رہے ہم خدا کو کیا جواب دیں گے کہ کیسے کیسے خلاف شرع لوگوں سے رات دن خلا ملا رکھتے ہیں: **معاذ اللہ من ذلک۔**

جب آپ کی حالت زیادہ نازک ہونے لگی تب آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کہ اے عبداللہ تم بی بی عائشہ ؓ کے پاس جاؤ۔

فقل لها يقرأ عليك عمر السلام ولا تقل أمير المؤمنين فإني الخ۔

اور بی بی عائشہ ؓ سے عمر کا سلام کہنا، اے عبداللہ! خبردار مجھے امیر المؤمنین نہ کہنا، آج میں امیر المؤمنین نہیں ہوں؛ بلکہ ایک مردہ ہوں، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بی

بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی عمر کے غم میں رو رہی ہیں عرض کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے، اور اذن چاہا ہے کہ اگر آپ اپنے حجرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں میں دفن ہونے کی اجازت فرمائیں، بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ جگہ خاص میں نے اپنے لئے رکھی تھی مگر میں اپنی جان سے عمر کی جان کو زیادہ پسند کرتی ہوں، اور اجازت دیتی ہوں، کہ شوق سے اس مبارک جگہ میں دفن کئے جائیں جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہاں سے اجازت لے کر چلے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اجازت کا سخت انتظار کر رہے تھے، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔

فقال مالديک قال الذی تحب قد اذنت قال الحمد لله ما كان شي أهم إلي من ذلک فاذا انا قبضت فاحملونی ثم سلم فقل يستاذن عمر بن الخطاب الخ۔

فرمایا کہ اے عبداللہ رضی اللہ عنہ کیا خبر ہے، عرض کیا کہ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی فرمایا کہ الٰہی تیرا شکر ہے مجھے اس بات کی نہایت ہی فکر تھی؛ لیکن اے عبداللہ تم ایک اور کام کرنا جس وقت میں مر جاؤں میرے جنازہ کو تیار کر کے پھر بی بی عائشہ صدیقہ کے سامنے لے جا کر رکھنا اور یہ کہنا کہ اس وقت عمر کا جنازہ حاضر ہے، اور آپ سے اجازت چاہتا ہے اگر اس وقت بھی اجازت فرمائیں تو مجھے اندر دفن کرنا اور اگر اس وقت اجازت نہ دیں تو عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن کر دینا، مجھے اندیشہ ہے کہ شاید کچھ میرے لحاظ سے اجازت دی ہو اسی لئے بعد وفات پھر اجازت لے لینا۔

فائدہ: سبحان اللہ کیا خوف خدا ہے کیا احتیاط ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان عمر قال لابنه عبد الله خذ رأسي عن الوسادة فضعه في التراب لعل الله يرحمني وويل لي ويل لأمّي ان

لم یرحمنی ربی عزو جل فإذا انامت فاغمض عینی واقصد فی کفنی فانه الخ۔

حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں حضرت عمر ؓ نے اپنے فرزند عبداللہ سے فرمایا کہ اے عبداللہ میرا سر تکیہ سے ہٹا کر زمین پر ڈال دے تاکہ میں اپنا سر خدا کے سامنے زمین پر ڈال کر رگڑوں شاید میرا رب مجھ پر رحم فرمائے وائے ہے عمر ؓ کے لئے اگر اس پر اللہ نے رحم نہ کیا اے عبداللہ اگر میں مر جاؤں تو میری آنکھیں بند کر دینا اور میرے کفن میں میانہ روی کرنا اسراف نہ کرنا کیونکہ میں اگر خدا کے نزدیک کچھ اچھا ٹھہروں گا تو مجھے دنیا کے کفن سے بہت بہتر کفن مل جائے گا اور اگر میں برقرار دیا گیا تو یہ بھی میرے پاس نہ رہے گا چھن جائے گا:

فقال عمر واللہ لو ان مافی الارض من شیء لافتدیت به هول المطلع فقال ابن عباس ؓ واللہ انی ارجو ان لاتراها مقدار ماقال اللہ تعالیٰ وان منکم الا۔۔۔۔

کہا حضرت عمر ؓ نے قسم ہے اللہ کی اگر سارے جہان کی دولت اور سامان اس وقت میرے پاس ہوتا تو قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے نجات پانے کے لئے خیرات کر دیتا یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی میں تو آپ کی نسبت یہ گمان رکھتا ہوں کہ آپ تو برائے نام ہی جہنم یا قیامت کی ہولناک چیزوں کی صورت دیکھیں گے، بہت ہی ذرا سی دیر سامنے وہ چیزیں رہیں گی کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے آپ امیر المؤمنین امین المؤمنین سید المؤمنین ہیں، آپ فیصلہ کرتے ہیں، احکام میں کتاب اللہ کے ساتھ، اور نہایت انصاف کرتے ہیں، پس یہ تقریر حضرت عبداللہ ؓ بن عباس ؓ کی حضرت عمر ؓ کو بہت پسند آئی سخت تکلیف کی حالت میں نہایت جوش اور شوق میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اے عبداللہ ابن عباس ؓ کیا تو ان باتوں کی شہادت قیامت کے دن اللہ کے سامنے دے گا حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ہاں دوں گا یہ سن کر حضرت عمر ؓ کو اطمینان ہوا اس کے بعد بہت سی

نصیحتیں فرما کر انتقال فرمایا: **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔

جنازہ کو جناب کے تیار کر کے حضرت عائشہ ؓ کے حجرہ کے سامنے لاکر رکھا اور بآواز بلند عرض کیا کہ اے ام المؤمنین یہ جنازہ عمر ؓ کا حاضر ہے اور اب پھر جناب سے اجازت مانگتا ہے کہ اگر حکم ہو تو حجرہ شریف میں دفن کیا جائے بی بی عائشہ ؓ روتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ میں خوشی سے آج حضرت عمر ؓ کو اجازت دیتی ہوں، جناب کو حجرہ شریف میں دفن کیا گیا۔ (۱)

ولما توفي عمر اظلمت الارض فجعل الصبي يقول يا اماه أقامت القيامة الخ۔

جس دن عمر ؓ کا انتقال ہوا اس دن سورج کو گہن لگا سارے مدینہ میں اندھیرا ہوا اس طرف لوگوں کو رونا ادھر سورج کا سیاہ ہونا ایک معرکہ قیامت کا نظر آتا تھا مدینہ کے بچے اپنی ماؤں سے پوچھتے تھے کہ اے ماں کیا آج قیامت ہے؟ مائیں کہتی تھیں کہ نہیں بلکہ آج امیر المؤمنین عمر کا انتقال ہوا، مسلمانو! اسی وقت مدینہ کے مسلمانوں پر ایک عظیم الشان صدمہ تھا، ظاہری و باطنی دونوں طرح کا نور اس وقت مدینہ سے رخصت ہوا تھا ادھر سورج گہن ادھر حضرت عمر ؓ کی وفات **البقاء للہ رب العالمین**۔

جناب صدیق اکبر ؓ پر محبت اور عشق غالب تھا اور جناب عمر ؓ پر خوف غالب تھا۔ (۲)

فلما مات راه العباس ؓ فقال كيف وجدت الأمر يا أمير المؤمنين الخ۔

بعد وفات کے حضرت عباس ؓ نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اے امیر المؤمنین کیا معاملہ ہوا فرمایا: **وجدت ربا رحیماً** میں نے اپنے رب کو نہایت رحم والا پایا، **والحمد للہ رب العالمین**۔

---

(۱) اسد الغابہ اردو: ۷/ ۶۶۸ مطبوعہ حافظی بک ڈپو، دیوبند

(۲) **طبقات کبریٰ للعشرانی**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب دس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے گزرے تو ایک صحابی کا انتقال ہوا، ان کے جنازہ کی نماز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پڑھانے تشریف لائے چاہتے تھے کہ نماز کی نیت باندھیں کہ یک بیک وہ زندہ ہوکر بولا ''السلام علیکم'' اے عثمان رضی اللہ عنہ! تم سچے ہو دو برس تمہاری خلافت کے اور باقی ہیں بئر اریس کا قصہ بھی قریب ہے دنیا میں بڑا فساد ہوگا قوی ضعیف کو کھائے گا یہ کہہ کر وہ مردہ پھر مرگیا اس واقعہ کے ایک سال کے بعد ایک دن آپ اریس نامی کنویں پر بیٹھے تھے کہ آپ کے ہاتھ سے مہر مبارک جناب رسالت مآب کی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا کنوئیں میں گرگئی، اس کنوئیں میں انسان کی کمر تک پانی تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جو اس مہر کو اس کنوئیں سے نکالے گا ایک لاکھ روپیہ اس کو انعام دوں گا، لوگوں نے ہر چند کوشش کی اور کنوئیں کی مٹی تک نکال ڈالی مگر مہر کا کہیں پتہ نہ لگا اگر آنحضرت کی مہر دنیا میں باقی رہتی تو قیامت تک آپ کے متبعین کی حکومت اسی طرح باقی رہتی اس مہر کے گم ہوتے ہی لوگوں کا خیال کچھ دگرگوں ہوگیا، طرح طرح کی شکایتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کرنے لگے اور چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں پر آپ کی گرفت کرنے لگے ایک شخص نے مدینہ میں کبوتر اڑانے شروع کئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کبوتروں کے پر کاٹ ڈالے اب وہ کبوتر باز آپ کی جان کے دشمن ہوگئے پھر کسی نے غلیل بنائی اور غلہ اڑانے لگا آپ نے فرمایا کہ اس سے کسی کو تکلیف ہوگی اور غلیل تڑوادی غلیل باز بھی آپ کے دشمن ہوگئے، دوسری بات یہ ہوئی کہ عبداللہ بن سبا یہودی، یہودی تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں منافق بن کر مسلمان ہوگیا تھا کچھ دن مکہ مدینہ میں رہا مگر یہاں اس کا داؤ کچھ نہ چلا، تو پھر یہ منافق شہر بصرہ میں گیا کچھ وہاں اس نے نقص پھیلایا، پھر کوفہ میں گیا، مگر کہیں پورے طور سے اس کو موقع نہ ملا، جب مصر میں آیا تو اہل مصر کو یہ بات تعلیم کی کہ بتاؤ محمد کا مرتبہ زیادہ ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کا سب نے کہا کہ ہمارے حضرت کا بہت زیادہ ہے کہا بڑا افسوس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو قیامت سے پہلے دنیا میں آئیں اور کفار کو ہلاک کریں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نہ

آئیں، اورآپ کے دشمن جو چاہیں کیا کریں یہ بات کب ہوسکتی ہے اہل مصر نے یہ مسئلہ رجعت کا مان لیا کہ ہاں ہمارے نبی بھی زندہ ہوکر کافروں کو قتل کریں گے جب یہ مسئلہ لوگوں نے مان لیا تو پھر یہ سکھایا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور جناب رسالت کے وصی علی کرم اللہ وجہ ہیں، خلافت وصی کا حق ہوتا ہے، عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت کو غصب کرلیا ہے، تم کسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے الگ کرو اور علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ لوگوں نے کہا کہ ہم کس طرح انہیں موقوف کریں تو اس یہودی نے یہ تعلیم دی کہ تم پہلے جو حاکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر پر ہیں ان کی شان میں اعتراض کرو اور لوگوں کو اپنی طرف راغب کرو، اور جگہ جگہ مصر میں اور بصرہ میں خط روانہ کرو، اب تو جگہ جگہ خط حاکموں کی برائی کے جاری ہونے لگے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے حاکم ظلم کرتے ہیں بہت سے آدمیوں کو کوفے اور بصرہ کے بھی اسی خیال میں شریک کرلیا۔

یہاں تک کہ اہل مصر اور اہل کوفہ وبصرہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خط لکھے کہ اور تو ہم سب طرح بخیریت ہیں مگر آپ کے عامل حاکم بہت بڑے ظالم ہیں ان کو آپ موقوف کردیں دوسرے حاکم مقرر کریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ جس پر میرے حاکموں نے ظلم کیا ہے وہ ضرور اس سال حج کرنے آئے، میرے عامل بھی آئیں گے، اس وقت سب کے ظلم کا بدلہ دلوادوں گا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے حاکموں سے فرمایا کہ تم کیوں ظلم کرتے اور رعاعا کو ستاتے ہو لوگ مجھ سے شکایت کرتے ہیں، سب نے عرض کیا کہ حضور یہ بات بالکل جھوٹ ہے آپ شکایت کرنے والوں کو طلب کریں جو شکایتیں آپ کو لکھتے ہیں وہ ہمارے سامنے آئیں اس وقت بات ہوسکتی ہے مگر ان جھوٹوں میں سے وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا، حج کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تم کو کیا شکایت ہے لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے کنبے والوں کو بہت دیتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کیا دیا، لوگوں نے کہا کہ آپ نے مروان کو پندرہ ہزار درہم دیئے اور عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار درہم دیئے، ہم کو آپ سے یہ شکایت

ہے، حضرت عثمان ؓ نے دونوں سے وہ روپیہ واپس کرلیا لوگ راضی ہوکر چلے گئے، حضرت معاویہ ؓ بڑے ہوشیار شخص تھے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین لوگ آپ کے قتل کا حیلہ ڈھونڈھتے ہیں یہ تو صرف بہانے ہیں آپ میرے ساتھ ملک شام چلیں مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں سے کوئی لشکر نہ آجائے، جو آپ کو قتل کردے، حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ میں ہمسایہ اپنے حبیب محمد رسول ﷺ کا کسی طرح نہ چھوڑوں گا اگر چہ لوگ مجھے قتل کرڈالیں، پھر معاویہ ؓ نے یہ کہا کہ میں شام کے ملک سے ایک فوج آپ کی حفاظت کے واسطے بھیج دوں حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ مدینہ کی زمین آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ پر تنگ نہ کروں گا، معاویہ ؓ نے کہا کہ آپ کو لوگ دھوکے سے قتل کریں گے فرمایا: **حسبی اللہ ونعم الوکیل،** اللہ کے سپرد کرو حضرت معاویہ ؓ نے سفر کے کپڑے پہنے اور مسجد نبوی میں آئے اور لوگوں سے کہا کہ یہ شیخ تمہارے نبی ﷺ کا خلیفہ ہے، ذرا ان کے ساتھ برائی نہ کرنا، یہ کہا اور رخصت ہوکر ملک شام کو روانہ ہوئے، جب سب لوگ چلے گئے تو اہل مصر اور کوفہ اور بصرہ والوں نے شکایتیں لکھنی شروع کیں مگر اب حضرت عثمان ؓ نے ان کا جواب نہ دیا، شوال کے مہینے میں قریب ایک ہزار مصری اسی قدر کوفہ والے اور پانچ سو بصرہ کے لوگ حج کا نام لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ کو گھیر لیا جب حضرت عثمان ؓ نے دیکھا کہ لوگ مجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے حضرت علی ؓ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ میری اور تمہاری قرابت ہے تم کو لوگ مانتے ہیں ان لوگوں کو منع کرو کہ میرے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کریں اور جو کچھ ان کا مطلب ہے وہ میں پورا کردوں گا حضرت علی ؓ ان لوگوں کے پاس گئے اور کہا کہ تمہارا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا کہ مصر سے پہلے حاکم کو موقوف کرو اور محمد بن ابی بکر ؓ کو مصر کا حاکم بنادو، حضرت عثمان ؓ نے پہلے حاکم کو موقوف کیا اور محمد بن ابی بکر کو حاکم بنادیا، اہل مصر راضی ہوکر چلے گئے مروان ایک شخص تھا حضرت عثمان ؓ کا رشتہ دار یہ بڑا نکما تھا، اس نے ایک خط پہلے حاکم کے نام جو مصر میں حاکم تھا اور اس کا رشتہ دار تھا، یہ لکھا کہ یہ خط عثمان امیر المؤمنین کی طرف سے ہے جس وقت محمد بن

ابو بکر رضی اللہ عنہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو قتل کر دینا اور فلاں فلاں جو ساتھ ہیں ان کو بھی قتل کرنا خفیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام کو اونٹ پر سوار کر کے مصر کو روانہ کر دیا، راستہ میں وہ لوگ اور یہ غلام باہم مل گئے، اس غلام سے پوچھا کہ تم کہاں جاتے ہو کہا کہ میں مصر جاتا ہوں پوچھا کہ کیوں جاتے ہوں بولا کہ امیر المؤمنین کا ایک پیغام ہے لوگوں نے کہا کہ مصر کا حاکم تو ہمارے ساتھ ہے، جو کچھ پیغام ہو ان سے کہو، غلام نے کہا یہ نہیں وہ حاکم جو مصر میں ہے، لوگوں نے کہا تمہارے کوئی خط ہے غلام نے کہا کہ نہیں، کوئی خط نہیں ہے مگر لوگوں کو شبہ ہوا اس غلام کی تلاشی لی گئی تو دیکھا کہ ایک خط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے پہلے حاکم کے نام ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو لوگوں نے زبردستی حاکم مقرر کر دیا ہے، جس وقت یہ لوگ مصر میں آئیں تو محمد بن ابی بکر کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنا اور ان سب کو دائم الحبس کرنا، یہ خط جو نکلا تو سب لوگ غصہ میں آگ ہوئے اور واپس مدینہ منورہ میں آئے اور مدینہ میں تمام صحابہ کو جمع کیا اور وہ خط سنایا صحابہ وہ خط لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط دکھایا اور فرمایا کہ یہ خط تم نے لکھوایا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا لوگوں نے کہا کہ سواری کا اونٹ آپ کا ہے، جو اس خط لے جانے والے کی سواری میں تھا، فرمایا کہ ہاں میرا ہے فرمایا یہ خط لے جانے والا آپ کا غلام ہے فرمایا کہ ہاں میرا غلام ہے، یہ مہر آپ کی ہے جو خط پر لگی ہوئی ہے فرمایا ہاں میری ہے، پھر خط کیوں کر آپ کا نہیں ہے، فرمایا واللہ نہ میں نے خط لکھا نہ لکھوایا میری مہر کسی نے چرائی ہے اور میری طرف سے لگائی ہے اب تو سب نے کہا کہ ایسے بڈھے ہو گئے ہیں کہ ان کو مہر اور خط کی بھی خبر نہیں رہی تو ان کو خلافت سے معزول کرنا چاہئے ورنہ انہیں ہم قتل کر ڈالیں گے ہزاروں آدمی بلوہ کرنے کے لئے جمع ہو گئے صحابہ نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! آپ ہم کو لڑائی کا حکم دیجئے کہ ہم ان کو مار کر بھگا دیں آپ نے فرمایا کہ تم کو قسم ہے اللہ کی میرے لئے تم کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون کا نہ گرانا میں قیامت میں حضور رب العالمین کے سامنے کیا جواب دوں گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا آپ مکہ معظّمہ چلے جائیے آپ نے فرمایا کہ میں نے جناب

رسالت مآب سے سنا ہے، کہ مکہ میں ایک شخص اپنا خون گرائے گا مجھے کو اللہ سے شرم آتی ہے کہ حضور ﷺ کے حرم محترم کو اپنے ناپاک خون سے آلودہ کروں عرض کیا کہ اچھا آپ ملک شام چلے جائیں، وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے پاس لشکر ہے آپ وہاں امن سے رہیں گے فرمایا کہ میں اس آخری وقت میں اپنے نبی کے مزار کو کس طرح چھوڑ کر چلا جاؤں میں ہرگز نہ جاؤں گا، عرض کیا کہ آپ اگر کہیں نہیں جاتے تو خلافت کسی اور کو دیدیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کچھ عین حالت وفات میں یوں فرما گئے تھے، کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ لوگ تم سے خلافت لینی چاہیں گے تم خلافت ہرگز نہ دینا اگر میں اس وقت گھبرا کر جان کے خوف سے تم کو خلافت دے دوں اور حوض کوثر پر جناب رسالت مآب مجھ سے سوال کریں کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ میں نے تم کو منع کیا تھا اس وقت بتاؤ کہ میں کیا کہوں گا مگر ہاں میں مسجد میں چلتا ہوں اور لوگوں کے سامنے عذر کرتا ہوں، کہ یہ خط میں نے نہ لکھا نہ لکھوایا، نہ مجھے اس کی خبر ہے، یہ کہنے کے لئے آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ فرمانا شروع کیا کہ ظالموں نے آپ کے اوپر پتھر پھینکنے شروع کئے یہاں تک کہ آپ بیہوش ہو کر ممبر سے نیچے گرے لوگ آپ کو اسی حالت میں اٹھا کر مکان میں لائے بہت دیر میں ہوش آیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ ہم کو ان سے قتال کرنے کی اجازت دیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کو قسم ہے اس کی جس نے زمین و آسمان بنایا ہے تم سب میرے سامنے آپنی تلواریں توڑ ڈالو سب کی تلواریں تڑوادیں، پھر فرمایا اے مصری لوگو تم مجھ کو کیوں قتل کرتے ہو میری تو عمر تھوڑی سی باقی ہے میں خود بخود مر جاؤں گا قسم ہے اللہ کی جب کبھی لوگوں نے کسی نبی کو ناحق قتل کیا تو ہزارہا آدمی اس نبی کے بدلہ میں قتل ہوئے ہیں اور میں خلیفہ ہوں سید المرسلین کا میرے بدلہ میں اسی ہزار قتل ہوں گے اگر مسلمان میرے قاتلوں سے بدلہ نہ لیں گے، تو آسمان سے رب العالمین پتھر برسا کر میرے قاتلوں کو ہلاک کردیگا، دیکھو! ایسا نہ کرنا اللہ کی قسم اس وقت تو تم میری موت کی تمنا کرتے ہو اور میرے قتل ہو جانے کے بعد یوں تمنا کرو گے کہ کاش عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک سانس ایک

برس کی برابر ہو جاتا اس وقت ایک بلوائی نے آپ کے ہاتھ کا عصا جو آں جناب ﷺ کا تبرک تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین کر اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا، فوراً اس کے گھٹنے میں ایک پھوڑا پیدا ہوا اور شام تک اس کا سارا بدن گل گل کر گر گیا اب بلوائی سینکڑوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے گرد جمع ہوئے اور مکان کو گھیر لیا اور یہ کہا کہ اب بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے گھر کے اندر کا آنا جانا بند کر دیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نماز کے واسطے بھی گھر سے نہ نکلنے دیا کوئی چیز کھانے کی گھر میں نہ جانے دی، یہاں تک کہ آپ کا پانی بھی بند کر دیا، جو کچھ گھر میں موجود تھا، وہ سب ختم ہو چکا، پھر سارا گھر پیاس سے بے چین ہونے لگا سات دن برابر اسی طرح گزرے اور کسی کو ایک قطرہ پانی کا نہ ملا تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کی کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی کہ یہاں علی رضی اللہ عنہ ہیں، کسی نے جواب نہ دیا، فرمایا کہ یہاں سعد رضی اللہ عنہ ہیں پھر کسی نے جواب نہ دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امت محمدیہ فارس اور روم کے بادشاہ بھی اگر کسی کو قید کرتے ہیں تو ضرور اس کو دانہ پانی دیتے ہیں، اے امت محمدیہ میں تمہارا ایسا گنہگار قیدی ہوں کہ مجھ کو تم پانی بھی نہیں دیتے ہو، ہے کوئی جو اللہ کے واسطے آج عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک پیالہ پانی پلا دے، اس کے بدلے میں پہلا پیالہ جو مجھ کو میرے نبی حوض کوثر پر عطا کریں گے میں وہ پیالہ اس کو پلا دوں گا، وہاں حوض کوثر کی کس کو پرواہ تھی، مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی مشکیں آپ نے لبریز کروائیں اور خود تلوار کمر سے باندھی اور سر پر آں حضرت ﷺ کا عمامہ باندھ کر پانی لے کر چلے اور لوگوں سے کہا یہ کام تو کافر بھی نہیں کرتے لوگو جو تم نے کیا ہے، پانی بند نہ کرو دیکھو غضب الٰہی نازل ہو جائے گا مگر انہوں نے مشکوں میں برچھے مار کر پانی نکال دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمامہ پر ہاتھ مار کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پھینک دیا اتنے میں ام حبیبہ ام المؤمنین ایک خچر پر سوار ہو کر اور ایک پانی کی مشک ساتھ لے کر آئیں اور یہ خیال کیا کہ کمبخت میرا تو ادب کریں گے اور لوگوں سے یہ کہا کہ بنی امیہ کی کچھ امانتیں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہے ذرا میں ان کے پاس جانا چاہتی ہوں تا کہ وہ امانت لے آؤں یہ سن کر بلوائی بولے کہ او جھوٹی یہ کہہ کر خچر

کے منہ پر لکڑی ماری اور چار جامہ کا بند کاٹ دیا خچر آپ کو لے کر بھاگا بی بی ام حبیبہ گرتے گرتے بچیں یہ واقعہ دیکھ کر لوگ گھبرائے اور کہا کہ خدا تمہارا ناس کرے۔

ازواج نبی ﷺ کے ساتھ بھی ایسی بری طرح پیش آنے لگے اہل مدینہ کو بہت غصہ آیا اور تلواریں لے کر حضرت عثمان ؓ سے عرض کیا کہ اب تو ازواج نبی کی بھی بے حرمتی ہونے لگی، اے عثمان ؓ ہم کو لڑنے کی اجازت دیجئے، حضرت عثمان ؓ نے کہا تم میرے لئے اپنی جانیں ضائع نہ کرو اگر مجھ کو لڑنا منظور ہوتا اب تک ہزارہا فوج شام اور عراق سے منگاتا، میں لڑنا ہرگز بھی نہیں چاہتا سب کو قسمیں دے کر واپس کر دیا پھر جب کچھ دن اور گزرے حضرت عثمان ؓ کو پانی کی بہت تکلیف ہوئی آپ نے پھر اپنا منھ کھڑکی سے باہر نکال کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ جب رسالت مآب ﷺ مدینہ منورہ میں آئے تھے، تو یہاں پانی مسلمانوں کو مول سے ملتا تھا، اور کنوئیں یہود کے قبضہ میں تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کو دیدے خدا اس کے بدلے میں جنت عطا کرے گا، میں نے پچیس ہزار روپیہ میں کنواں خرید کر تمہارے اوپر وقف کیا، ہائے! وہی آج میں ہوں کہ چالیس دن سے میٹھے پانی کے لئے عثمان کے بچے روتے ہیں اور انہیں پانی نہیں ملتا، شام کو عثمان ؓ کھارے پانی سے روزہ کھولتے ہیں۔

لوگو! تم کو معلوم ہے کہ مسجد نبوی ابتداء میں نہایت تنگ تھی میں نے پچیس ہزار دیکر مکان اور زمین خرید کر مسجد نبوی میں شامل کی، آج میں ایسا ہو گیا کہ تم مجھ کو مسجد میں دو رکعت پڑھنے سے منع کرتے ہو، لوگو! تم قیامت میں کیا عذر کرو گے؟ پچاس دن تک اسی طرح ایک مکان میں حضرت عثمان ؓ قید رہے، اس عرصہ میں برابر روزے رکھتے تھے، ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسالت مآب ﷺ اپنے مزار سے باہر تشریف لائے اور ابوبکر ؓ اور عمر ؓ آپ کے ساتھ ہیں، حضرت عثمان ؓ کے پاس آئے، اور یہ فرمایا کہ اے عثمان! کیا تمہیں پیاس بہت لگی ہوئی ہے، تم نے چالیس دن تک کھارے پانی سے روزہ کھولا، اور اب دس دن سے وہ کھارے پانی بھی

نہیں ملا، اے عثمان! کل روزہ تم ہمارے پاس آ کر کھولو گے ہم حوض کوثر کے پانی سے تمہارا روزہ کھلوائیں گے، اے عثمان کل تم شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے خون کا پہلا قطرہ **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**، آیت پر پڑیگا، اور قیامت تک وہ قطرہ خون کا اسی جگہ رہے گا، ہرگز وہاں سے نہ دھویا جائے، یہ خواب دیکھ کر حضرت عثمان ؓ نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور یہ فرمایا کہ آنے دو کیوں کہ آج تو میری دعوت حضور کوثر پر کر گئے ہیں، دروازہ کھولتے ہی بلوائی اندر گھس آئے اور اس خیال سے کہ شاید کوئی دروازہ پھر نہ بند کر دے، کواڑوں میں آگ لگادی دروازہ کے اوپر چھپر پڑا تھا، اس میں بھی آگ لگ رہی تھی، جناب عثمان ؓ اس وقت نماز پڑھتے تھے، اور سورۂ طہٰ شروع تھی، اور جناب کی نماز میں یا قرأت پڑھنے میں ذرا فرق یا لکنت نہ تھی یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے قرآن منگایا کھولا سامنے رکھا وہی آیت نکلی ایک آدمی آپ کے قتل کے ارادے سے آپ کے پاس آیا آپ نے فرمایا تو مجھ کو قتل نہ کر کیونکہ نبی ﷺ نے تیرے لئے دعاء کی تھی کہ اللہ تجھ کو عثمان کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچائے کیا تو میرے نبی کی دعا کے خلاف کرے گا، اس شخص کو تو یہ سنتے ہی پسینہ آیا اور شرمندہ ہو کر گھر سے باہر نکل گیا، پھر ایک اور آیا اور چاہا کہ آپ کو قتل کرے آپ نے فرمایا کہ دیکھ تیرے لئے نبی ﷺ نے فلاں دن بخشش کی دعا مانگی تھی تو میرے خون سے آلودہ نہ ہو کیا قیامت میں میرا خون میرے نبی کی دعا کا مقابلہ کرے گا، خبردار میرا خون اس قابل نہیں جو نبی کی پاک دعا سے مقابلہ کر سکے، وہ شخص بھی شرمندہ ہو کر چلا گیا، حضرت عبداللہ بن سلام آئے اور یہ کہا کہ اے ظالموں خبردار عثمان ؓ کا خون نہ کرنا، دیکھو اللہ تعالیٰ ایک عثمان کے بدلے اسی ہزار کو ہلاک کرے گا، اس وقت تک مدینہ منورہ کی حفاظت ملائکہ کرتے ہیں جس وقت تم عثمان کو قتل کر دو گے ملائکہ چلے جائیں گے ایک ظالم بولا کہ او یہودی بچے تو کیا جانے اپنا کام کر حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ تم صبر کرو اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو مجھ کو میری قبر کے پاس بٹھا کر قتل کرنا اور پھر اسی وقت قبر میں ڈال دینا اتنے میں محمد بن ابی بکر گھر میں آیا اور عثمان کی چھاتی پر بیٹھ کر آپ کی داڑھی کو ہاتھ میں پکڑ کر خوب زور سے ہلایا آپ کے

دانت سے دانت بجنے لگے ہاتھ سے داڑھی کو نہ چھڑایا، کیا حلم تھا، زبان سے یہ کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو اس داڑھی کی بہت تعظیم کرتے تھے اگر آج ابوبکر تجھ کو اس جگہ بیٹھا ہوا دیکھتے کہ جہاں تو اب بیٹھا ہے تو بہت رنجیدہ ہوتے محمد یہ بات سن کر چلے گئے اور کچھ نہ کہا سودان ابن حمران ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اے بے دین تو کس دین پر ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دین محمدی پر ہو، اس ظالم نے بڑے زور سے آپ کا گلا گھونٹا پھر ایک ظالم آپ کے پاس آیا، اور آپ کے چہرہ پر طمانچہ مارا اور تلوار آپ کی جانب اٹھائی آپ نے ہاتھ سے تلوار کو روکا، ہاتھ کٹ گیا، فرمایا کہ وہ ہاتھ جو وحی لکھا کرتا تھا آج یہ راہ مولیٰ میں کٹا ہے یہ وہ ہاتھ تھا جس نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جس دن سے یہ ہاتھ نبی کے ہاتھ سے ملا تھا کسی گندی چیز کو اس ہاتھ نے نہ چھوا تھا، لوگو! ذرا اس ہاتھ کو اچھی طرح دفن کرنا اس ظالم نے کہا کہ لو بلاؤ اپنے مددگاروں کو فرمایا کہ کس کو بلاؤں میرا جو مددگار ہے وہ میرے پاس ہے پھر ایک شخص اور آیا اور اس نے تین زخم آپ کے ماتھے پر اور تین چھاتی پر برچھے کی نوک سے کئے اس وقت جو قرآن شریف آپ کے سامنے رکھا تھا اور اسے آپ پڑھ رہے تھے، اس پر ایک لات زور سے ماری کہ وہ قرآن مجید دور جا گر پڑا مگر اسی وقت وہ قرآن خود بخود وہاں سے اٹھ کر پھر آپ کے سامنے آیا اور پہلا قطرہ خون کا اس آیت پر پڑا **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ** اے عثمان! تیرا بدلہ لینے کو تیرا مولیٰ کافی ہے، آپ **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ** کہتے ہوئے زمین پر گرے اس ظالم نے آپ کی پسلیوں پر جوتیوں سمیت کودنا شروع کیا تین پسلیاں آپ کی ٹوٹ گئیں، پھر لوگوں نے آپ کا سر کاٹ کر لے جانا چاہا تو آپ کی بیویاں آپ کے اوپر گر گئیں ظالموں نے آپ کی ازواج کا زیور اتارا اور گھر کا سب اسباب لوٹ لیا اور آپ کے چہرہ مبارک پر تھوکا اور لاش کو کھینچ کر ایک کوڑے پر لے جا کر ڈال دیا۔

آج یہ کون کوڑے پر بے گور و کفن پڑا ہے جسے نبی نے یوں کہا تھا، کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ تو جب جنت میں جائے گا دو مرتبہ جنت تجھ کو دیکھ کر ہنسے گی آج ان کا جنازہ مدینہ کے کوڑے پر تین دن سے پڑا ہے جن کے غم میں اکیس روز تک جناب روتے رہے آج

مدینہ میں کوئی ان کے رونے والا نہیں ہے، آپ کی وفات کے وقت ایک آواز آئی مبارک اے عثمان تجھ کو خدا کا دیدار اور اس کی ملاقات چوتھے دن رات کے وقت کچھ صحابہ آئے اور آپ کا جنازہ کوڑے سے اٹھا کر لے چلے تو یکا یک گھوڑوں کے چلنے کی آواز آئی لوگ ڈرے کہ شاید کوئی غنیم آیا ہے، ایک سوار نے آواز دی کہ گھبراؤ نہیں ہم بھی جنازہ کو دفن کرنے کا ثواب لینے آئے ہیں، یہ ملائکہ تھے، جب آپ کے جنازہ کو نماز کے لئے رکھا تو آسمان سے آواز آئی کہ تم ان کی نماز نہ پڑھو ہم نے ملائکہ سے نماز پڑھوا دی جب قبر کے پاس جنازہ کو لے کر گئے رات کا وقت تھا اور بہت اندھیرا تھا قبر میں اترتے ہوئے آپ کے بیٹے رونے لگے اور یہ کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ لاکھوں درہم راہ خدا میں دیئے مگر کفن کے لئے تو مولیٰ سے کچھ مانگ لیا ہوتا آج خلیفۂ رسول اللہ بے کفن قبر میں تشریف لئے جاتے ہیں آپ کو علیحدہ ایک جنگل میں دفن کر دیا، ادھر ظالم بلوائی منتظر تھے کہ اگر اس طرف سے جنازہ آئے گا تو ہم جنازہ پر پتھراؤ کریں گے وہاں جنازہ غلام کا آقا کے قدموں میں پہنچ چکا۔

اسی رات کو حضرت حسن ؓ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان پر ایک بڑا دربار عالیجاہ قائم ہوا اور عرش رب العالمین سامنے لایا گیا اور جناب رسالت مآب ﷺ عرش کے قریب آئے اور عرشِ الٰہی کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہوئے پھر فرمایا ابوبکر ؓ آئے اور آپ کے پاس کھڑے ہوئے پھر عمر ؓ آئے وہ ابوبکر ؓ کے پاس کھڑے ہوئے پھر عثمان ؓ آئے اس حالت میں کہ آپ کا سر آپ کے ہاتھ میں ہے، ارشاد ہوا کہ اے عثمان ؓ کیا کہنا ہے عرض کیا یارب اپنے بندوں سے پوچھ کہ میرا سر انہوں نے کس قصور میں کاٹا، پھر حضرت عثمان ؓ کے سر سے اتنا خون نکلا کہ دو پرنالے آسمان سے زمین کی طرف جاری ہوئے اور ان پرنالوں کے راستے سے وہ خون زمین پر آیا جس کے سبب ساری دنیا سرخ ہوگئی، پھر تو حضرت عثمان ؓ کے خون کے بدلے میں نوے ہزار آدمی قتل ہوئے۔ **(نعوذ باللہ من ذلک)**۔ (۱)

---

(۱) **تاریخ خمیس في أحوال أنفس نفيس: ۲/ ۲۶۵**

حضرت علی ؓ کی شہادت

بعض باہمی جھگڑوں قصوں کی وجہ سے جن کی صرف غلط فہمی تھی حضرت علی ؓ نے شہر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنالیا تھا، آپ کے ایام خلافت میں خارجی لوگوں کا بہت زور تھا، اور خاص کر کوفہ بصرہ میں ان کا بڑا مجمع تھا، جناب علی مرتضی نے ان لوگوں سے کئی مرتبہ قتال کیا اور ان کی بڑی جماعت کو قتل کیا مگر پھر بھی بہت سے خارجی رہ گئے تھے، خارجی لوگ اہل بیت رسول اللہ سے سخت عداوت رکھتے تھے، اور یہ ناپاک اہل بیت حضرت رسول اللہ ﷺ کو مسلمان بھی خیال نہیں کرتے **نعوذ باللہ من ذلک**، عبدالرحمن بن ملجم ایک شخص مذہب کا خارجی تھا جو مکہ معظّمہ سے کوفہ آیا تھا، ان ایام میں ایک نہایت حسین عورت خارجی جس کا نام قطام تھا کوفہ میں رہتی تھی، ایک دن ابن ملجم اس عورت کو دیکھ کر اس کا عاشق ہوا، دوسرے دن اس عورت سے نکاح کا پیغام دیا، اس نابکار عورت نے پیغام بڑی خوشی سے منظور کیا مگر مہر بڑا قیمتی طلب کیا تین ہزار اشرفیاں ایک لونڈی، غلام خدمت کے لئے اور جناب علی ؓ بن ابی طالب کی شہادت یعنی جس دن علی کو شہید کردو اس دن تم سے میرا عقد ہو جائے گا ابن ملجم نے یہ سن کر کہا کہ بھلا جب میں علی کو شہید کردوں گا تو میں کس طرح زندہ رہوں گا پھر میرا تم سے نکاح کس طرح ہوگا، نابکار عورت نے کہلا بھیجا کہ تم علی ؓ کی قصاص میں قتل ہوئے تو مجھ سے بہتر عورت حدا تمہیں جنت میں دے گا اور اگر کسی حیلے سے بچ گئے تو پھر میں تم سے ضرور نکاح کرلوں گی، تم دونوں طرح اچھے رہوگے، معاذ اللہ کیا غلط خیال ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہ ابن الانبیاء اور ابو الاولیاء کو کوئی شہید کر کے جنت میں جا سکتا ہے، استغفر اللہ ہرگز نہیں، تاہم ابن ملجم ازلی شقی نے مہر کی ساری شرطیں منظور کرلیں اور ایک ہزار روپیہ کی تلوار خریدی پھر اسے چند بار زہر میں بجھایا اور موقع کا منتظر رہا۔ (۱)

عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ اتدری من اشقی الاولین قال

---

(۱) تاريخ خميس في أحوال أنفس نفيس للشيخ حسن بن محمد بن حسن الديار بكري: ۲/ ۲۶۵

عاقر الناقة اتدری من اشقی الآخرین قال اللہ اعلم قال قاتلک۔

ایک دن حضور اکرم ﷺ نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ پہلی امتوں میں زیادہ شقی اور بدنصیب کون ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل، پھر حضور ﷺ نے سوال کیا پچھلی امتوں میں زیادہ بدنصیب کون ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ جانے مجھے خبر نہیں، فرمایا کہ تیرا قاتل، پھر ایک دن ایک شخص کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ چوکیدار اپنے ساتھ رکھئے کیونکہ کہ ابن ملجم تلوار لئے آپ کے پیچھے پھرتا ہے، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان مع کل رجل ملکین یحفظانه مالم یقدر علیه فاذا جاء القدر خلیا بینه و بینه وإن الأجل جُنّة حصینة

کہ ایک آدمی کے ساتھ دو فرشتے اس کے محافظ ہر وقت موجود رہتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں؛ لیکن جب اس کی موت کا وقت آتا ہے، تب وہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں بے شک انسان کی زندگی ایک حد ہے وہ ضرور اس کے لئے بڑا مضبوط قلعہ ہے وقت سے پہلے کوئی کسی کو نہیں مار سکتا ایک دن ابن ملجم حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس سواری لینے آیا آپ نے اسے عمدہ سواری عطا کی، جب وہ چلا گیا، تو فرمایا: **ہذا قاتلی** لوگو! یہی میرا قاتل ہے، عرض کیا تو آپ اسے قتل کیوں نہیں کرا دیتے فرمایا کہ میں خون ناحق کس طرح کر سکتا ہوں مجھے اس نے ابھی کیا تکلیف دی ہے جس کے بدلہ میں اسے قتل کر دو سبحان اللہ کیا حق پسندی اور انصاف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خواب

ایک دن صبح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ فرمایا اور اس میں یہ بھی کہا کہ لوگو آج رات کو میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ کی امت سے سخت تکلیف پہنچی یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ اچھا اس وقت تم کچھ دعا مانگو جو کچھ تم مانگو گے قبول ہوگی، آپ نے دعا مانگی: **اللهم بدل لی خیرا**

منهم وبدل لهم شرا مني، الٰہی مجھے تو ان لوگوں سے بہتر لوگ دیدے اور ان کو مجھ سے بدتر حاکم بدل دے صبح کو جناب نے یہ خواب بیان کیا دوسرے دن جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حسب عادت اندھیرے سے صبح کی نماز کو تشریف لے چلے راستہ میں یعنی مسجد اور مکان کے بیچ میں ابن ملجم اپنی زہر بھری تلوار لے کے بیٹھ گیا جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ملجم کے قریب آئے فوراً ابن بلجم نے اٹھ کر سامنے سے حصرت علی ؓ کے ماتھے پر تلوار ماری حضرت علی ؓ نے تلوار کا شدید زخم کھا کر ایک نعرہ مارا اور فرمایا: **ففزت برب الكعبة،** لوگو! خدا کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچا اے مولا وہ کیسے لوگ تھے، جن کے نزدیک تیری راہ میں جان دینا اعلیٰ درجہ کی مراد کو پہنچتا تھا، جو کڑی چوٹ تلوار کی اپنی پیشانی پر کھا کر خوشی کا نعرہ مارتے تھے جو مر جانے کو زندہ ہونا سمجھتے تھے، وہ مبارک لوگ تھے، اور برے نابکار وہ جو عورتوں کی ناپاک جگہ پانے کے لئے ایسے بزرگوں کو قتل کر کے خوش ہوتے تھے، یہ اور وہ ایک ہی جگہ رہتے تھے، سچ ہے تیری وہ قدرت ہے جس نے ابوجہل سے کافر اور سید المرسلین سے سید الانبیاء کو ایک ہی جگہ پالا ایک کو آفتاب بنایا دوسرے کو جہنم کا کوئلہ شدید زخم کھا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ زمین پر گرے اور فرمایا میرے قاتل کو پکڑ کے میرے پاس لے آؤ یہ حکم سن کر لوگوں نے ابن ملجم خارجی حضور کے قاتل کو گرفتار کر کے آپ کے پاس لا کر بیٹھا دیا حضور ؓ نے فرمایا: **"فلما أخذ ابن ملجم وأدخلَ على علي قال أطيبوا طعامه وألينوا فراشه"** اے لوگو! میرے مہمان کے لئے نرم بستر بچھاؤ اور میرے مہمان کے لئے اچھا خوش ذائقہ مزہ کا کھانا پکاؤ اس کے لئے سرد پانی لاؤ مسلمانو! تم نے غور کیا کہ قاتل مہمان کی کیا مدارات تھی کہاں تک اپنے نبی کریم ﷺ کے حکم پر عمل کیا جان جانی جائے مگر نبی ﷺ کے حکم کی آن نہ جائے زخم سے زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے حضرت علی ؓ کو نہایت درجہ ضعف لاحق ہوا اور آپ کو شدت سے پیاس لگی گھر والے آپ کے لئے شربت بنا کر لائے حضور نے فرمایا کہ پہلے میرے قاتل میرے مہمان کو شربت پلاؤ، جب گھر والے وہ شربت ابن بلجم قاتل کے پاس لے گئے بولا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم نے اس میں میرے لئے زہر ملایا ہے،

یہ کہہ کر پینے سے انکار کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ بات سن کر روئے اور فرمایا کہ کمبخت تو بڑا بدنصیب ہے خدا کی قسم اگر آج تو میرے کہنے سے یہ میرا شربت پی لیتا قیامت کے دن میں حوض کوثر کا جام نہ پیتا، جب تک تجھے پہلے نہ پلاتا، مگر میں کیا کروں تو میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا، مسلمانو! غور کرو رسول اکرم ﷺ کے فرمان کی کس قدر پیروی ہے کہ مہمان اگر قاتل بھی ہے تو بھی جان توڑ کر اس کی مدرات کی جاتی ہے، اور قیامت کے لئے شفاعت کی بھی ذمہ داری لی جاتی ہے، اس وقت آپ کی حالت زیادہ نازک ہوئی غشی آئی آپ کی صاحبزادی بی بی ام کلثوم رونے لگیں صاحبزادی کی آواز سن کر فرمایا خاموش رہ۔ (۱)

فلو ترین ما اری لما بکیت فقالت یا امیر المؤمنین ماذا تری قال ھذہ الملئکۃ وفود محمد یقول یا علی ابشر فما یصیر الیہ الخ

اس وقت جو میں دیکھ رہا ہوں اگر تو بھی دیکھ لے تو ہرگز رونے کا نام نہ لے عرض کیا حضور اس وقت کیا دیکھتے ہیں فرمایا کہ بہت بڑی جماعت فرشتوں کی ہے، ان کے ساتھ بہت بڑے بڑے قافلے نبیوں اور پیغمبروں اور رسولوں کے ہیں سب سے آگے سالار قافلہ جناب سید المرسلین محمد ﷺ ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ علیؓ خوش ہو جاؤ کہ اب تم بڑے چین اور راحت میں بلائے جاتے ہو اس کے بعد جناب نے کچھ وصیتیں فرمائیں پھر کچھ مشک بطور تبرک نکال کر دیا اور روئے گھر والوں نے پوچھا کہ یہ مشک کیسا ہے فرمایا کہ یہ مشک وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کی وفات مبارک کے بعد جنازہ مبارک کو اس مشک سے بسایا گیا تھا تو اس وقت تھوڑا سا مشک اس میں سے میں نے بطور تبرک اپنے لئے آج کے دن کے واسطے رکھ لیا تھا اے لوگو جب مجھے غسل دیکر کفن پہناؤ تو یہ مشک میرے بدن پر لگا دینا پھر کہا السلام علیکم اے گھر والو! اب ہم جاتے ہیں اس کے بعد **لا الٰہ الا اللہ** کہتے ہوئے جان دیدی۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔

---

(۱) **تاریخ خمیس في أحوال أنفس نفیس: ۲/ ۲۸۰**

مقام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ ؓ صحابہ کرام ؓ کی نظر میں

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ کے سامنے حضرت معاویہ ؓ کی برائی کی گئی تو آپ ؓ نے فرمایا:

”دعونا من ذم فتی قریش من یضحک في الغضب ولا ینال ما عنده الا علی الرضا و لا یوجد ما فوق راسه الا من تحت قدمیه“(۱)

قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصہ کیوقت ہنستا ہے (یعنی انتہائی بردبار ہے) اور جو کچھ اس کے پاس ہے، بغیر اس کی رضامندی کے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس کے سر پر کی چیز حاصل کرنا چاہو تو اس کے قدموں پر جھکنا پڑے گا (یعنی انتہائی غیور اور شجاع ہے)۔

اور حضرت عمر ؓ سے منقول ہے کہ آپ ؓ نے فرمایا: اے لوگو! تم میرے بعد آپس میں فرقہ بندی سے بچو اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ رکھو کہ معاویہ ؓ شام میں موجود ہیں۔ (۲)

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جس سے حضرت معاویہ ؓ کی اپنے بڑوں کے مقابلے میں اطاعت شعاری اور حضرت عمر ؓ کی اپنے گورنروں اور مخصوصین پر کڑی نگرانی ظاہر ہوتی ہے۔

---

(۱) ابن عبدالبر: الاستیعاب تحت الاصابہ ۳/۳۷۷، مطبوعہ مصر

(۲) ابن حجر: الاصابہ ۳/۴۱۴، مطبع مصر

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاصابہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت ایک سبز رنگ کا جوڑا پہنا ہوا تھا، صحابہ کرام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو کھڑے ہوئے اور درہ لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور مارنے لگے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پکارتے رہے، اللہ اللہ، اے امیر المومنین! آپ کیوں مارتے ہیں؟ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے، صحابہ کرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: آپ نے اس جوان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کو کیوں مارا؟ حالانکہ ان جیسا آپ کی قوم میں ایک نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے اس شخص میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہ پایا اور اس کے متعلق مجھے صرف بھلائی کی ہی خبر ملی ہے؛ لیکن میں نے چاہا کہ اس کو اتاروں اور یہ کہہ کر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لباس کی طرف اشارہ کیا۔ (۱)

نیز آپ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تم قیصر و کسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہ موجود ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں آپ کا مرتبہ اور مقام اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد آپ کو شام کا گورنر مقرر کیا، دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اور جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہو جاتا اسے کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے، پھر جس شخص کو گورنر بناتے اس کی پوری طرح نگرانی فرماتے اور جب کبھی معیار مطلوب سے فروز محسوس ہوتا تو اسے معزول فرما دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک آپ کو اس عہدے پر باقی رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا، وہ بھی آپ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور تمام اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کیا کرتے

---

(۱) ابن حجر: الاصابہ: ۳/۴۱۴، مطبوعہ مصر

تھے، انہوں نے بھی آپ کو شام کی گورنری کے عہدہ پر نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آس پاس کے دوسرے علاقے اردن، حمص، قنسرین اور فلسطین وغیرہ بھی آپ کے ماتحت گورنری میں دے دیئے۔

اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دئے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے بیعت کر لی، اور آپ خلیفہ ہو گئے، اور آپ کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے بارے میں اختلاف پیش آیا جس نے بڑھ کر قتال کی صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی، مگر جیسا کہ ہر ہوش مند جانتا ہے کہ اس میں دونوں جانب اختلاف کا منشاء دین ہی تھا، اس لئے فریقین ایک دوسرے کے دینی مقام اور ذاتی خصائل واوصاف کے قائل تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس لوٹے تو فرمایا:

”ایھا الناس لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فقدتموہ رأیتم الرؤس تندر عن کواھلھا کالحنظل“(۱)

”اے لوگو! تم معاویہ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو؛ کیونکہ اگر تم نے انہیں گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے“

خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر اجلہ صحابہ کرام کو دیکھئے کہ ان کی نگاہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کیا قدر و منزلت تھی؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک فقہی مسئلہ میں حضرت معاویہ کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا: **انہ فقیہ** (۲) یقیناً معاویہ فقیہ ہیں (جو کچھ انہوں نے کیا اپنے علم وفقہ کی بنا

---

(۱) **ابن کثیر: البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۳۱، مطبوعہ مصر**

(۲) ابن کثیر: البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۳، مطبوعہ مصر

پر کیا ہوگا)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا: **انه قد صحب رسول الله ﷺ** کہ معاویہ ؓ نے حضور ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے (اس لئے ان پر اعتراض بے جا ہے)۔(۱)

حضرت ابن عباس ؓ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ صرف آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھانا ہی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ کوئی فضیلت اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابن عباس ؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب نے آکر آپ سے شکایت کے لہجے میں بیان کیا کہ حضرت معاویہ ؓ وتر کی تین رکعتوں کے بجائے ایک رکعت پڑھی ہے، تو حضرت ابن عباس ؓ نے جواب دیا:

"أجاب ای بنی لیس احدمنا اعلم من معاویه" (۲)

اے بیٹے! جو کچھ معاویہ نے کیا، صحیح کیا؛ کیونکہ ہم میں معاویہ ؓ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ آپ کے علم وتفقہ اور تقویٰ سے کس درجہ متاثر تھے، یہ حال تو دینی امور میں تھا، دنیاوی امور میں حضرت ابن عباس ؓ کا قول مشہور ہے:

ما رأیت اخلق للملک من معاویه (۳)

کہ معاویہ ؓ سے بڑھ کر سلطنت اور بادشاہت کا لائق کسی کو نہ پایا۔

حضرت عمیر بن سعد ؓ کا قول حدیث کی مشہور کتاب ترمذی میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے عمر بن سعد ؓ کو حمص کا گورنری سے معزول کردیا اور ان کی جگہ حضرت معاویہ ؓ کو مقرر کیا تو کچھ لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں، حضرت عمیر ؓ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

---

(۱) ابن حجر: الاصابہ: ۳/ ۴۱۳، ایضاً صحیح بخاری ص ۵۳۱ مطبوعہ نور محمد دہلی ۱۴۵۷ھ

(۲) **السنن الکبری للبیهقی: باب الوتر بر کعة واحدة،** حدیث: ۴۵۷۲

(۳) **مصنف عبدالرزاق: باب ذکر الحسن،** حدیث: ۲۰۹۸۵

لاتذكروا معاوية الا بخير فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اللهم اهديه

معاویہ ؓ کا صرف بھلائی کے ساتھ ذکر کرو، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ان کے متعلق یہ دعا دیتے سنا: اے اللہ اس کے ذریعہ سے ہدایت عطا فرما۔ (١)

حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے معاویہ ؓ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کوئی آدمی نہیں پایا (٢) سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کی آپس کی جنگوں میں غیر جانبدار رہے، فرمایا کرتے تھے:

ما رأيت احد بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب يعني معاوية ؓ کہ میں نے حضرت عثمان ؓ کے بعد کسی کو معاویہ ؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں پایا۔ (٣)

حضرت قبیصہ بن جابر کا قول ہے:

”ما رأيت احدا اعظم حلما ولا اكثر سوددا ولا أبعد اناة ولا الين مخرجا ولا ارحب باعا بالمعروف من معاوية“ (٤)

میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو (حضرت) معاویہ ؓ سے بڑھ کر بردبار ان سے بڑھ کر سیادت کا لائق، ان سے زیادہ باوقار ان سے زیادہ نرم دل اور نیکی کے معاملہ میں ان سے کشادہ دست ہو۔

ان چند روایات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ اور ان کی نگاہ میں آپ ؓ کا مرتبہ کیا تھا؟

---

(١) **ترمذی: باب مناقب معاوية بن أبي سفيان،** حدیث: ٣٨٤٣، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے اور محقق البانی نے اس کو صحیح لغیرہ کہا۔

(٢) **ابن کثیر: البدایہ والنہایہ:** ٨/ ١٣٥، مطبوعہ مصر

(٣) **ابن کثیر: البدایہ والنہایہ:** ٨/ ١٣٣

(٤) **ابن کثیر: البدایہ والنہایہ:** ٨/ ١٣٥، **جلال الدین سیوطی 'تاریخ الخلفاء'** ص: ١٥٦، مطبع نور محمد کراچی۔

حضرت معاویہ ؓ علی ؓ کی نظر میں

حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے ایک فرمان بطور اعلان تمام شہروں میں بھیجا، اس میں اپنا اور حضرت معاویہ ؓ کا حال اس طرح لکھا:

> **و كان بدأ أمرنا أنا التقينا و القوم من أهل الشام و الظاهر ان ربنا واحد و نبينا واحد و دعوتنا فى الإسلام واحدة و لا نستزيدهم فى الإيمان بالله و التصديق برسوله و لا يستزيدونا و الأمر واحد إلا ما اختلفنا فيه من دم عثمان و نحن منه برأ"**
>
> "ہمارے معاملہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اہل شام سے اور ہم سے مقابلہ ہوا اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک نبی ایک کلمہ اسلام ایک خدا پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم اس سے زیادہ نہ وہ ہم سے کم۔ سب معاملہ واحد ہے، صرف خون عثمان کا جھگڑا ہے، اور ہم اس سے بری ہیں" (۱)

نیز آپ فرماتے تھے "**قتلای و قتلی معاويه فى الجنة**" میرے لشکر کے مقتول اور امیر معاویہ کے لشکر کے مقتول دونوں جنتی ہیں۔ (۲)

حضرت معاویہ ؓ کے متعلق تین گروہ

حضرت معاویہ ؓ کے حق میں سوءِ ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں:

۱) **اول:** روافض خیر انکا سوءِ ظن چنداں حالے تعجب نہیں؛ کیوں کہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوءِ ظن رکھتے ہیں، جن کا مثل تمام امتِ مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔

۲) دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ ؓ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں، مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے امور، اصول وفروع میں اہل سنت

---

(۱) **نہج البلاغہ قسم:** ۲/ ۱۱۸، مطبوعہ مصر

(۲) **المعجم الكبير للطبراني من اسمه معاوية، حديث:** ۶۸۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ قرار دئے گئے ہیں اور بعض کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

کے مخالف ہیں اور فرقہائے شیعہ میں داخل ہیں۔

(۳) **تیسرا گروہ** اس زمانے کے بعض اہل ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی، ان سب میں زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ اور پھر تیسرا۔ واللہ اعلم (۱)

کچھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

تاریخی حقائق اور خاص طور پر اس پیچیدہ اور مبہم دور کو سامنے رکھتے ہوئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آیا اور اسلامی معاشرہ پر اندرونی و بیرونی بدلتے ہوئے حالات کا جو ردعمل ہوا ان سب کا جائزہ لینے سے جو بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی نفسیات پہچاننے کا ملکہ اور عرصہ دراز تک حکومت کرنے کا جو تجربہ تھا اس نے ان کو یقین دلایا کہ اس وقت کے اسلامی معاشرہ کی قیادت اور وسیع اسلامی مملکت کی سربراہی (جس کے عناصر میں تنوع پیدا ہو چکا تھا، اور جس کو چند در چند مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا) خلافت راشدہ کے ان خطوط پر قائم نہیں رکھی جاسکتی، جن پر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم چلتے رہے، اور جن کو پوری طاقت سے نباہتے رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات پر مطمئن ہو گئے کہ وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ اسلامی مملکت کو خطرات سے محفوظ رکھا جائے، امن وامان قائم رہے، غزوات وفتوحات کا سلسلہ جہاں تک جاری رہ سکتا ہے اس کو جاری رکھا جائے اور اس کی خاطر اگر ایک شخصی موروثی مگر عادل حکومت قائم ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حکومت اسلامی تعلیمات کے تابع ہو، مگر اس میں لچک ہو اور شریعت کا پاس واحترام بھی امکانی حد تک قائم رہے، حکومت کے انتظامیہ اور حکومت چلانے کے طریقے اور لوگوں سے معاملت کرنے کے اصول میں توسع سے کام لیا جائے، اگر ضرورت وحالات اس کے متقاضی ہیں تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے، مملکت تو دائرہ اسلام سے باہر نہیں جائے گی (جس کی نوعیت اب تک بڑی

---

(۱) ازالۃ الخفاء اردو: ۶ر۴۹۳، فصل پنجم

سلطنت کی ہو چکی ہے، اور وہ مختلف نسلوں تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والے عناصر پر مشتمل ہے) ہوشیاری اور لچک کے ساتھ معاملات سلجھائے جائیں، اور جو مشکلات سامنے آئیں ان کو حل کرنے میں حکمت عملی اور مصلحت وقت سے مدد لی جائے وقت ومقام کے اختلاف کو پیش نظر رکھا جائے، لہٰذا انہوں نے اپنی حکومت ایک مسلمان فوجی وانتظامی سربراہ کی حیثیت سے قائم کر لی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی پیشن گوئی بھی فرمادی تھی:

”خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يعطي الله الملك (اوملكه) من يشاء“(۱)

”خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال رہے گی اس کے بعد اللہ ملک جس کو چاہے گا دیدے گا“، اور ایک روایت میں ہے: ”اپنا ملک جس کو چاہے گا دیدے گا“۔

حضرت معایہ ؓ کو خود بھی اس کا دعویٰ نہ تھا کہ ان کی حکومت خلفائے ثلاثہ (حضرات ابوبکر ؓ وعمر ؓ وعثمان ؓ) کی خلافت کی طرح ”خلافت راشدہ“ ہے وہ صفائی کے ساتھ فرماتے تھے کہ وہ ایک حاکم اور والی سلطنت ہیں؛ البتہ ان کے بعد جو حکام اور والیان سلطنت آئیں گے ان کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کی قدر آئے گی، اور کھلا فرق محسوس ہوگا۔(۲)

مشہور مورخ مسعودی (ابوالحسن علی بن الحسن المسعودی م: ۵۴۳) نے ان کے روزانہ کے معمول کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے یہاں دن رات میں پانچ مرتبہ اذن عام تھا، وہ صبح نماز فجر سے فارغ ہوتے تھے، تو بیٹھ جاتے اور پچھلے حوادث وواقعات کی داستان سنتے، پھر دولت خانہ تشریف لے جاتے اور قرآن مجید کے ایک پارہ

---

(۱) **أبو داؤد: باب في الخلفاء،** حدیث: ۴۶۴۷، حاکم نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ روایتیں صحیح سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ تک مرفوع ہیں۔

(۲) **البدایه والنهایه:** ۸ / ۱۵۳ مکتبہ دار الفکر عربی

کی تلاوت کرتے پھر مکان پر جا کر انتظامی ہدایات دیتے، پھر چار رکعت پڑھتے اور خواص الخواص کو آنے کی اجازت ہوتی اور ان سے تبادلہ خیال کرتے، پھر مشیران سلطنت حاضر ہوتے اور اس دن کے کرنے والے کاموں کی اطلاع دیتے پھر کچھ ناشتہ فرماتے پھر ایک بار گھر جا کر باہر تشریف لے آتے، مسجد میں کرسی لگا دی جاتی اور آپ کے پاس کمزور بادیہ کا رہنے والا دیہاتی بچہ عورت اور بے کس والا وارث آدمی آتا تو آپ فرماتے اس کا لحاظ واحترام کرو، کوئی کہتا میرے ساتھ زیادتی ہوئی، آپ فرماتے: اس کے معاملہ کی تحقیق کرو، جب کوئی باقی نہ رہتا تو مجلس سے اٹھتے، چارپائی پر بیٹھ جاتے اور فرماتے: لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق آنے دو۔

جب سب بیٹھ جاتے تو فرماتے: صاحبو! ان لوگوں کی ضروریات و مسائل کو ہم تک پہنچایا کرو، جو خود نہیں پہنچ سکتے۔ اسی لئے اللہ نے تم کو اعزاز بخشا ہے، پھر ہر ایک کے معاملہ اور ضرورت کے مطابق ہدایات دیتے، روزانہ کا یہی معمول تھا۔ (۱)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ؒ نے بھی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ”علی بن ابی طالب اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، وہ مقابل جماعت کے مقابلہ میں برسرحق اور افضل تھے“۔ (۲)

اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ ؓ کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کو فتح وغلبہ حاصل ہوا، اسلام کو فتح مندیاں حاصل ہوئیں، اور اس کا دائرہ بڑھا، حضرت معاویہ ؓ نے غزوات کا سلسلہ جاری رکھا اور فتوحات کا سلسلہ بری و بحری راستوں سے وہاں تک پہنچا، جہاں مسلمان فاتحین کے قدم پہلے نہیں پڑے تھے، ان کی فتوحات بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) تک پہنچ گئیں، ان کے مصر کے گورنر نے سوڈان کو اسلامی مملکت میں شامل کرلیا، ان کے زمانہ میں بحری بیڑے کثرت سے تیار ہوئے، ان کو اس بات

---

(۱) **بروج الذهب ومعاون الجوهر:** از مسعودی: ۲/ ۵۱، ۵۲، **المطبعة الازهریه مصر** ۱۳۵۳ھ

(۲) **مجموعه فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیه:** ۴/ ۴۳۳، **مطبوعه مکتبه المعارف، الرباط المغرب**

کا خاص اہتمام تھا، یہاں تک کہ ان بیڑوں کی تعداد سترہ سو تک پہنچ گئی، یہ سب کشتیاں ہتھیار اور سپاہیوں سے بھرپور تھیں، ان بحری بیڑوں کو وہ مختلف سمتوں میں روانہ کرتے اور وہ کامیاب ہوکر واپس آتے، ان کے ذریعہ متعدد علاقے فتح ہوئے جن میں جزیرہ قبرص (Cyprus) اور یونان اور دریائے نیل کے بعض جزیرے اور جزیرۂ رودس بھی شامل ہیں، خشکی کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے ایک فوج تیار کی تھی جو جاڑوں میں جاکر حملہ آور ہوتی جس کو ''الشواتی'' کہتے تھے، دوسرا دستہ تھا جو گرمیوں میں حملہ کرتا اس کا نام ''الصوائف'' تھا، یہ غزوات مسلسل جاری تھے، اور مسلمانوں کی سرحدیں دشمنوں سے محفوظ تھیں۔ ۴۸ھ میں حضرت معاویہ ؓ نے ایک بڑی فوج تیار کی تھی وہ قسطنطنیہ پر بحری اور بری دونوں طرف سے حملے کئے، مگر چونکہ اس کی شہر پناہ بہت مضبوط اور وہاں تک پہنچنا دشوار تھا، اور چونکہ یونانی آتشیں حملہ نے ان کے بیڑوں کو تباہ کردیا تھا، اس لئے وہ حملہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اور قسطنطنیہ فتح نہیں ہوا۔ اس فوج میں شریک حضرت عبداللہ ؓ بن عباس ؓ، عبداللہ ؓ بن عمر ؓ، عبداللہ بن زبیر ؓ، سیدنا ابوایوب انصاری ؓ اور یزید بن معاویہ ؓ بن ابی سفیان ؓ تھے، رسول اللہ ﷺ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاری ؓ کی وفات اسی شہر پناہ کے حصار کے زمانہ میں ہوئی اور ان کی تدفین شہر پناہ کے قریب عمل میں آئی، حضرت معاویہ ؓ ہی کے زمانہ میں اور ان ہی کی حکومت کے زمانہ میں مسلمان قائد عقبہ بن نافع افریقہ میں داخل ہوئے اور قبائل بربر میں جو لوگ اسلام لائے وہ ان کی فوج سے آکر مل گئے، اور قیروان میں اپنا ایک مرکز اور فوجی چھاؤنی بنائی، اور کثیر تعداد میں بربری اسلام لائے اور مسلمانوں کی حکومت کا رقبہ بڑھ گیا۔ (۱)

حضرت معاویہ ؓ میں بہت سی ایسی خوبیاں تھیں جس سے ان کی اسلام

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: **تاریخ الامم الاسلامیہ (الدولۃ الامویہ)** از شیخ محمد الخضری بک: ۱/ ۱۱۴-۱۱۵، اور ''**الانتقاد علی تاریخ التمدن اسلامی (لجرجی زیدان) مولفہ علامہ شبلی نعمانی** رحمہ اللہ مطبع آسی لکھنؤ ۱۹۱۲ء۔

اور مسلمانوں سے محبت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ کہ وہ دینی ڈھانچہ کو باقی رکھنا چاہتے تھے، اور اس کا دفاع کرتے تھے، ان کی دور بینی اور انتظامی امور میں حکمت کے علاوہ ان کے اندر دین کی حمیت اور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کو اگر ضرورت پڑے تو ترجیح دینے کا بھی جذبہ تھا، ان کا ایک کارنامہ اس موقع پر قابل ذکر ہے جس سے ان کی بلندی کردار اور دین کی حمیت کا پتہ چلتا ہے، جس کو بہت سے مورخین نے ذکر کیا ہے، جن میں ابن کثیر بھی ہیں، ابن کثیر نے لکھا ہے:

’’شہنشاہ روم نے حضرت معاویہ ؓ کو ملانے کی خواہش ظاہر کی چونکہ ان کا اقتدار رومی سلطنت کے لے خطرہ بن چکا تھا، اور شامی فوجیں اس کی افواج کو مغلوب کر کے ذلیل کر چکی تھیں، اس لئے اس نے جب یہ دیکھا کہ معاویہ ؓ، علی ؓ سے جنگ میں مشغول ہیں، وہ بڑی فوج کے ساتھ کسی قریب کے ملک میں آیا، اور معاویہ ؓ کو لالچ دی تو حضرت معاویہ ؓ نے اس کو لکھا:

> ’’بخدا اگر تم نہ رکے اور اے لعین! اگر تو اپنے ملک واپس نہ گیا تو ہم اور ہمارے چچا زاد بھائی (علی ؓ دونوں آپس میں مل جائیں گے اور تجھے تمام قلمرو سے خارج کر دیں گے، اور روئے زمین کو (اس کی وسعت کے باوجود) تجھ پر تنگ کر دیں گے، یہ سن کر شاہ روم ڈر گیا، اور جنگ بندی کی اپیل کی‘‘ (۱)

یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت معاویہ ؓ ابن ابی سفیان ؓ صحابہ کرام ؓ کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں، ان کے مناقب میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں، جو لوگ ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور ان کے سلسلہ میں بے باکی و زبان درازی سے کام لیتے ہیں، ان کو اس امر کا پاس ولحاظ ہونا چاہیے کہ وہ ایک ایسے صحابی ہیں جن کو قرابت کا شرف بھی حاصل ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) **البدایہ والنہایہ:** ۸/ ۱۱۹

ارشاد فرمایا:

”لاتسبوا أصحابی والذی نفسی بیدہ لو انفق أحدکم مثل أحد ذھبا ما بلغ مد أحدھم ولا نصفہ“ (۱)

”میرے صحابہ کی برائی نہ کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں دیدے تو ان کی برابری کیا ان کے نصف درجہ کو بھی نہیں پا سکتا“

ابوداؤد نے ابوبکرہ ؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

”قال رسول اللہ ﷺ للحسن بن علی: إن ابني ھذا سید وإنی أرجو أن یصلح اللہ بہ بین فئتین من أمتي“ (۲)

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن ؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ فرزند سردار ہے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ میری امت کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا“۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”لعل اللہ أن یصلح بہ بین فئتین عظیمتین“ (۳)

”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا“

دیلمی نے حضرت حسن ؓ بن علی ؓ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا:

”سمعت علیاً ؓ یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لا تذھب الأیام واللیالي حتی یملک معاویة“ (۴)

”میں نے حضرت علی ؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ

---

(۱) **بخاري: باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم**، حدیث: ۳۲۷۰۱

(۲) **أبو داؤد: باب ما یدل علی ترک الکلام في الفتنة**، حدیث: ۴۶۶۲، محقق البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۳) **بخاري: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، حدیث: ۲۵۵۷

(۴) **دیلمي**، حدیث: ۷۵۰۷

میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، دن رات کے تسلسل کا قصہ ختم نہ ہوگا، کہ معاویہ برسرِ حکومت آجائیں گے‘‘۔

آجری کتاب الشریعہ میں عبد الملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا: ’’جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے معاویہ ؓ اگر تم کو حکومت مل جائے تو اچھی طرح حکومت کرنا، اس وقت سے مجھے خلافت کے حصول کی تمنا تھی‘‘۔

ام حرام کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أول جيش من أمتي يغزون البحر قد اوجبوا“(۱)

’’پہلی فوج جو سمندری علاقہ پر حملہ آور ہوگی اس میں حصہ لینے والوں کی نجات اور بخشش ہے‘‘

اور پہلا شخص جو حضرت عثمان ؓ کے عہد میں بحری راستہ سے جہاد کو نکلا وہ حضرت معاویہ ؓ تھے، ام حرام اس فوج میں تھیں اور سمندر عبور کرنے کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا کاتب بنایا تھا، اور آپ اپنا کاتب اسی کو بناتے تھے جو عدل وامانت کے صفات سے متصف ہو۔

حضرت معاویہ ؓ اپنے بارے میں کہتے ہیں:

”لست بخليفة و لكني أول ملوك الإسلام و ستجربون الملوك بعدي“(۲)

’’میں خلیفہ نہیں ہوں؛ لیکن اسلام میں پہلا بادشاہ ہوں اور میرے بعد تم کو دوسرے بادشاہوں کا تجربہ ہو جائے گا‘‘

حضرت معاویہ ؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے چند موئے مبارک تھے، انہوں

---

(۱) **بخاري: باب ما قيل في قتال الروم**، حدیث: ۲۷۶۶

(۲) **البداية:** ۱۳/۲۰۶، مکتبۃ المعارف، بیروت

نے وصیت کی تھی کہ ان بالوں کو ان کے مرنے کے بعد ان کی ناک کے اندر رکھ دیا جائے۔ (۱)

وہ خلافت کے بعض ایسے اصول و مقاصد سے واقف تھے جن کو وہ عمل میں نہ لا سکے، اس لئے کہ زمانہ بدل چکا تھا، اور حالات و ماحول کے تقاضے مملکت کی وسعت، ذمہ داریوں کی کثرت وقتی مسائل کی مشکلات اور سربراہ حکومت کی نازک ذمہ داریاں (ان کے نزدیک) اس کی متحمل نہ تھیں، جو لوگ ان گہری اور وسیع تبدیلیوں اور زمانہ کے عظیم فرق سے واقف ہیں وہ ان کو کسی حد تک معذور قرار دیں گے، اور فیصلہ کرتے وقت حالات اور ماحول کی تبدیلی کو نظر میں رکھیں گے۔ (۲)

حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت

آخر میں ہم اس سوال کا مختصر جواب دینا چاہتے ہیں کہ اگر حضرت معاویہ ؓ پر عائد کردہ الزامات غلط ہیں تو پھر ان کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ ٹھیک اسی معیار اور مرتبہ کے خلیفہ تھے جو معیار اور مرتبہ خلفائے راشدین کو حاصل تھا، یا نہیں؟ اگر تھے تو انہیں خلیفہ راشد کیوں قرار نہیں دیا گیا؟ اور اگر نہیں تھے تو ان میں اور خلفائے راشدین میں فرق کیا تھا؟

یہ سوال ایک معقول سوال ہے، ہمارے نزدیک اور صرف ہمارے نزدیک ہی نہیں جمہور اہل سنت کے نزدیک بلاشبہ ان کی خلافت اور خلفائے راشدین کی خلافت دونوں ایک معیار کی نہیں تھیں، بلکہ دونوں میں فرق تھا، لیکن اس فرق کی جو تشریح بعض حضرات نے کی ہے وہ نامعقول ہے، نہ مستند طریقہ سے ثابت ہے، اور نہ اہل سنت کے عقائد سے میل کھاتی ہے، جس تشریح سے ذہن میں نقشہ کچھ اس طرح بنتا ہے کہ حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد یک بیک حالات بالکل پلٹ گئے، خلافت راشدہ تمام مثالی خوبیوں کا مجموعہ تھی، مگر حضرت معاویہ ؓ کے خلافت سنبھالتے ہی اس میں ملوکیت کی تمام خرابیاں پیدا ہوگئیں، تقویٰ کے فوراً بعد فسق حکمراں ہوگیا، اور جو معاشرہ خلافت راشدہ کے عہد میں

---

(۱) **ماخوذ از ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۱/ ۳۵۰**

(۲) ماخوذ از المرتضیٰ: ۳۱۶، ملاحظہ ہو: ازالة الخفاء: ۱/ ۳۴۹

تاریخ کا پاکیزہ ترین معاشرہ تھا، اسی معاشرہ میں حضرت معاویہ ؓ کے عہد میں نفسانیت کی تمام پستیاں جمع ہوگئیں۔ ۴۰ھ تک خلافت کی طرف سے علانیہ قانون شکنی کا تصور نہ ہوسکتا تھا، اور ۴۱ھ میں قانون شکنی، بدعت اور تحریف دین کی حد تک پہنچ گئی۔ ۴۰ھ میں رشوت ستانی کا خیال کسی کو نہ آتا تھا، ۴۱ھ میں اپنے لئے شیر مادر سمجھ لیا گیا۔ ۴۰ھ تک کافروں کو بھی سب وشتم نہ کیا جاتا تھا، اور یہاں جلیل القدر صحابہ ؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ ہونے لگی، پہلے مال غنیمت میں خورد برد کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اور ایک ہی دو سال میں اب باقاعدہ اس خیانت کے لئے احکام جاری ہونے لگے، پہلے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنے اقتدار کے سہارے لوگوں پر ظلم وستم کر سکے اور اب یہ ظلم وستم خود مرکز کی پالیسی قرار پاگئی، پہلے عوام کی غیرت اور حکام کی خداترسی کا عالم یہ تھا کہ معمولی سے معمولی آدمی خلیفہ کا گریباں تھام سکتا تھا اور اب ایک ہی سال کے فرق سے لوگوں کی بے غیرتی اور حاکم کے جبر وتشدد کا یہ حال ہوگیا کہ ضمیر پر قفل چڑھ گئے، اور کوڑے حق گوئی کا انعام بن گئے۔ غرض یہ کہ ۴۰ھ کے ختم ہوتے ہی شخصی مفادات پر مبنی سیاست کا وہ بازار گرم ہوگیا جو آج بیسویں صدی میں بھی ہمیں نظر آتا ہے۔

یہ صورتحال نہ صرف یہ کہ حالات کی اس تدریج کے خلاف ہے جو عموماً تاریخ میں کارفرما ہوا کرتی ہے بلکہ اگر اس صورتحال کو تسلیم کرلیا جائے تو ''**ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**'' کے ارشاد نبوی ﷺ کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

لہٰذا خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت میں فرق تو بیشک تھا لیکن وہ تقویٰ اور فسق کا فرق نہ تھا بلکہ اس فرق کی بہترین تشریح وہ ہے جو مشہور صحابی حضرت عدی بن حاتم ؓ نے بیان فرمائی ہے:

حضرت عدی بن حاتم ؓ حضرت علی ؓ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے، صفین وغیرہ کی جنگوں میں انہوں نے کھل کر حضرت علی ؓ کا ساتھ دیا اور حضرت معاویہ ؓ کے زمانے میں بھی وہ اپنے اس موقف پر مضبوطی سے قائم رہے، ایک مرتبہ حضرت معاویہ ؓ نے ان سے پوچھا کہ ہمارے عہد حکومت کے بارے میں تمہارا جو خیال ہے وہ

کیسے ہے؟ حضرت عدی ؓ نے فرمایا کہ اگر سچ کہیں تو تمہارا خوف ہے اور جھوٹ کہیں تو اللہ کا۔ حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں، سچ سچ بیان کرو۔

اس پر حضرت عدی ؓ نے ارشاد فرمایا:

”عدل زمانکم ھذا جور زمان قد مضی و جور زمانکم ھذا عدل زمان ما یأتی“(۱)

''تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا اور تمہارے زمانے کا ظلم آئندہ زمانے کا انصاف ہوگا''

حضرت عدی ؓ کے اس جامع جملے کا مطلب ہی یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین ؓ احتیاط تقویٰ اور احساس ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز تھے، بعد میں وہ معیار باقی نہیں رہا، خلفائے راشدین ؓ عزیمت پر عامل تھے اور حضرت معاویہ ؓ نے رخصتوں میں توسع سے کام لیا۔ وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ ؓ مباحات کی حد تک خلاف احتیاط باتوں کو بھی گوارا کرلیتے تھے، مثلاً خلفائے راشدین نے عزیمت اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں بنایا، باوجودیکہ ان کے صاحبزادوں میں خلافت کی شرائط پائی جاتی تھیں، اس کے برخلاف حضرت معاویہ ؓ نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے بیٹے کو ولی عہد بنادیا۔ خلفائے راشدین نے عزیمت اور احتیاط کے تحت اپنا طرز معیشت نہایت فقیرانہ بنایا ہوا تھا، مگر حضرت معاویہ ؓ نے رخصت و اباحت پر عمل کیا اور ان کے مقابلے میں نسبتاً فراخی عیش اختیار فرمائی۔ یہ فراخی عیش بھی آج کل کے حکمرانوں کی سی عیش کوشی نہ تھی۔ یونس بن مغیرہ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ ؓ کو دمشق کے بازاروں میں اس حالت میں چلتے ہوئے دیکھا ہے کہ انہوں نے پیوند لگی ہوئی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ (۲)

---

(۱) یعقوبی: ۲/ ۲۳۳، مطبع دار صادر بیروت ۱۳۷۹

(۲) **البدایہ والنہایہ:** ۸/ ۱۳۴

خلفائے راشدین کے احساس ذمہ داری کا عالم یہ تھا کہ وہ عوام کے ایک ایک فرد کی خبر گیری اس کے گھر جا جا کر کیا کرتے تھے، اور حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں ایسی کوئی بات مروی نہیں ہے، خلفائے راشدین ؓ کی اصابت رائے اور صحت اجتہاد کا عالم یہ تھا کہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنے اتباع کے ساتھ ان کے اتباع کا حکم فرمایا، لیکن حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں جمہور امت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان سے متعدد اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں۔

اسی قسم کی چیزیں تھیں جن کے بارے میں حضرت عدی ؓ فرماتے ہیں کہ تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا، عقائد کے علماء وائمہ نے بھی خلفائے راشدین اور حضرت معاویہ ؓ کے عہد خلافت میں یہی فرق بیان فرمایا ہے۔

علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ جو علم عقائد کے مشہور محقق عالم ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

”قلت لأهل الخير مراتب بعضها فوق بعض وكل مرتبة منها يكون محل قدح بالنسبة إلى التي فوقها . . . ولذا قيل حسنات الأبرار سيئات المقربين وفسر بعض الكبراء قوله عليه السلام إني لاستغفر الله في اليوم أكثر من سبعين مرة بأنه كان دائم الترقي وكلما كان يترقى إلى مرتبة استغفر عن المرتبة التي قبلها وإذا تقرر ذلك فنقول كان الخلفاء الراشدون لم يتوسعوا في المباحات وكان سيرتهم سيرة النبي ﷺ في الصبر على ضيق العيش والجهد . . . وأما معاوية فهو إن لم يرتكب منكرا لكنه توسع في المباحات ولم يكن في درجة خلفاء الراشدين في أداء حقوق الخلافة لكن عدم المساواة بهم لا يوجب قدحا فيه“

”اہل خیر کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض سے بلند ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے

> اعتبار سے قابل اعتراض ہوتا ہے...... اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ نیک لوگوں کے حسنات مقرب لوگوں کی برائیاں ہوتی ہیں اور آنحضرت ﷺ سے جو یہ ارشاد مروی ہے کہ میں دن میں ستر سے زیادہ دفعہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اس کی تشریح بعض اکابر نے اس طرح فرمائی ہے کہ آپ کے درجات میں ہر آن ترقی ہوتی رہتی تھی اور آپ جب بھی ترقی کا کوئی اگلا درجہ حاصل کرتے تو پچھلے درجہ سے استغفار فرماتے تھے، جب یہ بات طے ہوگئی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین ؓ نے مباحات میں توسع سے کام نہیں لیا تھا، اور تنگی عیش پر صبر اور جدو جہد کے معاملے میں ان کی سیرت آنحضرت ﷺ کے مشابہ تھی ......
>
> رہے حضرت معاویہ ؓ سو انہوں نے مباحات میں توسع اختیار کیا، اور حقوق خلافت کی ادائیگی میں وہ خلفائے راشدین کے درجے میں نہیں تھے لیکن ان کی برابری نہ کرسکنا ان کے لئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے"(۱)

غرض یہ کہ اگر اکابر صحابہ کرام ؓ کو حضرت معاویہ ؓ کے عہد خلافت میں کچھ خرابیاں نظر آتی تھیں تو وہ خلفائے راشدین کی نسبت سے تھیں، ظاہر ہے کہ جو حضرت ابوبکر ؓ وعمر ؓ اور عثمان ؓ وعلی ؓ کا انداز حکومت دیکھ چکے تھے، انہیں حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت میں خامیاں نظر آئیں تو کچھ بعید نہیں ہے؛ لیکن اس سے اس بات کا کوئی جواز نہیں نکلتا کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کوئی شخص صحابہ کرام ؓ کے اس تاثر کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت میں آج کی گندی سیاست کے تمام مظاہرے تلاش کرنے شروع کردے، اور تحقیق کے بغیر ان پر جھوٹ، خیانت، رشوت، اخلاقی پستی، ظلم وجور، بے حمیتی اور سیاسی بازی گری کے وہ تمام الزامات عائد کرڈالے جو آج سیاست دانوں میں نظر آتے ہیں۔

---

(۱) نبراس علی شرح العقائد: ۵۱۰، مطبعہ روز بازار امرتسر ۱۳۱۸ھ

واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کی نسبت سے ان کے عہد حکومت میں فرق ضرور تھا لیکن یہ فرق فسق و معصیت اور ظلم و جور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، ان کی حکومت حکومت عادلہ ہی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جیسے جلیل القدر صحابی ارشاد فرماتے ہیں:

"ما رأيت احداً بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب يعني معاوية"(۱)

"میں نے عثمان ؓ کے بعد کوئی شخص اس صاحب مکان یعنی معاویہ ؓ سے زیادہ حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا"۔

امام ابوبکر اثرم ؒ نے اپنی سند سے ابوہریرہ ؓ المکتب کا قول نقل کیا ہے کہ ہم مشہور محدث امام اعمش ؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے عدل و انصاف کا ذکر چل نکلا، تو امام اعمش ؒ نے فرمایا کہ (تم عمر بن عبدالعزیز ؒ کے انصاف پر حیران ہو) اگر معاویہ ؓ کا عہد حکومت پالیتے تو تمہارا کیا حال ہوتا؟ لوگوں نے پوچھا کیا ان کے حلم کے اعتبار سے؟ امام اعمش ؒ نے جواب دیا: نہیں خدا کی قسم ان کے عدل و انصاف کے اعتبار سے (۲) اور حضرت قتادہ ؒ، حضرت مجاہد ؒ اور حضرت ابو اسحاق سبیعی ؒ جیسے جلیل القدر تابعین اپنے زمانے کے لوگوں سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اگر تم حضرت معاویہ ؓ کا عہد پالیتے تو یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ یہ مہدی (ہدایت یافتہ) ہیں (ایضاً) اور کیوں نہ ہو؟ خود آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ ؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی کہ

اللهم اجعله هاديا مهديا و أهديه

"اے اللہ ان کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے"(۳)

---

(۱) **البدایہ والنہایۃ:** ۸/ ۱۳۳

(۲) منہاج السنہ: ۳/ ۱۸۵، مطبع بوارق مصر ۱۳۲۲ھ

(۳) **ترمذی: باب مناقب معاویۃ** حدیث: ۳۸۴۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میرے بعد خلافت تیس سال تک جاری رہے گی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت آجائے گی'' یہ تیس سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر ختم جاتے ہیں اور اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد حکومت شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں بعض علماء نے اس حدیث کی سند پر تنقید کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے؛ چنانچہ قاضی ابو بکر ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"هذا حديث لا يصح" (۱) ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے''

اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور اس میں تیس سال کے بعد ایک عمومی حکم بیان فرمایا گیا ہے، ہر ہر فرد کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا عہد حکومت اس سے باتفاق مستثنیٰ ہے، علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے اور اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أول هذا الأمر نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم يكون ملكا ورحمة ثم يكون إمارة ورحمة ثم يتكادمون عليها تكادم الحمير" (۲)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"رجاله ثقات"** (۳) (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں) اس حدیث میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خلافت راشدہ ختم ہونے کے بعد جو حکومت آئے گی وہ بھی ملوکیت اور رحمت ہوگی۔ علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ اس کی مزید تشریح کرتے

---

(۱) **العواصم من القواصم:** ۲۰۱

(۲) **المعجم الكبير، أحاديث عبد الله بن عباس**، حدیث: ۱۱۱۳۸۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) **تطهير الجنان على هامش الصواعق:** ۳۱

ہوئے فرماتے ہیں کہ ''بلا شبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بہت سے ایسے امور واقع ہوئے جو خلفائے راشدین کے عہد میں مانوس نہیں تھے اور ان ہی امور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کی خلافت کو ملک عاض (کاٹنے والی ملوکیت) سے تعبیر کیا گیا، اگر چہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی وجہ سے ماجور ہی ہیں، اس لئے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد اگر حق پر ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر غلطی پر ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلا شبہ مجتہد تھے؛ لہٰذا اگر ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تب بھی انہیں ثواب ملا، اور یہ بات ان کے حق میں قابل اعتراض نہیں ہے؛ لیکن ان کی حکومت کو جو ان اجتہادی غلطیوں پر مشتمل تھی ''عاض'' ہی کہا گیا..... (پھر معجم طبرانی کی مذکورہ روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

..... خلافت کے بعد جس ملوکیت کا ذکر ''طبرانی کی حدیث میں کیا گیا ہے، اس سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''رحمت'' قرار دیا ہے، لہٰذا ان کی حکومت میں ایک اعتبار سے ملک عضوض کی شان ہے، اور ایک اعتبار سے رحمت کی؛ لیکن خارجی واقعات کے اعتبار سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں رحمت کی شان زیادہ ظاہر ہے اور ان کے بعد والے لوگوں میں ملک عضوض کی

(۱) اپنی ایک اور کتاب میں علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ہیں، اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح نہ تھی؛ اس لئے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اگر چہ ان کی خلافت صحیح تھی؛ لیکن اس پر ملوکیت کی مشابہت غالب آگئی تھی، اس لئے کہ وہ بہت سے معاملات میں خلفائے راشدین کے طریقوں سے نکل گئی تھی؛ لہٰذا خلافت کی بات اس لئے صحیح ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حق اور صحیح تھی اور ملوکیت کی بات اس لئے درست ہے کہ ان کے عہد حکومت میں کچھ ایسے امور واقع ہوئے جن کا منشاء غلط اجتہاد تھا جس کی بنیاد پر مجتہد گناہ گار تو نہیں ہوتا؛ لیکن اس کا رتبہ ان لوگوں سے بہر حال

---

(۱) **تطہیر الجنان علی ہامش الصواعق: ۳۱**

گھٹ جاتا ہے جن کے اجتہادات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوں اور یہ حضرات خلفائے راشدین اور حضرت حسن ؓ تھے؛ لہٰذا جو شخص حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت پر ملوکیت کے لفظ کا اطلاق کرتا ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی حکومت میں مذکورہ اجتہادات واقع ہوئے اور جو شخص اسے خلافت قرار دیتا ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حضرت حسن ؓ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد وہ خلیفہ برحق اور واجب الاطاعت تھے اور اطاعت کے لحاظ سے لوگوں پر ان کے وہی حقوق تھے جو ان سے پہلے خلفائے راشدین ؓ کو حاصل تھے؛ لیکن یہ بات ان کے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی، اس لئے کہ وہ اجتہاد کے اہل نہیں تھے، بلکہ ان میں بعض تو کھلے عاصی اور فاسق تھے اور انہیں کسی بھی اعتبار سے خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ ملوکیت کی فہرست ہی میں آتے ہیں۔ (۱)

اس پوری بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت معاویہ ؓ اور خلفائے راشدین کے عہد حکومت میں فرق تو بیشک تھا، حضرت معاویہ ؓ کی اس معیار کی حکومت نہیں تھی جو خلفائے راشدین کو حاصل تھی؛ لیکن جمہور امت کے نزدیک یہ فرق اتنا بڑا نہیں تھا کہ ایک طرف تقویٰ ہو اور دوسری طرف فسق وفجور یا ایک طرف عدل اور دوسری طرف ظلم وجور بلکہ یہ فرق عزیمت ورخصت کا، تقویٰ ومباحات کا احتیاط وتوسع کا، اصابت رائے اور قصور اجتہاد کا فرق تھا۔ جن لوگوں نے اس فرق کا لحاظ کیا انہوں نے ان کی حکومت کو ''ملوکیت'' کا نام دے دیا اور جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ فرق فسق وفجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، انہوں نے اسے خلافت ہی قرار دیا، علامہ ابن تیمیہؒ نے بالکل صحیح فرمایا:

”فلم یکن من ملکو المسلمین ملک خیر من معاویة و لا کان الناس فی زمان ملک من الملوک خیرا منهم فی زمن معاویة اذا نسبت ایامه الی ایام من بعده و اما اذا نسبت الی ایام ابی بکر و عمر ظهر التفاضل“

''مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ ؓ سے بہتر نہیں ہوا

---

(۱) **الصواعق المحرقة:** ۱۳۱، مصر ۱۳۲۴ھ

> اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہ ؓ کے زمانے میں، ہاں اگر ان کے زمانے کا مقابلہ ابوبکر ؓ و عمر ؓ سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہوجائے گا‘‘(۱)

یہ فرق جو عقائد و کلام کے ان بزرگوں نے بیان فرمایا ہے تاریخی تدریج کے مطابق بھی ہے، اہل سنت کے عقائد کو بھی اس سے ٹھیس نہیں لگتی، تاریخ سے ثابت بھی ہے اور صحابہ کرام ؓ کے شایان شان بھی۔ (۲)

خلافت راشدہ و ملوکیت کے مابین فرق

خلافت راشدہ اور ملوکیت کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور کیا کسی ایسی حکومت عادلہ کا وجود ممکن ہے جو خلافت راشدہ تو نہ ہو لیکن اسے شریعت اسلام کے دائرہ سے باہر بھی نہ کہا جاسکے؟ اس موضوع پر شاہ اسماعیل شہید ؒ نے اپنی مشہور کتاب ’’منصب امامت‘‘ میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اس بحث سے مختلف حکومتوں کے مدارج بھی معلوم ہوجاتے ہیں، ان کا شرعی حکم بھی واضح ہوجاتا ہے اور یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کی حکومت کی صحیح حیثیت کیا تھی؟ اور اس میں اور خلافت راشدہ میں کیا فرق تھا؟ یہ بحث ہم حضرت شاہ صاحب ؒ ہی کے الفاظ میں بعینہ نقل کرتے ہیں:

جس وقت ایسا شخص یعنی خلیفہ راشد منصب خلافت کو پہنچتا ہے تو ابواب سیاست میں محض خدا کے بندوں کی اصلاح اور نیابت رسول اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے اور اپنے نفع کے حصول کی آرزو اس کے دل میں نہیں گزرتی اور نہ کسی ضرر کا غبار اس کے دامن تک پہنچتا ہے اور اطاعت ربانی میں ہوائے نفس کی مشارکت کو شرک جانتا ہے اور کسی مقصد کا حصول سوائے رضائے حق کے اپنے دل کی خالص منزل کے لئے جنس کثافت خیال کرتا ہے۔ اسے بندگان خدا کی تربیت کے سوا نہ کچھ ظاہر میں مطلوب ہے اور نہ باطن میں مرغوب ہے۔ جو بات قوانین سیاست ایمانی سے انحراف کا باعث

---

(۱) **منہاج السنہ:** ۳/۱۸۵ (۲) ماخوذ از: حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق مع اختصار

اور آئین سیاست سلطانی کی طرف میلان کا سبب ہوگی اس سے ہرگز وقوع پذیر نہ ہوگی لیکن امام حکمی بہت سے مقتضیات نفسانیہ سے بالکل پاک نہیں رہ سکتا اور نہ ہی علائق ماسویٰ اللہ سے بری ہوسکتا ہے۔

اسی بناء پر مال ومنال اور جاہ وجلال کے حصول اور اخوان واقران پر فوقیت، امصار وبلدان پر تسلط کی آرزو اور دوستوں اور قرابت داروں کی پاسداری، مخالفین واعداء کی بدخواہی اور لذات جسمانیہ اور مرغوبات نفسانیہ کے حصول کا خیال اس کے دل میں جاگزین ہوتا ہے بلکہ امور مذکورہ کو طلب کرنا اور سیاست کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے، اور طریق حکومت کو حکمت عملی کے ذریعہ اپنی دلی آرزو تک پہنچاتا ہے، پس یہی سیاست سلطانی ہے ...... اور یہی مذکورہ لذات جسمانیہ کا حصول جس وقت سیاست ایمانی سے مخلوط ہوجاتا ہے، اسی وقت خلافت راشدہ مخفی اور سیاست سلطانی برملا ہوجاتی ہے اور لذات نفسانیہ کی طلب بحسب اختلاف اشخاص شقاوت ہوتی ہے، یہ ہوا وہوس بعض اشخاص پر اس قدر غالب ہوجاتی ہے کہ انہیں دین وایمان کے دائرہ سے خارج کردیتی ہے، اور بعض پر اس قدر کہ فسق وفجور کی حد تک پہنچادیتی ہے اور بعض کو یہاں تک نقصان دیتی ہے کہ بوالہوسان آرام طلب کی لڑی میں منسلک کردیتی ہے۔ اس ہوا وہوس کا اختلاط بھی سیاست ایمان کے ساتھ چار مراتب پر خیال کرنا چاہیے۔

پہلا: باوجود ظواہر شریعت کی پاسداری کے طالب لذات نفسانی ہوتا ہے یعنی ظاہر شریعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور نہ ہی فسق وفجور اور جور وتعدی کی راہ لیتا ہے لیکن اپنے نفس کی راحت رسانی میں اس قدر کوشاں رہتا ہے کہ ظاہراً شریعت اسے مباحات سے شمار کرے، ہم اسے سلطنت عادلہ کہتے ہیں۔

دوسرا: نفسانی لذات کی طلب اور جسمانی راحت کی خواہش اس قدر غلبہ کرتی ہے کہ کبھی کبھی لذات کے حصول میں دائرہ شرع سے باہر ہوجاتا ہے اور ظالمان بے باک اور فاسقان سفاک کی راہ تک جاپہنچتا ہے۔ اور پھر اس پر پشیمان نہیں ہوتا اور نہ اس سے توبہ کرتا ہے۔ اسے سلطنت جابرہ کہا جائے گا۔

تیسرا: نفس کی پیروی اس قدر غالب آجاتی ہے کہ زمانہ بھر کا فاسق وعیاش ہوجاتا ہے، جبر وتکبر کی داد دیتا ہے، ظلم وتعدی کی بنیاد ڈالتا اور عیش کے فکر میں ہمت صرف کرتا اور مراتب تفرج کو کمال تک پہنچاتا اور فسق وفجور تعدی وجور کے طریقوں کو ملت وسنت کے شواہد کے مقابلہ میں فراہم کرتا ہے اور اسے اپنے نظر وکمال سے سمجھتا ہے، ہم اسے سلطنت ضالہ کہتے ہیں۔

چوتھا: اپنے ساختہ و پرداختہ قوانین کو شرع متین پر ترجیح دے اور سنت وملت کے طریقہ کی اہانت کرے، اور ردوقدح اور اعتراض واستہزاء کے ساتھ اس سے پیش آئے اور اپنے آئین کے محاسن ومنافع شمار کرتا رہے اور شریعت کو عوام فریب باتوں کی مانند محض ہرزہ گوئی اور بیہودہ سرائی میں سے سمجھے اور ملک العلام کے احکام اور سنت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مزخرفات احمق فریب و ناداں پسند سے قرار دے اور الحاد وزندقہ کی بنیاد رکھے اسے ہم سلطنت کفر کہیں گے۔ (۱)

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے ''سلطنت عادلہ'' کی بھی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک سلطنت کاملہ دوسرے سلطنت ناقصہ جس کا خلاصہ یہ ہے جو سلطان عادل اللہ کے خوف سے ظاہر شریعت کی پاس داری کرے وہ سلطان کامل ہے اور جو مخلوق کے خوف سے کرے وہ سلطان ناقص، اس کے بعد شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''سلطان کامل حکمی خلیفہ راشد ہے، یعنی اگرچہ خلافت راشدہ تک نہیں پہنچا؛ لیکن خلافت راشدہ کے عمدہ آثار بعض ظواہر شریعت کی خدمت صدق واخلاص سے اس سے صادر ہوں، پس اگر کسی وقت سلطان کامل تخت سلطنت پر متمکن ہو اور اس وقت امام حق کا بھی وجود ہو جو خلافت کی لیاقت رکھتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ امام حق منصب امامت پر قناعت کرے، اور اپنی کوشش ہدایت وارشاد کی طرف مبذول کرے اور سلطان کے ساتھ امور سیاست میں دست وگریباں نہ ہو اور رعایا اور لشکر کو جنگ وجدال کے بپا کرنے

---

(۱) منصب امامت ترجمہ حکیم محمد حسین علوی ص ۹۷ تا ۹۹ گیلانی پریس لاہور: ۱۹۴۹ء

میں بے سروسامان نہ کرے، اگرچہ خلافت راشدہ کا منصب اعلیٰ اس کے ہاتھ سے جارہا ہے لیکن عباد اللہ کی خیرخواہی کے مدنظر اس امر کو گوارا کرلے اور راضی بہ قضا ہو رہے اور تمام مسلمانوں پر اس کی تصدیق کردے جیسا کہ امام حسن ؓ نے سلطان شام امیر معاویہ ؓ سے یہی طریقہ اختیار کیا اور مخالفت کا دروازہ نہ کھولا، اسی مصالحت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور فرمایا:

”إن ابني هذا سيد لعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين“ (۱)

”میرا یہ بیٹا سید ہے ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اس کے باعث اللہ تعالیٰ صلح کرادے“

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ سلطان کامل پر امت کا اجماع کرنا خدا اور رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے مطابق ہے اور اس کی اطاعت درگاہ خداوندی میں مقبول ہے۔

نکتہ دوم: سلطان کامل سلاطین اور خلفائے راشدین کے درمیان ایک برزخ کی طرح ہے، اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو اس سلطان کامل کو خلیفہ راشد تصور کریں، اور اگر خلفائے راشدین کا حال معلوم کریں تو اسے سلطان کامل سمجھیں؛ چنانچہ سلطان شام (حضرت معاویہ ؓ) نے فرمایا:

”لست فيكم مثل أبي بكر و عمر، ولكن سترون أمراء من بعدي“

”میں تم میں ابوبکر ؓ و عمر ؓ جیسا حکمراں تو نہیں ہوں؛ لیکن میرے بعد عنقریب امیر دیکھو گے“

بناء بریں ان کی سلطنت کا زمانہ نبوت اور خلافت راشدہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، پس اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے زمانہ کی ابتداء سے اس سلطنت کاملہ کا زمانہ گزر جانے تک ترقی اسلام کا زمانہ ہے۔ (۲)

---

(۱) **بخاري: باب قول النبي ﷺ**، حدیث: ۲۵۵۷

(۲) منصب امامت: ترجمہ ماخوذ حکیم محمد حسین علوی اور ترجمہ منصب امامت: گیلانی پریس لاہور ۱۹۴۹ء

ہمارے نزدیک خلافت اور ملوکیت کے باہمی فرق، اس کے مختلف مدارج اور حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت کی اس سے بہتر تشریح و توجیہ نہیں ہو سکتی۔ (۱)

ایک ضروری بات

حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں کوئی گفتگو کرتے وقت دو باتیں ضرور یاد رکھنی چاہیے، ایک تو یہ کہ ان کے خلاف ان کے زمانے ہی میں پروپیگنڈہ بہت زیادہ کیا گیا، خود حضرت معاویہ ؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بڑھاپا بہت جلد آ گیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا:

> **”كيف لا ولا ازال أرى رجلا من العرب قائما على رأسي يلقح لي كلا ما يلزمني جوابه، فإن أصبت لم أحمد وإن أخطأت سارت بها البرود“**
>
> ”کیوں نہ ہو؟ ہر وقت عرب کا کوئی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا ہے جن کا جواب دینا لازم ہو جاتا ہے، اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو کوئی تعریف نہیں کرتا، اور اگر مجھ سے غلطی ہو جائے تو اسے اونٹنیاں (ساری دنیا) میں لے اڑتی ہیں“ (۲)

لہٰذا ان کے بارے میں تحقیق روایات کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اسے بلا تحقیق درست مان لیا جائے تو صرف حضرت معاویہ ؓ ہی کی ذات مجروح نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے صحابہ ؓ پر طعن و تشنیع کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے؛ چنانچہ تجربہ ہے کہ جو لوگ حضرت معاویہ ؓ پر الزام عائد کرنے میں جری ہو جاتے ہیں، ان کی زبان دوسرے صحابہ ؓ کے خلاف اور زیادہ دراز ہو جاتی ہے، حضرت ربیع بن نافع نے کتنی سچی بات کہی تھی:

”معاوية ؓ ستر لأصحاب محمد ﷺ فإذا كشف

---

(۱) ماخوذ از حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۵۴ (۲) البداية والنهاية: ۸/ ۱۴۰

الرجل الستر اجترأ علی ما وراءه"(۱)

''معاویہ ؓ اصحاب محمد ﷺ کا ایک پردہ ہیں، جب کوئی شخص اس پردے کو کھول دے گا تو اس کے پیچھے کے لوگوں پر اس کی جرأتیں بڑھ جائیں گی''

اور اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ ؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ؟ تو حضرت ابن مبارک ؒ نے فرمایا:

"تراب في أنف معاوية أفضل من عمر بن عبد العزيز"(۲)

''معاویہ ؓ کی ناک کی مٹی بھی عمر بن عبدالعزیز ؒ سے بہتر ہے''

اور اسی لئے حضرت ابراہیم بن میسرہ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے کسی شخص کو مارا ہو، البتہ ایک ایسے شخص کو کوڑوں سے مارا جس نے حضرت معاویہ ؓ کو برا بھلا کہا تھا۔ (۳)

خلافت وملوکیت جابرہ میں فرق

نظام خلافت اور نظام ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے، اگر خلافت راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل فرق محسوس کئے جائیں گے:

۱) خلافت راشدہ کے زمانہ خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود وباش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران وروم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی، جن پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی ہے۔

۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں ہوتا، بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن جاتا ہے، جب کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں خلیفہ اس بیت المال کا متولی ہوتا تھا۔ اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرنا تھا تو کمال احتیاط

---

(۱) **الخطیب: تاریخ بغداد: ۱/۲۰۹**

(۲) **البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۳۹** (۳) ایضاً

اور تقویٰ کے ساتھ۔

۳) خلافت راشدہ کے زمانے میں لوگوں کو خلیفہ سے محاسبہ کرنے کی آزادی ہوتی تھی، بلکہ اس محاسبہ کی ہمت افزائی بھی کی جاتی تھی، ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند سمجھا جاتا ہے اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید قرار پاتی ہے۔

۴) خلافت راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی، قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کرسکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا، ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤ سے نہ ہی بالکلیہ آزاد ہوتی ہیں اور نہ بادشاہوں کے خلاف فیصلہ کی جرأت کرسکتی ہیں۔

۵) خلافت راشدہ میں تمام اجتماعی کام صلاح ومشورے، نظام کے ذریعہ انجام دیئے جاتے تھے، ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے ہیں: "**وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ**" کے حکم شریعت کو پامال کیا جاتا ہے۔

۶) خلافت راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی تقویٰ وطہارت کا بلند ترین نمونہ ہوتی تھی، جبکہ ملوکیت کے دور میں فسق وفجور، ہوا وہوس، نوش ونشہ کا سیلاب شاہی درباروں تک پہنچ جاتا ہے (جیسا کہ خود یزید کی زندگی بے داغ نہیں تھی)۔

۷) حکومت وملوکیت کا محور جس پر پورا نظام چلتا ہے وہ کتاب وسنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن جاتے ہیں ملکی یا ذاتی مفادات کے لئے دین کو قربان کیا جاتا ہے، اسلام میں رکاوٹیں پیدا کی جاسکتی ہیں (جیسا کہ بنوامیہ مسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتے تھے) جبکہ خلافت کا محور قرآن وحدیث کی اشاعت اور اس کے احکام کا قیام ہوتا ہے۔

۸) خلافت راشدہ کے زمانہ میں حکمراں کا تعلق خاص قبیلہ ونسل سے نہ تھا کہ کوئی حکمراں بن جائے تو حکمرانی اسی کی نسل میں چلتی رہے، ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمراں ہوجاتا ہے تو کئی نسلوں تک اقتدار اس کے قبضہ میں رہتا ہے، گویا

ایک سامراجی نظام قائم ہوجاتا ہے اور عجمی ملوکیت کا ایک موروثی نظام قائم ہوجاتا ہے۔ (۱)

فائدہ: واضح رہے کہ یہ فرق کلی طور پر یزید کی ملوکیت میں ظاہر ہوا نہ کہ حضرت معاویہ ؓ کے دور میں۔

خلیفہ و بادشاہ میں فرق

عمر بن الخطاب ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سوال کیا طلحہ ؓ، کعب ؓ اور سلمان ؓ سے کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟

طلحہ ؓ اور زبیر ؓ نے کہا ہم نہیں جانتے، پھر سلمان ؓ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور ان کے درمیان برابر تقسیم کرے اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسے کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے، اس کے بعد کعب نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا تھا کہ اس مجلس میں کوئی میرے سوا خلیفہ اور بادشاہ کے فرق کو پہچانتا ہے۔ سلمان سے مروی ہے کہ عمر ؓ نے ان سے پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ تو ان سے سلمان ؓ نے کہا کہ اگر آپ نے مسلمانوں کی زمین میں سے ایک درہم یا کم وبیش حاصل کیا اور اس کو بے جا صرف کر دیا تو آپ بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں، اس پر عمر ؓ آبدیدہ ہو گئے (۲) اور حضرت معاویہ ؓ سے مروی ہے کہ وہ منبر پر بیٹھ کر کہا کرتے تھے اے لوگو! خلافت مال جمع کرنے اور خرچ کرنے کا نام نہیں، لیکن خلافت ہے حق پر عمل کرنے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں میں کرنے کا۔ (۳)

ایک ضروری گذارش

حقیقت یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور خلافت کا مسئلہ ہمارے زمانے میں بڑی نازک صورت اختیار کر گیا ہے، اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ کی گرم بازاری نے مسلمانوں میں

---

(۱) ماخوذ از حادثہ کربلا کا پس منظر: ۲۳

(۲) ازالۃ الخلفاء: ۱/ ۴۹۰ (۳) حوالہ سابق

دو ایسے گروہ پیدا کر دیئے ہیں جو افراط وتفریط کی بالکل آخری حدود پر کھڑے ہیں، ایک گروہ وہ ہے جو یزید کو کھلا فاسق وفاجر قرار دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر مفاد پرستی، خود غرضی، رشوت ستانی اور ظلم وعدوان کے الزامات عائد کر رہا ہے، دوسری طرف ایک گروہ ہے جو یزید کو فرشتہ قرار دیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کو ہوس اقتدار، جاہ طلبی اور انتشار پسندی کا مجرم بنا رہا ہے۔ اور جمہور امت نے اعتدال کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ مناظرے کے جوش وخروش میں دونوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

اس افراط وتفریط کی ساری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کو موجودہ زمانے کی سیاسی پارٹیوں کے اختلاف پر قیاس کر لیا گیا ہے، اور چونکہ آج کی مفاد پرست دنیا میں، یہ تصور مشکل ہی سے آتا ہے کہ دو مخالف سیاسی جماعتیں بیک وقت نیک نیتی کے ساتھ کسی صحیح جائز اور نیک مقاصد کے لئے آپس میں ایک دوسرے سے لڑسکتی ہیں، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتوں کے بارے میں بھی یہ تصور کرنا مذکورہ گروہوں کو مشکل نظر آتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرسری طور پر کسی ایک جماعت کے برحق اور نیک نیت ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، اور یہ فیصلہ ذہن میں جما کر اس کی تائید وحمایت کے لئے دلائل تلاش کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں دوسرے فریق کے صحیح موقف کو سمجھنے کی کوشش کئے بغیر اس پر الزامات واعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں، ہم دونوں فریقوں کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو جمعہ کے دن ہر خطبہ میں دہرایا جاتا ہے کہ **"اللہ اللہ في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي"** میرے صحابہ کے معاملات میں خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، میرے بعد انہیں (اعتراضات) کا نشانہ مت بنانا۔

ہم سید الاولین والآخرین کے اس ارشاد گرامی کا واسطہ دیکر یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان کو پیش نظر رکھ کر ان کے صحیح موقف کو ٹھنڈے دل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں، اور دل سے بدگمانیوں کا غبار دھو کر اس مسئلہ پر غور فرمائیں۔ (۱)

---

(۱) ماخوذ از حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۱۵۵

جن لوگوں نے حضرت علی ؓ سے جنگ کی ان کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

حضرت علی ؓ اپنی تمام جنگوں میں برسر حق تھے، اور ان کے مخالفین خطا پر خواہ وہ اختلاف دانستہ یا نادانستہ ہو یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہو، حافظ ابن تیمیہ ؒ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

> **"ولو قدح رجل في علي بن أبی طالب ؓ بأنه قاتل معاوية ؓ وأصحابه وقاتل طلحة والزبير، قل له علي بن أبي طالب أفضل وأولیٰ بالعلم والعدل من الذين قاتلوه فلا يجوز أن يجعل الذين قاتلوه هم العادلين وهو ظالم لهم"** (۱)

> "اگر کوئی شخص حضرت علی ؓ پر طعن کرے کہ انہوں نے حضرت معاویہ ؓ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کیا اور طلحہ ؓ وزبیر ؓ سے جنگ کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ سیدنا علی ؓ علم وعدل کے اعتبار سے ان لوگوں سے افضل تھے، جن سے آپ نے جنگ کی، یہ کہنا کسی صورت میں درست نہیں کہ آپ ناحق پر تھے اور آپ کے مخالفین حق پر" (۲)

> اور حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ تحفہ اثناعشریہ میں فرماتے ہیں:

> "وہمیں راست مذہب اہل سنت کہ حضرت امیر در مقالات خود برحق بود ومخالفان او برغیر حق ومخطی" (۳)

> "اہل سنت والجماعت کا مذہب ہی درستگی پر ہے کہ سیدنا علی ؓ اپنے تمام افعال واقوال میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین غلطی پر تھے"

اور علامہ احمد بن علی مقریزی اپنی مشہور تصنیف "الخطط والآثار" میں اہل سنت

---

(۱) **منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة والقدرية:** ۳/ ۱۹۰، طبع مصر ۱۳۲۲

(۲) ماخوذ از: حادثہ کربلا: ۱۵۹

(۳) تحفہ اثناعشریہ: ۲۱۹، طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ

کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس بات میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے:

> **”والأئمة مترتبون في الفضل ترتبهم فى الإمامة ولا أقول في عائشة وطلحة والزبير إلا أنهم رجعوا عن الخطأ وأقول إن طلحة والزبير من العشرة المبشرين بالجنة، أقول في معاوية وعمر بن العاص أنهما بغيا على الإمام الحق على ابن أبي طالب قتالهم مقاتلة أهل البغي وأقول إن أهل النهروان الشراة هم المارقون من الدين وأن عليا كان على الحق في جميع أحواله والحق معه حيث دار“(۱)**

> ”ائمہ کرام کا فیصلہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت میں جو ترتیب تھی، فضل وکمال سے بھی وہی ترتیب ہے، عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کے بعد رجوع کرلیا، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ وعمر بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق عرض کروں گا کہ انہوں نے امام حق سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا، اہل بغی کی طرح جنگ کی اور اہل نہروان کے متعلق کہوں گا کہ شرارت پسند ہیں، وہ دین سے نکل چکے، بہرحال سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے عام احوال میں آپ جدھر گھومے حق آپ کے ساتھ ساتھ تھا“

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کا رجوع کرلینا

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قائل کیا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان جنگ جمل کے لئے گھوڑے کی لگام موڑ دی، اور لشکر سے

---

(۱) **الخطط والآثار:** ۳/ ۳۶۰، طبع مولاق مصر ۱۲۷۰

نکل کر چل دیئے، حضرت طلحہ ؓ نے جو ان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدان جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان (خبیث) نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ آپ جاں بحق ہو گئے، تاہم ابھی زندگی باقی تھی کہ انھوں نے حضرت علی ؓ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی ؓ کی بیعت کر کے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

اور حضرت عائشہ ؓ تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہونے پر اس قدر روتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ (۱)

* * *

---

(۱) حادثہ کربلا کا پس منظر: ۱۵۸

کردارِ یزید

یزید کی ولادت

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب **"لسان المیزان"** میں فرماتے ہیں:

"انه ولد في خلافة عثمان ؓ وقد أبطل من زعم أنه ولد فی عهد النبوی ﷺ وكنيته أبو خالد"۔

''وہ حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا اور اس نے غلطی کی جس نے یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں ہوئی تھی، اور اس کی کنیت ابو خالد ہے''۔

یزید کا طرز زندگی اور اس کی اخلاقی حالت

طبرانی نے بیان کیا ہے کہ یزید اپنی نوجوانی میں پینے پلانے والا آدمی تھا، اور نوعمروں کی راہ پر چلتا تھا۔(۱)

ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں کہ یزید میں اچھی عادتیں بھی تھیں، سخاوت، مروت، فصاحت بیانی، شعر گوئی، بہادری، ملکی معاملات میں صحیح رائے دینا اور صورت شکل بھی اچھی تھی۔ ملنے جلنے میں خوش اخلاق تھا، اس کے ساتھ ساتھ آزادی اور تعیش کی طرف بھی میلان تھا، بعض اوقات نمازیں چھوڑ دیتا تھا، اور اکثر اوقات بالکل غائب کر دیتا (۲) سب سے زیادہ جو بات قابل اعتراض اور لوگوں کی ناراضگی کا سبب تھی وہ شراب نوشی کی شہرت، غیر اخلاقی طرز عمل اور خلاف شرع وضع حرکات تھیں (۳) اس پر الحاد و زندقہ کا الزام نہیں تھا؛ البتہ اس کے بعض اخلاق و اعمال فاسقانہ تھے، کہا گیا ہے کہ یزید کی ناچ گانے، شراب نوشی، راگ و رنگ اور شکار میں عام شہرت تھی، نابالغ لڑکے اور گانے والیاں اور کتے اپنے پاس رکھتا

---

(۱) **البدایہ والنہایہ:** ۸/۸۰ (۲) حوالہ سابق: ۵/۲۳ (۳) حوالہ سابق: ۲/۲۳

تھا، مینڈھے، بندر اور بھالو کو آپس میں لڑانے اور اس کا تماشہ دیکھنے کا شوقین تھا۔ (۱)

۲۵ھ یا ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں پیدا ہوا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کے ہاتھ پر اس خیال سے بیعت کرائی گئی کہ وہ ان کے بعد خلیفہ ہوگا اور ان کے انتقال کے بعد رجب ۶۰ھ میں اپنی بیعت کی تجدید کرائی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''مجھے معلوم ہے رب کعبہ کی قسم عرب کب ہلاک ہوں گے، جب ان کی قیادت وہ شخص کرے گا جس نے جاہلیت کا زمانہ نہیں دیکھا اور اسلام میں بھی اس کو رسوخ اور خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ (۲)

یزید کی ولایت اور جیسا کہ اس کے طرز زندگی اور اخلاق کا ذکر کیا گیا، ایک ایسا واقعہ تھا جو اس عہد میں (جو خلافت راشدہ سے متصلاً بعد آیا) برداشت کے لائق نہیں تھا، اس وقت عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین زندہ تھے، ان میں ایسے حضرات بھی تھے جو خلافت اور مسلمانوں کی سربراہی اور قیادت کے بدرجہا زیادہ مستحق تھے، اور ان مقاصد کو پورا کرنے کی بہتر صلاحیت رکھتے تھے، جو اسلام لے کر آیا تھا، اور جن پر قرآن شاہد ہے اور جو قیام خلافت کی غرض اولین ہیں؛ لہٰذا یہ قدرتی بات تھی کہ لوگوں کو بشدت اس فرق اور عدم تناسب کا احساس ہوا اگر خاصے عرصہ کے بعد یہ شکل پیش آئی ہوتی تو اس شدت کے ساتھ اس کا احساس نہ ہوتا اور یہ نفسیاتی رد عمل پیش نہ آتا، جیسا کہ بعد کے واقعات نے (جو خلافت اموی و عباسی میں پیش آئے) ثابت کر دیا۔ (۳)

سیاسی اجتہادی خطاء

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت تھوڑی تھی، یہ صحابہ کرام کی اولاد و احفاد کا عہد تھا، جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ رکھو۔ انہیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے راشدین کے زمانے

---

(۱) حوالہ سابق: ۵: ۲۳۵ (۲) حوالہ سابق: ۲: ۲۳۲ (۳) ماخوذ از المرتضیٰ: ۲۶۱

سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا، جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا، اس اعتبار سے اہل تقویٰ اور اہل علم حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا وارث ہو جائے، حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے، یہ ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہیے، اسلام کے اجتماعی نظام میں ملوکیت کے در آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہل دین کا ضمیر برداشت کرتا، چنانچہ صحابہ ؓ کی ایک جماعت نے حضرت معاویہ ؓ کو اس سے آگاہ کیا اور جب سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کا عہد خلافت آیا تو ان کو احساس تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنو امیہ کے دور سے لوگ مسند اقتدار پر بیٹھے ہیں، قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، اس میں مسلمانوں کے ارباب حل وعقد کے انتخاب کو دخل نہیں ہوتا، اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں؛ چنانچہ انہوں نے اس انحراف کی جس کی ابتداء یزید کی ولی عہدی سے ہوئی تھی اصلاح ضروری سمجھی، انہوں نے اپنی خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو۔ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کی خلافت کی بابت طے ہو گئی، تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔

”أیها الناس إني قد ابتلیت لهذا الأمر غیر رأي کان مني ولا طلبة له ولا مشورة من المسلمین وإني قد خلعت ما في أعناقکم من بیعتی فاتخذوا لأنفسکم فصاح الناس صیحة واحدة و قد اخترنا لک یا أمیر المؤمنین ورضینا لک“

”لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے، اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایسا کیا گیا ہے،

> میں اپنی بیعت کا قلادہ تمہاری گردنوں سے اتارتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو، لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا کہ امیر المومنین ہم نے آپ کو ہی انتخاب کیا ہے اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں''

موروثی نظام بادشاہت مزاج دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلادہ شاید آپ نہ اتارتے، افسوس کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا، لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعہ برسر اقتدار نہیں آتے؛ بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسر اقتدار آتے تھے، بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا؛ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی، اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی تھی، اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں بلاشبہ بہت سی برکتیں تھیں، مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظام قضاء کے ماتحت ہوتے تھے؛ لیکن خلافت علی منہاج النبوۃ باقی نہیں رہی تھی۔ (۱)

یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ

یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں دو مسئلے الگ الگ ہیں:

۱) نمبر ا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہد بنانا رائے، تدبیر اور نتائج کے اعتبار سے صحیح تھا یا غلط؟

۲) نمبر ۲۔ یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کام نیک نیتی کے ساتھ جواز شرعی کی حدود میں رہ کر کیا تھا یا خالص اپنے ذاتی مفاد کے لئے حدود اللہ کو پامال کر کے؟

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے، اس میں جمہور امت کے محقق علماء ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل امن اور تدبیر کے درجہ میں نفس الامری طور پر درست ثابت نہ ہوا، اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا (جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں جمہور امت کا موقف یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو بلحاظ تدبیر و رائے تو غلط کہا جا سکتا ہے لیکن ان کی نیت پر حملہ کرنے اور ان پر مفاد پرستی کا الزام عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، آپ نے جو کچھ کیا وہ نیک

---

(۱) ماخوذ از حادثہ کربلا کا پس منظر ۲۱، بحوالہ ابن جوزی: ۵۳

نیتی کے ساتھ اور شرعی جواز کی حدود میں رہ کر کیا ہے (تفصیل آگے آئے گی)۔ (۱)

یزید کو ولی عہد بنانے کی شرعی حیثیت

یہاں دو مسئلہ قابل تحقیق ہیں، ایک یہ کہ کوئی خلیفہ وقت اپنے بعد کے لئے کسی کو خالص طور سے اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا ولی عہد بنا دے تو اس کی یہ وصیت امت پر لازم ہوتی ہے، یا اس کی وفات کے بعد اہل حل وعقد کی منظوری کی پابندی رہتی ہے؟

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ خلیفہ وقت اگر کسی شخص میں نیک نیتی کے ساتھ شرائط خلافت پاتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو ولی عہد بنا دے، خواہ وہ اس کا باپ، بیٹا، یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو؛ البتہ بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر وہ اس کا باپ یا بیٹا ہو تو اہل حل وعقد کے مشورہ کے بغیر ولی عہد بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

رہا دوسرا مسئلہ تو اس میں علامہ ماوردی ؒ، شاہ ولی اللہ ؒ اور ابن خلدون ؒ کے بیانات سے تو بڑے توسعات معلوم ہوتے ہیں ان کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر کوئی خلیفہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد بنا دے جس میں خلافت کی اہلیت ہو تو اس کی وصیت ساری امت پر لازم ہو جاتی ہے اور اس کا نفاذ اہل حل وعقد کی مرضی پر موقوف نہیں ہوتا، لیکن علماء ومحققین کی رائے یہی ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے، اور جب تک امت کے ارباب حل وعقد اسے منظور نہ کرلیں یہ تجویز امت پر واجب العمل نہیں ہوتی، خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کی گئی ہو، بلکہ امت کے ارباب حل وعقد کو حق ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو باہمی مشورہ سے اس تجویز کو قبول کریں، اور چاہیں تو رد کر دیں، اسلامی سیاست کے مشہور عالم اور مصنف قاضی ابویعلی الفراء الحنبلی (المتوفی: ۴۵۸) تحریر فرماتے ہیں کہ ”خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کے لئے کسی شخص کو ولی عہد بنالے اور اس معاملے میں اہل حل وعقد کی موجودگی کوئی ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عمر ؓ کو ولی عہد بنایا اور عمر ؓ نے چھ صحابہ کرام کو یہ

---

(۱) ماخوذ از حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق: ۱۰۴

فریضہ سپرد کیا، اور سپرد کرتے وقت کسی نے بھی اہل حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا، اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ولی عہد بنانا اس کو خلیفہ بنانا نہیں ہے، ورنہ ایک ہی زمانے میں دو خلیفہ کا اجتماع لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے، اور جب یہ خلافت کا عقد نہیں ہے تو اہل حل وعقد کی موجودگی بھی ضروری نہیں، ہاں ولی عہد بنانے والے کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔

چند سطروں کے بعد وہ لکھتے ہیں:

''خلیفہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد بنائے جو اس کے ساتھ باپ یا بیٹے کا رشتہ رکھتا ہو، بشرطیکہ وہ خلافت کی شرائط کا حامل ہو، اس لئے کہ خلافت محض ولی عہد بنانے سے منعقد نہیں ہوجاتی بلکہ مسلمانوں کے قبول کرنے سے منعقد ہوتی ہے اور اس وقت ہر تہمت دور ہوجاتی ہے''۔

محقق علماء کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ اگر خلیفہ وقت تنہا اپنی مرضی سے کسی کو ولیعہد بنادے تو اس کے لئے یہ جائز ہے لیکن اس کا یہ فیصلہ تجویز کی حیثیت رکھتا ہے جیسے امت کے اہل حل وعقد اس کی وفات کے بعد قبول بھی کرسکتے ہیں اور رد بھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو ولی عہد تو بلاشبہ بنایا تھا لیکن بنانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اہل شوریٰ سے استصواب فرمایا اور جب دیکھا کہ تمام لوگ ان پر متفق ہیں، تب اپنے فیصلہ کا اعلان فرمایا، نیز ان کی وفات کے بعد بھی امت ان پر متفق ہوگئی۔

(اس تفصیل سے بہرحال دو باتیں واضح ہوجاتی ہیں)

۱) پہلی بات: اگر کوئی خلیفہ وقت نیک نیتی کے ساتھ اپنے بیٹے کو خلافت کا اہل سمجھتا ہے تو وہ اسے اپنا ولی عہد مقرر کرسکتا ہے، یہ بات علماء کے ان دونوں گروہوں کے نزدیک متفق علیہ ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

۲) دوسری بات: علماء محققین کے نزدیک بیٹے کو ولی عہد بنانے کے لئے ارباب حل وعقد سے مشورہ کرنا اور ان کا منظور کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کی خلافت منعقد نہیں ہوتی اور یہی قول صحیح ومختار ہے، البتہ ایک جماعت اس بات کی بھی

قائل رہی ہے کہ خلیفہ وقت تنہا اپنی مرضی سے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا سکتا ہے، اس سلسلہ میں اہل حل وعقد کی منظوری کی بھی ضرورت نہیں ہے اور اس کی وصیت تمام امت پر لازم ہوجاتی ہے۔

اب یزید کی ولی عہدی کے مسئلہ پر غور فرمائیں، مندرجہ بالا احکام کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اگر حضرت معاویہ ؓ دیانتداری سے اپنے بیٹے یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے تو اسے ولی عہد بنادینا شرعی اعتبار سے بالکل جائز تھا، اگر وہ یہ کام پوری امت کے مشورے سے کرتے تب تو بہ اتفاق ان کا یہ فیصلہ ہر فرد کے لئے واجب الاتباع ہوتا اور اگر تنہا اپنی رائے سے کرتے تو آپ کے فعل کی حد تک تو یہ فیصلہ بہ اتفاق جائز تھا اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک امت کے لئے واجب العمل بھی تھا، لیکن علماء کے راجح قول کے مطابق اس سے اہل حل وعقد کی منظوری کے بغیر یزید کی خلافت منعقد نہیں ہوسکتی تھی۔ (۱)

اب مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے یزید کو خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا یا محض اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے؟

کیا حضرت معاویہ ؓ یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ پوری دیانت داری اور نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے، متعدد تواریخ میں منقول ہے کہ حضرت عثمان ؓ کے صاحبزادے حضرت سعید بن عثمان ؓ نے آکر حضرت معاویہ ؓ سے شکایت کی کہ آپ نے یزید کو ولی عہد بنایا ہے؛ حالانکہ میرا باپ اس کے باپ سے، میری ماں اس کی ماں سے اور خود میں اس سے افضل ہوں۔

حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم تمہارے والد مجھ سے بہتر اور آنحضرت ﷺ سے زیادہ قریب تھے، تمہاری ماں بھی یزید کی ماں سے افضل ہے؛ لیکن جہاں تک یزید کا تعلق ہے، اگر سارا غوطہ تم جیسے آدمیوں سے بھر جائے تو بھی یزید تم سے بہتر اور زیادہ محبوب ہوگا، حضرت معاویہ ؓ کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ

---

(۱) حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق: ۱۰۷

وہ کسی ذاتی برتری کے تصور یا رشتے کی بناء پر یزید کو افضل نہیں سمجھ رہے تھے، بلکہ ان کی دیانت دارانہ رائے یہی تھی، اس کے علاوہ متعدد تواریخ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک خطبہ میں یہ دعا فرمائی کہ

> **”اللهم إن كنت تعلم أني وليته لأنه فيما أراه أهل لذلک فأتمم له ما وليته وإن كنت وليته لأني أحبه فلا تتمم له ما وليته“ (۱)**
>
> ”اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اسے (یزید کو) اس لئے ولی عہد بنالیا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے، تو اس ولایت کو اس کے لئے پورا فرمادے اور اگر میں نے اس لئے اس کو ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو اس ولایت کو پورا نہ فرما“۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے عطیہ بن قیس کے حوالے سے اس دعا کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

> **”اللهم إن كنت عهدت ليزيد لما رأيت من فضله فبلغه ما املت وأعنه وإن كنت إنما حملني حب الوالد لولده وإنه ليس لما صنعت به أهلا فاقبضه قبل أن يبلغ ذلک (۲)**
>
> ”اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی فضیلت دیکھ کر ولی عہد بنایا ہے تو اسے اس مقام تک پہنچادے جس کی میں نے اس کے لئے امید کی ہے اور اس کی مدد فرما اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے تو اس کے مقام خلافت تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض کرلے“۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس باپ کے دل میں چور ہو کیا وہ جمعہ کے دن مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر قبولیت کی گھڑی میں اپنے بیٹے کے لئے ایسی دعا کرسکتا ہے؟ حضرت

---

(۱) **البداية والنهاية: ۸/۸۰**

(۲) **الذهبي: تاريخ اسلام وطبقات المشاهير والاعلام: ۲/۲۶۷**

معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس پر خلوص دعا کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہوں نے یزید کو نااہل سمجھنے کے باوجود محض بیٹا ہونے کی وجہ سے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا تو یہ اتنا بڑا تحکم ہے جس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ کسی شخص کی نیت پر حملہ کرنا، زندگی میں بھی شریعت نے جائز قرار نہیں دیا، چہ جائیکہ اس کی وفات کے پندرہ سو برس بعد اس ظلم کا ارتکاب کیا جائے۔

یزید کی جو مکروہ تصویر عموماً ذہنوں میں بسی ہوئی ہے اس کی بنیادی وجہ کربلا کا المناک حادثہ ہے، ایک مسلمان کے لئے واقعتاً یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ جس شخص پر کسی نہ کسی درجہ میں رسول اللہ ﷺ کے محبوب نواسے کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسے صالح اور خلافت کا اہل قرار دیا جائے۔ لیکن اگر حقیقت حال کی واقعی تحقیق مقصود ہو تو اس معاملے میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جارہا تھا، اس وقت حادثہ کربلا واقع نہیں ہوا تھا اور کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یزید کی حکومت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جائے گا، اس وقت یزید کی شہرت جھوٹوں کو بھی اس حیثیت سے نہیں تھی، جس حیثیت سے آج ہے، اس وقت تو وہ ایک صحابی اور ایک خلیفہ وقت کا صاحبزادہ تھا، اس کے ظاہری حالات، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، اس کی دنیوی نجابت اور اس کی انتظامی صلاحیت کی بناء پر یہ رائے قائم کرنے کی پوری گنجائش تھی کہ وہ خلافت کا اہل ہے اور صرف معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے نہیں تھی؛ بلکہ بہت سے دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ بھی یہ رائے رکھتے تھے، دوسری صدی ہجری کے مشہور مورخ علامہ بلاذریؒ مورخ بدائنی کے حوالے سے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:

”قال عامر بن مسعود الجمعي إنّا بمكة إذ مر بنا بريد ينعى معاويه فنهضنا الى ابن عباس و هو بمكة وعنده جماعة و قد وضعت المائدة و لم يوت بالطعام فقلنا له يا ابن عباس جاء البريد بموت معاوية فوجم وطويلا ثم قال اللهم اوسع لمعاوية

اما واللہ ما کان مثل من قبله ولا یاتی بعده مثله و ان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم و اعطوا طاعتکم و بیعتکم"(۱)

''عامر بن مسعود جمحی کہتے ہیں کہ جب ایک قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم مکہ مکرمہ میں تھے، ہم اٹھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس چلے گئے وہ بھی مکہ ہی میں تھے، انکے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے، اور دستر خوان بچھ چکا تھا مگر ابھی کھانا نہیں آیا تھا، ہم نے ان سے کہا کہ اے ابن عباس! قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر لے کر آیا ہے، اس پر وہ کافی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر انہوں نے کہا کہ یا اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے اپنی رحمت کو وسیع فرمادے، خدا کی قسم وہ اپنے سے پہلوں کی طرح نہیں تھے اور ان کے بعد ان جیسا نہیں آئے گا، اور بلا شبہ ان کا بیٹا یزید ان کے صالح اہل خانہ میں سے ہے، لہٰذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی طاعت اور بیعت اسے دے دو''۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ فتنہ حرہ کے موقع پر عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز چھوڑتا ہے اور کتاب اللہ کے احکام سے تجاوز کرتا ہے، اس کے جواب میں حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"قد حضرته و قمت عنده فرأيته مواظباً على الصلوة متحريا للخير يسال عن الفقه ملازماً للسنة"

''میں اس کے پاس گیا ہوں، اور ٹھہرا ہوں، میں نے اس کو نماز کا پابند اور خیر کا طالب پایا، وہ فقہ کے مسائل پوچھتا ہے اور سنت کا پابند ہے''

---

(۱) **البلاذری: أنساب الاشراف: ۲/ ۳۔۴**، یروشلم ۱۹۳۵ء

انہوں نے کہا کہ یزید نے آپ کے سامنے تصنعاً ایسا کیا ہوگا، حضرت محمد بن حنفیہ ؒ نے فرمایا کہ اسے مجھ سے کون سا خوف یا کون سی امید تھی؟ اور کیا اس نے تمہیں خود بتایا ہے تو تم بھی اس کے شریک ہوگے اور اگر اس نے تمہیں نہیں بتایا تو تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ بغیر علم کے شہادت دو، انہوں نے کہا کہ اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں لیکن ہم اس خبر کو سچ سمجھتے ہیں، حضرت محمد بن حنفیہ ؒ نے فرمایا: اللہ نے شہادت دینے والوں کے لئے ایسی بات کہنے کو جائز قرار نہیں دیا، قرآن کا ارشاد ہے: ''**الا من شهد بالحق و هم يعلمون**'' لہٰذا مجھے تمہارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے، انہوں نے کہا شاید آپ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اس معاملے (یزید کے خلاف بغاوت کی سرداری آپ کے سوا کسی اور کو ملے، لہٰذا ہم آپ ہی کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں، حضرت محمد نے فرمایا کہ میں قتال کو نہ تابع ہوکر حلال سمجھتا ہوں نہ قائد بن کر۔ (۱)

ان روایات سے یہ بات واضح ہے کہ یزید کے ظاہری حالات ایسے تھے کہ ان کی موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے صحابی اس کے صالح اور اہل خلافت ہونے کی رائے رکھ سکتے تھے، دوسری طرف اگر اس ماحول کو پیش نظر رکھا جائے، جس میں یہ خلافت منعقد ہو رہی تھی تو بلاشبہ یہ رائے قائم کرنے کی بھی پوری گنجائش تھی کہ وہ موجودہ حالات میں خلافت کا اہل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس ماحول میں حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر وغیرہ ؓ جیسے جلیل القدر صحابہ، صلحائے امت اور مدبرین موجود ہوں، اس ماحول میں یزید کو خلافت کے لئے نااہل یا غیر موزوں سمجھنا کچھ بعید نہیں ہے، زمانہ صحابہ کرام ؓ اور کبار تابعین کا تھا، امت میں خیر و صلاح کا دور دورہ تھا، ایسے حالات خلافت کے لئے عدالت و تقویٰ کے جس معیار بلند کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ یزید اس پر پورا نہیں اترتا تھا، اسی لئے بعض صحابہ کرام ؓ نے اس نامزدگی کی کھل کر مخالفت کی۔

---

(۱) **البداية والنهاية: ۸/ ۲۳۳**

تیسرے صحابہ کرام ؓ کا ایک گروہ وہ تھا جو حضرت حسین ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ وغیرہ جیسے صحابہ کے مقابلے میں یزید کو خلافت کے لئے بہتر تو نہیں سمجھتا تھا لیکن اس خیال سے اس کی خلافت کو گوارا کر رہا تھا کہ امت میں افتراق وانتشار برپا نہ ہو مثلاً حمید بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں یزید کی ولی عہد کے وقت حضرت بشیر ؓ کے پاس گیا جو صحابہ میں تھے، تو انہوں نے فرمایا:

”يقولون إنما يزيد ليس بخير أمة محمد ﷺ وأنا أقول ذلك ولكن لأن يجمع الله أمة محمد أحب إلي من أن تفترق“(۱)

”لوگ کہتے ہیں کہ یزید امت محمد میں سب سے بہتر نہیں ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن امت محمدیہ کا جمع ہو جانا مجھے افتراق کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے“

خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے بارے میں صحابہ کرام کا یہ اختلاف بھی درحقیقت رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا، اور اس معاملے میں کسی کو بھی مطعون نہیں کیا جا سکتا، حضرت معاویہ ؓ یزید کو محض اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے ولی عہد بنانا چاہتے تھے، اور صحابہ کرام ؓ کی ایک بڑی جماعت دیانتداری کے ساتھ ان کی ہمنوا تھی اور وہ پانچ صحابہ کرام ؓ جنہوں نے اس کی مخالفت کی تھی وہ کسی ذاتی خصومت یا حرص اقتدار کی بناء پر مخالفت نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ دیانتداری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں، مذکورہ بالا بحث سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کی رائے واقعہ کے لحاظ سے سو فیصد درست تھی اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ نفس الامر میں ٹھیک کیا؛ بلکہ مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی رائے کسی ذاتی مفاد پر نہیں بلکہ دیانتداری پر مبنی تھی، اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ امانت کے ساتھ اور شرعی جواز کی حدود میں رہ کر کیا ورنہ جہاں تک رائے کا تعلق ہے جمہور امت

---

(۱) **الذهبی، تاریخ اسلام:** ۲/ ۲٦٧

کا کہنا یہ ہے کہ اس معاملے میں رائے انہی حضرات صحابہ کی صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے، جس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

۱) حضرت معاویہ ؓ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا لیکن ان کا عمل ایک ایسی نظیر بن گیا جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ناجائز فائدہ اٹھایا، انہوں نے اس کی آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظام شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا، اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔

۲) بلاشبہ حضرت معاویہ ؓ کے عہد میں یزید کا فسق و فجور کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں اس لئے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جا سکتا تھا لیکن امت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت و تقویٰ بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں بدرجہا بلند مقام رکھتے تھے، اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے یہ درست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز نہیں، (۱) (بشرطیکہ اس میں شرائط خلافت موجود ہوں) لیکن افضل یہی ہے کہ خلیفہ ایسے شخص کو بنایا جائے جو تمام امت میں اس منصب کے زیادہ لائق ہو۔

۳) نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا بھی شرعاً جائز تو ہے؛ لیکن ایک طرف موضع تہمت ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا ہی بہتر ہے اور شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا اپنے آپ کو ایک سخت آزمائش میں ڈالنا ہے، اسی لئے تمام خلفائے راشدین نے اس سے پرہیز کیا، خاص طور سے حضرت عمر ؓ اور حضرت علی ؓ نے تو لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنے قابل اور لائق فرزندوں کو ولی عہد بنانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ (۲)

---

(۱) **الماوردی: الاحکام السلطانیہ: ۶ و ابن العربی: العواصم من القواصم: ۲۱۱**

(۲) **الطبری:** ۳/ ۲۹۲ مطبعۃ الاستقامۃ القاہرہ: ۱۳۵۸ھ

یزید اور اس کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے، جمہور امت کے معتدل اور محقق علماء کا یہی مسلک ہے، قاضی ابوبکر بن عربی مالکی ؒ، حضرت معاویہ ؓ کے اس فعل کو جائز قرار دینے کے ساتھ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

"ان معاویة ترک الافضل فی ان یجعلها شوریٰ وألا یخص بها احدا من قرابته فکیف ولدًا و ان یقتدی بما اشار به عبدالله ابن الزبیر فی الترک او الفعل"

''بلاشبہ افضل یہ تھا کہ حضرت معاویہ ؓ خلافت کے معاملے کو شوریٰ کے سپرد کر دیتے اور اپنے کسی رشتہ دار اور خاص طور سے بیٹے کے لئے اس کو مخصوص نہ کرتے، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو جو مشورہ دیا تھا، ولی عہد بنانے یا نہ بنانے میں اسی پر عمل کرتے؛ لیکن انہوں نے اس افضل کام کو چھوڑ دیا۔ (۱)

حافظ ابن کثیر ؒ کی تشریح:

"کان معاویة لما صالح الحسن عهد للحسن بالأمر من بعده فلما مات الحسن قوی أمر یزید عند معاویة ؓ ورأی أنه لذلک أهلا وذاک من شدة محبة الوالد لولده ولما کان یتوسم فیه من النجابة الدنیویة و سیما أولاد الملوک ومعرفتهم بالحروب وترتیب الملک والقیام بابهته وکان ظن أن لا یقوم أحد من ابناء الصحابة في هذا المعنی ولهذا قال لعبد الله بن عمر ؓ : فیما خاطبه به إني خفت أن أذر الرعیة من بعدي کالغنم المطیرة لیس لها راع" (۲)

''جب حضرت معاویہ ؓ نے حضرت حسن ؓ سے صلح کی تھی تو

---

(۱) **العواصم من القواصم:** ۲۲۲۔ ماخوذ از: حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۰۹

(۲) **البدایة والنهایة:** ۸/۸۰

انہی کو اپنا ولی عہد بھی بنایا تھا؛ لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو یزید کی طرف حضرت معاویہ ؓ کا رجحان قوی ہوگیا، ان کی رائے یہ تھی کہ وہ خلافت کا اہل ہے اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی، نیز اس لئے تھی کہ وہ یزید میں دنیوی نجابت اور شاہزادوں کی سی خصوصیت، فنون جنگ سے واقفیت، انتظام سلطنت اور اس کی ذمہ داری پورا کرنے کے صلاحیت دیکھتے تھے، اور انکا گمان یہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ کے صاحبزادوں میں کوئی اس اعتبار سے بہتر انتظام نہ کر سکے گا، اسی لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو“۔

علامہ ابن تیمیہ ؒ کی تصریح

”الناس في يزيد طرفان ووسط، قوم يعتقلون أنه من الصحابة أو من الخلفاء الراشدين المهديين أو من الأنبياء وهذا كله باطل و قوم يعتقدون أنه كافر منافق في الباطن وأنه كان له قصد في أخذ ثار كفار أقاربه من أهل المدينة وبني هاشم و كلا القولين يعلم بطلانه كل عاقل فإن الرجل ملك من ملوك المسلمين و خليفة من الخلفاء الملوك لا هذا ولا هذا“ (١)

”یزید کے بارے میں لوگوں کے دو فریق ہیں، اور کچھ لوگ بیچ کی رائے رکھتے ہیں، بعض لوگوں کا اعتقاد تو یہ ہے کہ وہ صحابہ یا خلفائے راشدین یا انبیاء میں سے تھا یہ اعتقاد بالکل باطل ہے، اور کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ اور اس کا اصل مقصد اپنے کافر رشتہ داروں کا بدلہ لینا تھا، یہ دونوں قول باطل ہیں، ہر عقلمند انسان ان اقوال کو باطل سمجھے گا؛ اس لئے کہ یہ شخص

---

(١) ابن تیمیة: منهاج السنة: ٢٤٦-٢٤٧

> (یزید) مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور شاہی طرز کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا، نہ وہ ایسا تھا (جیسے پہلے گروہ نے کہا) اور نہ ویسا (جیسا دوسرے گروہ نے کہا)''

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کی تشریح

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کا جو داعیہ پیدا ہوا اس کی وجہ امت کے اتحاد و اتفاق کی مصلحت تھی، بنو امیہ کے اہل حل وعقد اس پر متفق ہو گئے تھے؛ کیونکہ وہ اس وقت اپنے علاوہ کسی اور پر راضی نہ ہوتے، اور اس وقت قریش کی سربرآوردہ جماعت وہی تھی اور اہل ملت کی اکثریت ان ہی میں سے تھی، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ترجیح دی اور افضل سے غیر افضل کی طرف رجوع کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت اور صحابیت اس کے سوا کچھ اور گمان کرنے سے مانع ہے۔ (۱)

اصل میں جمہور امت کا طرز عمل صحابہ کرام کے بارے میں ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اگر ان کے کسی فعل کی کوئی ایسی توجیہ ہوسکتی ہو تو صحابیت کے مقام بلند اور ان کی مجموعی سیرت کے شایان شان ہو تو ان کے فعل کو اس توجیہ پر محمول کیا جاتا ہے۔ (۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولی عہدی پر اصرار کیوں تھا، اور یہ اجتہادی خطاء ان سے کیوں صادر ہوئی، تاریخ کہتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی شیرازہ بندی کے لئے یہی صورت مناسب تھی، اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام وانصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے تھے اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا جو ہر باپ کے سینے میں فطری طور پر ہوتا ہے، ابن کثیر نے اسباب ولی عہدی میں اس سبب کو بھی بیان کیا ہے۔

---

(۱) ابن خلدون: مقدمہ: ۲۷۷ (۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۱۱۸

"وذلک من شدة محبة الوالد لولده و لما کان یتوسم فیه من النجابة الدنیویة وسیما أولاد الملوکی و معرفتهم بالحروب و ترتیب الملک و القیام بابهته و کان یظن أنه لا یقوم أحد من ابناء الصحابة في هذا المعنی" (۱)

اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یزید کے کردار کا مکمل علم تھا اور نہ ہی اس کا فسق اتنا عیاں ہوا تھا کہ آپ اپنی نیت کے اعتبار سے مخلص تھے، اسی لئے ایک بار برسرِ منبر فرمایا:

"اللهم إن کنت تعلم أني ولیته لأنه فیما أراه و أهل لذلک فاتمم له ما ولیته وإن کنت تعلم أني إنما ولیته لأني أحبه فلا تمم له ما ولیته"

''اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے یزید کو ولی عہد اس لئے بنایا ہے کہ وہ میری نظر میں اس کا اہل ہے، تو اس کی ولایت کو تکمیل تک پہنچا اور اگر محض محبت کی بناء پر ولی عہد بنایا ہے تو اسے پورا نہ فرما''۔

ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید سے پوچھا کہ اگر تجھے ولایت ملے تو کیسے اپنے ذمہ داری نبھائے گا، یزید کہنے لگا بخدا اگر اس میں والی بنا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد لوٹا کر رکھ دوں گا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور قائم کر دوں گا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ میں بہت کوششوں کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح خلافت نہ کر سکا اور تو عمر کے عہد کو قائم کر دے گا؟ (۲)

اور آپ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل بھی جانا تو اس سے زیادہ بات نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا کیونکہ افضل کا

---

(۱) **البدایہ:** ۵/ ۴۹۱ (۲) **البدایہ:** ۵ر، از باب ذکر یزید بن معاویہ

خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔ (۱)

یزید کی تخت نشینی اور آغاز خزاں

رجب ۶۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، ان کے بعد یزید جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے ان کا جانشین ہوا، تخت حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لئے سب سے اہم معاملہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا تھا؛ کیونکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت ان دونوں نے اس کو نہ دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ زبان سے اقرار کیا تھا، اور ان کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز میں یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا، کیونکہ ان کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا اور حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش بپا ہوتی، جیسا کہ آئندہ چل کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں ہوا کہ شام کے بعض حصوں کے سوا قریب قریب پورا ملک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگیا، ان اسباب کی بنا پر اپنی حکومت کی بقاء اور تحفظ کے لئے یزید نے ان دونوں سے بیعت لینا ضروری سمجھا، گو یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی، اگر وہ سمجھداری سے کام لے کر ان بزرگوں کو ساتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار واقعات پیش نہ آتے جنہوں نے صرف یزید کو ساری دنیا میں بدنام بلکہ اموی حکومت کو لوگوں کی نگاہ میں مطعون کردیا، جس کا اثر اموی حکومت پر بہت برا پڑا۔ بنی امیہ کے خلاف عباسیوں کی دعوت میں کامیابی کا ایک بڑا سبب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی تھا۔

لیکن یزید نے ان پہلوؤں کو نظر انداز کرکے حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا، ابھی مدینہ میں امیر

---

(۱) اقتباس از: شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور کردار یزید’ از نانوتوی: ۱۷۶

معاویہ ؓ کی وفات کی خبر نہ پہنچی تھی، ولید کے لئے اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی، وہ اس کے انجام سے واقف تھا، اس لئے بہت گھبرایا اور اس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا، مروان سخت مزاج تھا، اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو، اگر مان جائیں تو فبہا اور اگر ذرا بھی لیت ولعل کریں تو سر قلم کر دو، ورنہ ان لوگوں کو معاویہ کی موت کی خبر مل گئی تو پھر ان میں سے ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی۔

اس مشورہ کے بعد ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا، اولاً یہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی جو ولید کے ملنے کا وقت نہ تھا، دوسرے امیر معاویہ ؓ کی علالت کی خبریں مدینہ میں آچکی تھیں، ان قیاسات سے دونوں آدمی سمجھ گئے کہ امیر معاویہ ؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور انہیں بیعت کے لئے بلایا گیا ہے، تا کہ معاویہ ؓ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لی جائے، حضرت حسین ؓ کو اندازہ تھا کہ انکار بیعت کی صورت میں کسی حد تک معاملہ نزاکت اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے، اور مکان کے باہر آدمیوں کو متعین کر دیا، تا کہ اگر کوئی ناگوار شکل پیش آئے تو وہ لوگ فوراً آپ کی آواز پر پہنچ جائیں، ولید نے انہیں امیر معاویہ ؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لئے کہا، حضرت حسین ؓ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا، اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے، جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آجاؤں گا، اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا، ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا، اس لئے رضامند ہو گیا، اور حضرت حسین ؓ لوٹ گئے، مروان نے زبردستی بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کر دینے کی رائے دی تھی، ولید کی اس نرمی اور صلح پسندی پر بہت برہم ہوا اور کہا تم نے میرا کہنا نہ مانا، اب تم ان پر قابو نہیں پا سکتے۔ ولید بولا افسوس! تم فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کے لڑکے حسین ؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرنا چاہتے ہو، خدا کی قسم قیامت کے دن میں حسین ؓ کے خون

کا جس سے محاسبہ کیا جائے، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا۔ (۱)

یزید کی ولی عہد کے نقصانات

حافظ ابن حزم اندلسی نے اپنی مشہور کتاب جمہرۃ انساب العرب میں یزید کے کردار اور اس کے ولی عہدی کے نقصانات کا اجمالاً تذکرہ کیا ہے۔

> **”ویزید أمیر المؤمنین وکان قبیح الآثار في الإسلام قتل أهل المدینة وأفاضل الناس وبقیة الصحابة رضی اللہ عنہم یوم الحرة في آخر دولته وقتل الحسین رضی اللہ عنہ وأهل بیته في أول دولته وحاصر بن الزبیر فی المسجد الحرام واستخف بحرمة الکعبه والإسلام فأماته الله هی تلک الأیام وقد کان غزا فی أیام أبیه القسطنطین وحاصرها“ (۲)**

اور یزید امیر المؤمنین جس کے اسلام میں برے کرتوت ہیں، اس نے اپنی سلطنت کے آخری دور میں حرہ کے دن اہل مدینہ اور ان کے بہترین اشخاص اور بقیہ صحابہ کو قتل کیا اور اپنے عہد حکومت اول میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کو قتل کیا اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر کے کعبہ اور اسلام کی بے حرمتی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی اور اس کا محاصرہ بھی کیا تھا۔

(۱) شہادت حسین رضی اللہ عنہ وآل رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲) واقعہ حرہ جس میں صحابہ واولاد صحابہ مظلومانہ طور پر شہید کیے گئے (۳) مدینہ ومسجد نبوی کی بے حرمتی (۴) ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر کے کعبہ کی بے حرمتی، یہ ایسے بڑے بڑے جرم ہیں جو ایک مسلمان سے نہایت ہی شرمناک ہیں، وہ ایک غلطی جو یزید کی ولی عہد کی شکل میں ہوئی، اس کا نتیجہ سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔

---

(۱) ابن اثیر: ۴ / ۱۰، اخبار الطوال: ۲۴۱

(۲) **جمہرۃ انساب العرب:** ۱۲۲، طبع مصر: ۱۳۸۲

یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

مشکوٰۃ شریف کی حدیث جو باب الایمان بالقدر کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے:

> **”عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ستة لعنتهم و لعنهم الله و كل نبي يجاب الزائد في كتاب الله، والكذب بقدر الله، والمتسلط بالجبروت ليعز من أذله الله ويذل من أعزه الله، والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتي ما حرم الله والتارك لسنتي“** (۱)

> ”حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (وہ چھ شخص یہ ہیں) اول وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، دوسرے وہ جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو جور وظلم سے مخلوق خدا پر مسلط ہو جائے تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عترت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے، جو اللہ نے رکھی ہے، چھٹے وہ جو میری سنت کا تارک ہو۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث رزین عبدی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے“

اس حدیث کی روشنی میں اب ذرا یزید کی زندگی پر نظر ڈالیے، آپ کو معلوم ہوتا کہ

۱) اس میں بہت سی لعنتی باتیں جمع ہوگئی تھیں، اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بہ تواتر ثابت ہے، جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے، اس

---

(۱) **ترمذی، باب** حدیث: ۵۴۲۱

سے زیادہ یزید کا ظلم وستم اور اس کا فسق وفجور مشہور ہے۔

۲) وہ جبر وزبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی بلکہ حرم نبوی ﷺ کو بھی تین دن کے لئے اپنی فوج کے لئے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے؛ چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ خدا، سینکڑوں صحابہ وتابعین کے علاوہ اولاد انصار ومہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل وغارت کا یہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی؛ چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں باب الکرامات میں منقول ہے:

"وعن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان أیام الحرة لم یوذن فی مسجد النبی ﷺ ثلاثا ولم یقم، ولم یبرح سعید بن المسیب المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوٰة الا بهمهمة یسمعها من قبر النبی ﷺ"(۱)

حضرت سعید بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ فتنہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تھے جو مسجد ہی میں رہے، یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے، مگر بس ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (ﷺ) سے وہ سنا کرتے تھے، اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

۴) اور عترت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت وحرمت کو جس طرح اس نے خاک میں ملایا وہ تو زبان زد خاص وعام ہے یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور ومعروف کتاب تاریخ الخلفاء میں کربلا کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

"لعن اللہ قاتله وابن زیاد معه ویزید ایضاً"

---

(۱) **رواه الدارمی: ۵۴۵**

"اللہ تعالیٰ حضرت حسین ؓ کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد پر اور یزید پر بھی" (۱)

یزید کی حکومت حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں:

"حفظت عن رسول الله ﷺ وعائين لم يبثه على الأحاديث التي فيها تبين اسامى أمراء السوء وأحوالهم وزمنهم و قد كان ابوهريرة يكنى عن بعضه و لا يصرح به خوفا على نفسه منهم كقوله: أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان يشير إلى خلافة يزيد بن معاوية ؓ لأنها كانت سنة ستين من الهجرة واستجاب الله دعاء أبي هريرة فمات قبلها بسنة" (۲)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو ظرف علم یاد کیے ہیں، جس کی حضرت ابوہریرہ ؓ نے اشاعت نہ کی، ان احادیث پر محمول کیا ہے جس میں امرائے سوء (بدکردار و نابکار حاکموں) کے ناموں کی تفصیل، ان کے حالات اور زمانے کا بیان تھا، حضرت ابوہریرہ ؓ ان نالائق حکمرانوں میں سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کر دیا کرتے تھے، مگر صراحتاً ان کا نام نہیں لیتے تھے کہ کہیں وہ ان کو جان سے نہ مار ڈالیں، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ یزید بن معاویہ کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ ۶۰ ہجری میں قائم ہوئی اور حق تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی دعا قبول بھی فرمائی چنانچہ وہ یزید کے بادشاہ ہونے سے ایک سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما گئے"

---

(۱) **تاریخ الخلفاء:** ۸۰، مطبع میمنیہ ۱۳۰۰ھ، ماخوذ از حادثہ کربلا: ۱۶۴

(۲) **فتح الباری:** ۱۰ / ۱۹۳، طبع میریہ مصر: ۱۳۰۰

امام بخاری ؒ نے "**کتاب الصحیح**" میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں:

"باب قول النبی ﷺ هلاک أمتی علی یدی اغیلمة من قریش"

"حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی"

اور پھر اس بات میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"حدثنا موسیٰ بن إسماعیل حدثنا عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید قال: أخبرنی جدی قال کنت جالساً مع أبي هریرة فی مسجد النبی ﷺ بالمدینة ومعنا مروان، قال: أبوهریرة سمعت الصادق المصدوق یقول هلکة أمتي علی یدی غلمة من قریش، فقال مروان لعنة الله علیهم غلمة، فقال أبوهریرة لو شئت أن أقول بنی فلان بنی فلان فعلت فکنت أخرج مع جدی إلی بنی مروان حین ملکوا بالشام فإذا رأهم غلمانا أحداثا قال لنا عسیٰ هولاء أن یکونوا منهم قلنا أنت أعلم"

"عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمر بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان نے بتلایا کہ میں مدینہ شریف میں حضرت ابوہریرہ ؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا میں نے صادق ومصدوق ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھ ہوگی۔ اس پر مروان کی زبان سے نکلا، خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے ہوں گے، حضرت ابوہریرہ ؓ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا چاہوں کہ

فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں، عمرو کا بیان ہے کہ پھر میں نے اپنے دادا جان کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا کرتا تھا، اور دادا جان جب ان نوخیز لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ غالباً یہ وہی لوگ ہیں (جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ ؓ نے بتایا تھا) ہم یہ سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے“(١)

اہلیت یزید

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ لکھتے ہیں: بہ اجماع مورخین سے ثابت ہے کہ جب حضرت حسین ؓ نے یزید کو باطل جانا اور لائق امامت نہ دیکھا تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی، یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجہ شہادت کو پہنچے۔ (٢)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ سے لے کر حضرت نانوتوی ؒ تک تمام بزرگان دین کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ یزید خلافت کی اہلیت نہیں رکھتا تھا، رہا حضرت معاویہ ؓ کا اس کو ولی عہد بنانا سو جس وقت حضرت معاویہ ؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا، اگر کچھ کیا کرتا تھا تو وہ در پردہ کرتا تھا جس کی خبر امیر معاویہ ؓ کو نہ تھی، امیر معاویہ ؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا، پس معلوم ہوا کہ یزید کا خلافت کا اہل نہ ہونا بعد میں ظاہر ہوا۔

یزید اگر خلافت کا اہل نہ تھا تو صحابہ ؓ نے کیوں بیعت کی؟

جس وقت یزید کی بیعت کی گئی تھی وہ نہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہوتا، پھر صحابہ ؓ کی ایک جماعت کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے، اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہیے؛ کیونکہ ان سے ٹکر لینا آسان کام نہیں، اس میں سخت خونریزی ہوتی ہے اور یہ

---

(١) ماخوذ از: یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں: ٢٥٦

(٢) تحفہ اثناعشریہ در خواص مذہب شیعہ

بھی ہوسکتا ہے کہ اقتدار کی مستقبل میں کامیابی نہ ہو اور مزید ظلم وتشدد بڑھ جائے؛ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی شرح سیر کبیر میں فرماتے ہیں:

”وعن جماعة من الصحابة قالوا إذا عدل السلطان فعلى الرعية الشكر و للسلطان الأجر وإذا جار فعلى الرعية الصبر و على السلطان ألوزر“

> ”صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ حاکم وقت اگر انصاف کرے اور رعایا پر ظلم نہ کرے تو رعایا اس کا شکر اور خدا کا شکر ادا کرے اور حاکم کو اس کا اجر ملے گا، اور اگر وہ ظلم کرے تو رعایا صبر سے کام لے (بغاوت نہ کرے) اور حاکم کو اس کی سزا ملے گی“

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں: شاید اس وقت ارباب حل وعقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہوگئیں، کسی پر فتنہ وفساد کا اندیشہ غالب آگیا اور بدرجہ مجبوری با دل ناخواستہ بیعت قبول کرلی اور جس کو ایک جماعت کثیر کے وعدوں پر معزول کردینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ (۱)

سو اس سے معلوم ہوا کہ جن صحابہ نے بیعت کرلی انہیں یا تو اس کے فسق کا علم نہ تھا یا بدرجہ مجبوری یا پھر اپنے نظریہ کی وجہ سے وہ بیعت کرلینے ہی میں مصلحت سمجھتے تھے، اس لئے بیعت کرلی۔ اور جن صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اس کی اصل تو یہ ہے کہ اس میں خلافت کی اہلیت ہی نہ تھی اور ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اسلامی نظام میں آنے والے اس انحراف کو روکا نہ جائے اور اصلاح نہ کی جائے تو یہ بگاڑ بڑھتا ہی جائے گا، یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا، لیکن خلافت کو ہرقل کی ملوکیت میں تبدیل کردینے سے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹری بدل دی ہے اور اب یہ راستہ مکہ کے بجائے ترکستان کی طرف جارہا ہے، منزل اور سمت سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے، جن لوگوں کو اللہ

---

(۱) قاسم العلوم: ۱۴۳

نے نور بصیرت عطا کی تھی وہ سمت سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا، یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے لئے میدان میں نہیں آئے تھے، بلکہ یہ امت کے بہترین لوگ تھے، رسول مقبول، علی و بتول کی گود میں پرورش پائے تھے۔ (۱)

کیا یزید کی بیعت اجماعی تھی؟

جب بعض صحابہ ؓ نے بیعت کر لی اور بعض نے اختلاف کیا تو پھر یہ بیعت اجماعی کیسے ہو سکتی ہے، جب سیدنا حسن و حسین عبداللہ بن زبیر ؓ اور اہل مدینہ نے کوئی کام کیا ہو اور اس کام کے مخالف کو مجمع علیہ کسی طرح کہہ سکتے ہیں، اگر بالفرض اجماع ہوا بھی تو وہ حضرت حسین ؓ کے بعد منعقد ہوا ہے، ظاہر ہے کہ اس اجماع کی مخالفت حضرت امام حسین ؓ کو مضر نہیں پڑتی (۲) لہٰذا سیدنا حضرت حسین ؓ کو باغی قرار دینا غلط ہے۔

کیا سیدنا حسین ؓ نے اپنے امام کے خلاف خروج کیا؟

جب وہ خلافت کا اہل ہی نہ تھا اور اگر خلیفہ ہو بھی گیا تو اس کی خلافت جب اجماعی نہ تھی پھر سیدنا حسین ؓ کا اس کے خلاف اقدام بغاوت نہیں کہلائے گا، کیونکہ وہ نہ آپ کا خلیفہ تھا اور نہ آپ نے اس پر بیعت کی اور نہ اس کی خلافت سے راضی تھے؛ چنانچہ نانوتوی ؒ اس سوال کے جواب میں رقم فرما ہیں:

> ”باقی ماند کہ اوشاں مخالفت اجماع کردند، جوابش اینست کہ اول اجماعیت مسلم نیست اگر باشد عدم مخالفت باشد بایں ہمہ اجماع بر عدم جواز خروج بر فاسق است و سعی آں ہر چہ نیست عرض کردہ شد از اجماع بر عدم جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کل مشکک موجب خروج نتواں شد بایں ہمہ اجماع غیر مسلم وقتیکہ

---

(۱) حادثہ کربلا کا پس منظر: ۲۵

(۲) اقتباس از: شہادت حسین و کردار یزید، تالیف فارسی از نانوتوی ۸۵

> حضرات حسین ؓ و عبداللہ بن زبیر ؓ و اہل مدینہ کارے کردہ باشند، مخالف آں را مجمع علیہ چگونہ تواں گفت و اگر بالفرض اجماع را تسلیم کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت امام حسین ؓ منعقد گردید مخالف این اجماع را حضرت امام ؓ راچہ مضر‘‘(۱)

باقی رہی یہ بات کہ امام حسین ؓ نے یزید کی مخالفت کر کے اجماع کی مخالفت کی اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو عین اجماع ہی تسلیم نہیں، اگر کچھ ہے تو وہ (صحابہ کی) عدم مخالفت ہے، اس کے باوجود ’’فاسق خلفاء کے خلاف اٹھنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، اس کے معنی جو کچھ ہیں عرض کر دیئے گئے ہیں (تفصیل کے لئے رجوع کریں مذکورہ کتاب: ۷۴) نفس فسق کے خلاف خروج کے ناجائز ہونے پر اجماع سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کل مشکک کے درجات کی خصوصیات زائدہ بھی خروج کا موجب نہیں ہوسکتا، ان سب باتوں کے باوجود بھی اجماع مسلم نہیں، جس وقت حضرت امام حسن ؓ و حسین ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ اور اہل مدینہ نے کوئی کام کیا ہو اس کام کے مخالف کو مجمع علیہ کس طرح کہہ سکتے ہیں، اگر بالفرض اجماع اگر منعقد ہوا بھی تو حضرت امام حسین ؓ کے بعد منعقد ہوا ہے، اس کی مخالفت حضرت امام حسین ؓ کو مضر نہیں ہوتی۔

اپنے ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا کہ حسین ؓ سے نہ بغاوت ہوئی اور نہ ہی اجتہادی خطاء بلکہ آپ صواب و درستگی پر تھے، چنانچہ حضرت نانوتوی ؒ فرماتے ہیں: مگر اس وقت اہل الرائے اور اہل تدبیر کی رائے مختلف ہوگی، جس کسی کو فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آیا اس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور معصیت سے بچنے کے لئے نیکی کی پیروی کرنے کی شرط کو درمیان میں رکھا؛ لیکن جس شخص یعنی حضرت حسین ؓ کو بڑی جماعت کے وعدے پر غلبہ و شوکت کی امید نظر آئی، وہ اس کے لئے کھڑے ہوگئے اور جنگ کا عزم کرلیا۔

بس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ سید الشہداء امام حسین ؓ نے کیا وہ بالکل حق اور صواب کیا، اس اختلاف کی بنیاد

---

(۱) شہادت حسین ؓ اور کردار یزید: ۸۸

امید غلبہ وعدم غلبہ پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے کے اختلاف پر، مگر انجام کار قبول کی وعدہ خلافی کی وجہ سے حضرت سید الشہداء کی تدبیر فیل ہوگئی اور ۱۰ محرم کو قیامت سے پہلے میدان کربلا میں قیامت قائم ہوگئی۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔(۱)

حضرت حسین ؓ کا موقف

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یزید کی ولی عہدی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور وہ کھلا فاسق و فاجر نہیں تھا تو حضرت حسین ؓ نے اس کے خلاف خروج کیوں کیا؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کا راجح قول یہ ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے، اور خلیفہ کی وفات کے بعد امت کے ارباب حل وعقد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ولی عہد ہی کو خلیفہ بنائیں، اور چاہیں تو باہمی مشورے سے کسی اور کو خلیفہ مقرر کردیں؛ لہٰذا حضرت معاویہ ؓ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ امت کے ارباب حل وعقد اسے منظور نہ کرلیں۔

حضرت حسین ؓ بذات خود شروع ہی سے یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے، اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے، یہ ان کی دیانتدارانہ رائے تھی، جب حضرت معاویہ ؓ کی وفات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہل حل وعقد نے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ شامل تھے، ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، ادھر عراق سے ان کے پاس خطوط کا انبار لگ گیا جس سے واضح ہوتا تھا کہ اہل عراق بھی یزید کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں وہاں کے لوگ مسلسل انہیں یہ لکھ رہے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔

ان حالات میں ان کا موقف یہ تھا کہ صرف اہل شام کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس کی خلافت ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی اس کے باوجود وہ پورے عالم اسلام پر بزور متصرف ہونا چاہ رہا ہے، تو اس کی حیثیت ایک ایسے سلطان متغلب کی سی

---

(۱) شہادت امام حسین ؓ و کردار یزید: ۳۲

ہے جو غلبہ پانا چاہتا ہے، مگر ابھی پا نہیں سکا، ایسی حالت میں اس کے غلبہ کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، اور اس لئے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے حضرت مسلم بن عقیل ؓ کو روانہ کیا تاکہ صحیح صورتِ حال معلوم ہو سکے؛ لٰہذا کوفہ کی طرف ان کا کوچ فقہی نقطہ نظر سے بغاوت کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک متغلب کے غلبہ کو روکنے کے لئے تھا، اگر ان کی نظر میں صورتحال یہ ہوتی کہ یزید پورے عالم اسلام پر بزور قابض ہو چکا ہے اور اس کا تسلط مکمل ہو گیا تب بھی بحالت مجبوری احکام شریعت کے مطابق یزید کو سلطان متغلب تسلیم کر کے خاموش ہو جاتے، لیکن ان کی نظر میں صورتحال یہ تھی کہ یزید کا تسلط ابھی مکمل نہیں ہوا، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے اقتدار کو ابھی روکا جا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی ہے اور یزید کا تسلط وہاں پر مکمل ہو گیا ہے تو انہوں نے وہ تین مشہور تجاویز پیش کیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ **"اما ان اضع یدی فی ید یزید"**(۱)

یا پھر میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ حضرت حسین ؓ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یزید کا تسلط پوری طرح قائم ہو چکا ہے تو سلطان متغلب کی حیثیت سے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے رضامند ہو گئے تھے، لیکن عبید اللہ بن زیاد نے شمر ذی الجوشن کے مشورے پر عمل کر کے ان کی کسی بات کو نہ مانا اور اس بات پر اصرار کیا کہ وہ غیر مشروط طور پر عبید اللہ بن زیاد کے پاس حاضری دیں، ظاہر ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کی اس نامعقول بات کو ماننا حضرت حسین ؓ پر لازم نہیں تھا اور وہ اس میں اپنی جان کا خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے بالآخر انہیں مقابلہ کرنا پڑا، اور کربلا کا المیہ پیش آ کر رہا۔ جہاں تک یزید کا تعلق ہے یہ بالکل درست ہے کہ کسی بھی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے خود حضرت حسین ؓ کو

---

(۱) **الطبری:** ۴/ ۳۱۳، **البدایۃ والنہایۃ:** ۸/ ۱۷۵، وغیرہ میں بھی اس تجویز کا ذکر ہے، ایک راوی کا کہنا ہے کہ حضرت حسین ؓ نے یہ تجویز پیش نہیں کی؛ لیکن اس کے مقابلے میں وہ روایات زیادہ ہیں جن میں اس تجویز کا ذکر کیا گیا ہے۔

شہید کیا یا انہیں شہید کرنے کا حکم دیا بلکہ بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ اس نے آپ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا (گوکہ سیاسی مصلحت کے پیش نظر ہی ہو) اور عبید اللہ بن زیاد کو اپنی مجلس میں برا بھلا کہا (١) لیکن اس کی یہ غلطی نا قابل انکار ہے کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کو اس سنگین جرم پر کوئی سزا نہیں دی۔

یزید کے خلاف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام فی اللہ تھا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی نا اہلی کی بناء پر تھا نہ کہ دوسروں کے کہنے سے، آپ اپنی بصیرت کے مطابق محض للہ فی اللہ بغرض اعلاء کلمۃ اللہ نکلے تھے؛ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری رحمہ اللہ میں لکھتے ہیں:

”ثم خرجوا غضا للدين من أجل جور الولاة و ترک عملهم بالسنة النبوية فهؤلاء اهل الحق و منهم الحسين بن على و أهل المدينة فى الحرة و القراء الذين خرجوا على الحجاج“ (٢)

ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم وستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے یہ سب اہل حق ہیں، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا، اور وہ تمام علماء جو حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان ہی اہل حق میں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی حامی تھی

چنانچہ حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما و ابن العاص رضی اللہ عنہ نے فرزدق شاعر کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت کے لئے ترغیب دے کر روانہ کیا تھا وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں:

”قلت: هذا يدل على تصويب عبدالله بن عمرو للحسين فى سيره، فهو رائ ابن الزبير و جماعة من الصحابة شهدوا

---

(١) البدایہ والنہایہ، تذکرہ حسین بن علی

(٢) فتح الباری: ١٢ / ٣٤٠

الحرة" (۱)

"میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی رائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی تھی، جو واقعہ حرہ میں شریک ہوئے"

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

"بل الناس إنما ميلهم إلى الحسين لأنه السيد الكبير و ابن بنت رسول الله ﷺ فليس على وجه الارض يومئذ أحد يساميه ولا يساويه ولكن الدولة اليزيدية كانت كلها تعاديه" (۲)

"بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کی طرف تھا؛ کیونکہ وہ سید کبیر اور آنحضرت ﷺ کے نواسے تھے اور ان دنوں روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو ان کے مماثل اور مساوی ہو؛ لیکن یزیدی حکومت سب کی سب آپ کی عداوت پر تلی ہوئی تھی" (۳)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کسی الزام کی گنجائش نہیں

بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر جو بمقابلہ یزید مدینہ سے کربلا کے میدان تک پھیلا ہوا ہے تاریخ، فقہ، حدیث، کلام، اور عقل کے راستہ سے کسی الزام واتہام کی گنجائش نہیں نکلتی۔

۱- کیونکہ اول تو یزید کی بیعت ہی اجماعی نہ تھی، متعدد گروہوں، خطوں اور منطقوں نے ابتداء ہی سے اسے قبول نہ کیا تھا، جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اس لئے ان پر یزید کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ خروج و بغاوت کا سوال

---

(۱) **سیر أعلام النبلاء:** ۳/ ۱۹۷ مطبوعہ مصر

(۲) **البداية والنهاية:** ۸/ ۱۵۱

(۳) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں: ۳۶۱

پیدا ہو، خروج وبغاوت کی مذمت اور ممانعت التزام بیعت کے بعد ہے اور جب کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے بہت سے ہم خیال لوگوں نے یزید کی بیعت ہی قبول نہ کی تھی تو ان پر اس کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ وہ خروج وبغاوت کا محل قرار پائیں اور اس کی رو سے ان پر معاذ اللہ کسی عصیان کا اتہام لگایا جائے۔

۲- اور پھر بھی اگر اس اقدام کو خروج وبغاوت ہی فرض کر لیا جائے تو جبکہ وہ امیر کے متعدی فسق وفجور، اس کی اہانت شیوخ وکبراء اور امارت صبیان وسفہاء اور ان کی اطاعت کے سبب اضاعت دین ہونے کی بناء پر تھی جن کے ہوتے ہوئے سمع وطاعت امیر باقی نہیں رہتی، تب بھی ان پر خروج وبغاوت کا الزام نہیں آسکتا کہ یہ اصلاحی اقدام تھا، جو ضروری تھا نہ کہ باغیانہ اقدام۔

۳- لیکن اگر خواہی نہ خواہی اسے خروج وبغاوت ہی کا لقب دیا جائے تو حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ قرن اول کے باغی گروہ کا حکم مجتہد مخطی کا ہے جس پر اسے ایک اجر ملے گا (ازالۃ الخفاء) جو معصیت اور مخالفت شریعت پر کبھی نہیں مل سکتا، اس لئے اس صورت میں بھی حضرت امام کے اس اقدام کو غیر شرعی اقدام نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے ماجور عند اللہ اور شہید مقبول ہونے میں کسی تامل کی گنجائش ہو۔

۴- رہیں وہ احادیث جن میں باوجود امیر کے شدید فسق وفجور کے بھی اس پر خروج وبغاوت کی شدید ممانعت آئی ہے اور ان ہی کی رو سے بعض اہلِ قلم نے حضرت امام پر الزام خروج وبغاوت لگا کر ان کے اس اقدام کو شرعاً ناجائز باور کرانا چاہا، سو ان احادیث کا جواب وہ احادیث ہیں جن کی رو سے امیر کے غیر شرعی یا مخالفت شریعت اقدامات سے اس کی سمع واطاعت اٹھ جاتی ہے، اور معصیت خالق میں طاعت مخلوق باقی نہیں رہتی، جس کا حاصل یہ نکلے گا کہ جہاں تک امیر کے ذاتی فسق وفجور کا تعلق ہے وہ کتنا بھی شدید ہو خروج کی شدید ممانعت ہے

اور جہاں تک اس کے متعدی فسق و فجور کا تعلق ہے جس سے نظام دیانت مختل ہونے لگے تو امیر کی مخالفت نہ صرف جائز بلکہ استطاعت کی حد تک ضروری ہے، اس لئے ممانعت خلاف کی حدیثیں امیر کے ذاتی فسق و فجور پر محمول ہوں گی اور اجازتِ خلاف کی حدیثیں امیر کے متعدی اور جماعتی فسق و فجور پر، جس سے روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا اور نہ ہی حضرت امام ہمام کا یہ اقدام ان میں سے کسی ایک روایت کے خلاف ٹھہرتا ہے کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونے کی تہمت لگائی جائے۔ (۱)

احادیث کی رو سے حضرت حسین ؓ کے موقف کی صحت

حضرت انس بن حارث ؓ جو آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے، فرماتے ہیں جیسا کہ امام بخاری اپنی کتاب تاریخ کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

”أنس بن الحارث قتل مع الحسين بن على سمع النبى ﷺ يقول إن ابنى يعنى الحسين يقتل بأرض يقال لها كربلاء فمن شهد منكم ذلك فلينصره“ (۲)

حضرت انس بن الحارث ؓ نے جو حدیث آنحضرت ﷺ سے سنی کہ آپ نے فرمایا: میرا بیٹا حسین ؓ مقام کربلا میں قتل کیا جائے گا، تم میں سے جو کوئی اس موقع پر موجود ہو اس کی مدد کرے۔

اس حدیث کی بناء پر یہ صحابی معرکہ کربلا میں آپ کے ساتھ رہے، اس روایت کو علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں امام بغوی کی معجم الصحابہ کے حوالے سے بسند نقل کیا ہے۔

اس روایت سے حضرت حسین ؓ کے موقف کی صحت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی؛ بلکہ سیدنا حسین ؓ کا اقدام بالکل منشائے رسول کے عین مطابق تھا جو کہ حدیث ترمذی میں ہے۔

---

(۱) تنقیحات حکیم الاسلام، ص: ۳۴۷ (۲) **البدایۃ**: ۷/ ۱۹۹ طبع مصر

”عن زيد بن أرقم أن رسول الله ﷺ قال: لعلي وفاطمة والحسن والحسين أنا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم“ (۱)

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرات علی و فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے، اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے“۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ در موقف حسین رضی اللہ عنہ

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: اور اختلافی مسائل میں ایک شخص کا دوسرے سے اختلاف کرنا اس کا سبب نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسرے لوگ اس اختلاف کرنے والے کو فاسق قرار دیں، زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کہہ سکتا ہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام نے اس مسئلہ میں غلطی کی؛ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؛ کیونکہ مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی۔

اس میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بالفرض یہ لکھا ہے کہ ان سے اجتہادی خطا ہوسکتی ہے؛ لیکن اجتہادی خطا کے صدور کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں پڑتا؛ لیکن خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں اجتہادی خطا نہیں ہوئی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ”ہرچہ حضرت عبداللہ بن عمر و امثال اوشاں کردند بجا کردند، آنچہ حضرت سید الشہداء نمودند عین حق و صواب نمودند“

پس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سید الشہداء (امام حسین رضی اللہ عنہ) نے کیا وہ بالکل حق و صواب۔ (۲)

---

(۱) **ترمذی، باب فضل فاطمة،** حدیث: ۳۸۷۰، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے، محقق البانی اور شعیب الارنوط نے ضعیف کہا ہے۔

(۲) شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ وکردار یزید: ۳۴

فاسق ولایت کا اہل ہے یا نہیں

علم عقائد اور علم کلام کی کتابوں میں اس سلسلہ میں کافی اختلاف نقل کیا گیا ہے؛ چنانچہ شرح عقائد(۱) میں امام شافعیؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ امام بوجہ فسق معزول ہوجائے گا، اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق قابل ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتے تو رعیت کو کس طرح گناہوں سے بچائیں گے، امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابل ولایت ہے، دراصل یہ مسئلہ ائمہ کے مابین مختلف فیہ ہے لیکن یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ اختلاف امام حسین ؓ اور ابن زبیر ؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا جس کا اثر آپ پر ہرگز نہ پڑے گا کہ بعد کے کسی امام کے قول کے پیش نظر اس کی اہلیت کو ثابت کیا جائے اور حضرت حسین ؓ پر (جو اس اختلاف سے گزر چکے) اس کا الزام عائد کیا جائے، دوسری بات یہ کہ آپ خود اپنی جگہ مجتہد ہیں۔ سو آپ اپنے اجتہاد کے مکلف ہیں اور اس پر عامل ہیں۔

رئیس المتکلمین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ کی عمدہ تحقیق

امام حسین ؓ کا خروج خلافت راشدہ کے دعویٰ کی بنا پر نہ تھا اس لئے کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال گزر چکی تھی؛ بلکہ مسلمانوں کو ظالموں کی حکومت سے چھڑانا تھا کہ مسلمانوں پر ظالم اور فاسق وفاجر کی حکومت قائم نہ ہوجائے، اس لئے یزید کی حکومت ابھی پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی اور حضرت امام حسین ؓ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت نہ کی تھی اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ بادشاہ وقت کے بغاوت اور اس کی اطاعت سے خروج جائز نہیں اگرچہ وہ بادشاہ ظالم ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بادشاہ کا بلانزاع اور بلامزاحمت کامل تسلط ہوجائے وہ اگرچہ ظالم ہو اس کی اطاعت سے خروج اور بغاوت جائز نہیں اور جس کا ابھی تک تسلط ہی نہ ہوا ہو، اور اس کی حکومت ہی قائم نہ ہوئی ہو تو اس کا مقابلہ خروج اور بغاوت نہ کہلائے گا، دفع تسلط اور رفع تسلط میں بڑا فرق ہے، قائم شدہ

---

(۱) اردو ترجمہ: شرح عقائد النسفی: ۲۳۶

تسلط کا دفع یعنی اس کا ازالہ خروج اور بغاوت ہے، اور کسی ظالم کے تسلط کو قائم نہ ہونے دینا اس کا نام منع تسلط ہے، حضرت امام حسین ؓ کا خروج یزید پلید کے دفع اور منع تسلط کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط کے لئے۔ (۱)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے بھی خلافت راشدہ، ص: ۲۰۸ میں یہی تحقیق پیش کی ہے۔

ظالم حکمراں کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابن حزم کا موقف

علامہ حافظ ابن حزم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شاہان حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں، زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے، یہ اپنے عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں پر تک جزیہ عائد کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔ (۲)

اس سلسلہ میں علامہ ابن حزم ؒ نے مزید لکھا ہے کہ جب حکمراں کو شریعت کے دائرے میں واپس لانے اور ظلم وجور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقہ کار کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے **"العنف الدموی"** (خون ریزی) کہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو بر بنائے کتاب وسنت ہے، اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب وسنت دو میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے، حد اور حق قائم کیا جائے اور انہیں سزا دی جائی لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اتلاف اور کتاب وسنت کے مطابق عمل اور امن وامان ان کو معزول کیے بغیر ممکن نہ ہو تو انہیں منصب خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی

---

(۱) ماخوذ از فتاویٰ عزیزی: ۱/ ۲۲ (۲) **رسالۃ التلخیص لوجوہ لتخلیص:** ۱۷۳-۱۷۴

دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا، اگر اس سلسلہ میں خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب وسنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمران کو قتل کر دینا واجب ہوجائے گا۔ (۱)

بعض علماء نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ظلم وجور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ ممکن نہ ہو تو صرف دل سے برا سمجھا جائے گا، اس سلسلہ میں یہ علماء بعض احادیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، علامہ ابن حزم اس نقطہ نظر کی پرزور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمراں کی طرف سے زدو کوب کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اس صورتحال کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظام حکومت کتاب وسنت کے مطابق ترتیب دیا ہو، کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہوجائیں تو ان پر صبر کرنا چاہئے، لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموشی اور صبر کا رویہ اختیار کیا جائے۔ (۲)

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے یہ جواب دیا، تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو۔ پوچھا گیا اگر وہ میری جان کے درپے ہوجائے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، پوچھا گیا اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟ آپ نے جواب عنایت فرمایا: وہ مقتول جہنمی ہوگا۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا: اگر میں قتل کیا جاؤں تو آپ نے فرمایا: تم جنت پاؤ گے۔ یہ

---

(۱) **الفصل:** ۴/ ۱۷۶-۱۷۷ (۲) ایضا: ۱۷۲-۱۷۳

حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔ (۱)

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خوں ریزی ہوگی۔ اہل اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسر پیکار ہونا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمراں کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی؛ لیکن جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضرور موجود ہے، لیکن شکست کا امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور بسا اوقات کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، اگر ان خطرات کا امتیاز کر لیا جائے تو کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا؛ حالانکہ دنیا میں کوئی سلطان اس کا قائل نہیں۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمراں کا معاملہ یہ ہو گیا ہو کہ اس کو کفر اور اہل کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو تو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روح اسلام کی مخالفت ہے، ایسے حکمراں کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے، البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہل حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے۔ (۲)

امام غزالی رحمہ اللہ کا موقف

جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں لیکن اگر فہمائش و نصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حاکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں علانیہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بجھانے کی کوشش اس پر کارگر نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمراں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جا سکتی ہے یا نہیں اس بارے

---

(۱) الفصل: ۴/ ۱۷۳ (۲) الفصل: ۴/ ۱۷۵، حادثہ کربلا کا پس منظر: ۴۰

میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں:

> ''رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے، بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً آسان ہے، حاکم کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتی ہے تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہوسکتی ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہوتو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں، اگر وہ لباس حریر زیب تن کرتا ہوتو اس کا دامن وگریباں پکڑا جاسکتا ہے یا نہیں، اگر شراب کی صراحیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انہیں زبردستی توڑا جاسکتا ہے، یا نہیں، اس سلسلہ میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب داب اور ہیبت وحشمت کو کم کرتا ہے جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امر منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے، اب یہاں پر دو ممنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے، اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہوجائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہیے؛ لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبط بیان میں لانا مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔ (۱)

امام غزالیؒ کے مذکورہ بیان سے یہ اندازہ ضرور ہوجاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آگئی ہو اور وہ خود بھی فاسق

---

(۱) **احیاء العلوم، باب الامر بالمعروف ونہی عن المنکر**

اور بدکردار ہو اور اس کا ظلم و جور حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمراں کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے، ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعہ ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابوبکر جصاص ؒ کا موقف

”گذشتہ تمام متقدین و متاخرین اہل دین و فقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں؛ البتہ کچھ بے خبر اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ إِلٰى أَمْرِ اللهِ (۱)

”تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے“

آیت کے الفاظ صاف تقاضہ کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے؛ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے بہرہ ہو کر وہ یہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم و جور اور قتل نفس جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نکیر کا حق ہے، مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے؛ کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نکیر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آ گئے ہیں، سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جابر پر نکیر نہ کرنے کا۔ (۲)

---

(۱) الحجرات: ۹

(۲) أحکام القرآن للجصاص: ۲/ ۲۴

ابو المعالی امام الحرمین کا نقطۂ نظر

حاکم کی مشہور حدیث ہے:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان"(۱)

"تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (وقت وطاقت کے استعمال سے) مٹادے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"

امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمین رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"إذا جار والي الوقت وظهر ظلمه وغشمه ولم ينزجر حين زجر عن سوء صنيعه بالقول فلأهل الحل والعقد التواطو على خلعه ولو بشهر الأسلحة ونصب الحروب هذا كلام إمام الحرمين"(۲)

"وقت کا حکمراں اگر ظلم پر کمر بستہ ہو اور ظلم وجور کا پہلو بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے پڑیں" یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔

واقعہ کربلا کی دینی وشرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات کافی ہیں، یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین کے درمیان متفق علیہ مسلہ رہا ہے۔

---

(۱) **مسلم: باب بيان كون النهي عن المنكر**، حدیث: ۴۹

(۲) **شرح مسلم للنووی:** ۵۲/۱

اہل سنت والجماعت کا موقف:

"أجمع أهل السنة أن لا ينعزل السلطان بالفسق وأما الوجه المذكور فی كتب الفقه بعض أصحابنا أنه ينعزل وحکی عن المعتزلة فغلط من قائله مخالف الإجماع، قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب علیٰ ذلک من الفتن وإراقة الدماء وفساد ذات البين، فتكون المفسدة فی عزله أكثر منها فی بقائه"

(امام نووی لکھتے ہیں) اہل سنت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ سلطان فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہوجاتا، اور اس کی وجہ بعض احناف کی کتب فقہ میں ذکر کی گئی ہے وہ فاسق سلطان خود معزول ہوجاتا ہے (یعنی معزول نہ کرنے کے باوجود بھی وہ معزول سمجھا جائے؛ کیونکہ اس میں خلافت کی اہلیت کا فقدان ہے مترجم) اور یہی بات معتزلہ کی طرف سے بیان کی گئی ہے تو یہ اس قائل کی غلطی ہے اور اجماع کے خلاف ہے علماء نے کہا ہے کہ اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی حرمت کا سبب وہ فتنے وخونریزیاں اور باہمی فسادات ہیں جو اس پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے اس کے معزول کرنے میں اس کو باقی رکھنے کی نسبت فساد زیادہ ہے۔ (۱)

قاضی عیاض کا موقف

"قال القاضي عياض إجماع العلماء على أن الإمامة لا تنعقد لكافر وعلى أنه لو طرء عليه الكفر انعزل قال وكذا لو ترک إقامة الصلوة والدعاء عليها قال وكذلک عند جمهورهم البدعة"

---

(۱) شہادت حسین وکردار یزید ۲۶ از نانوتوی

''قاضی عیاض نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر امام نہیں ہوسکتا، اور اس بات پر کہ اگر اس پر کفر طاری ہو گیا، تو وہ معزول ہوجائے گا (پھر قاضی عیاض نے) کہا۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ خلیفہ نماز کی پابندی اور نماز کی دعوت چھوڑ دے پھر کہا اور یہی حکم جمہور علماء کے نزدیک ارتکاب بدعت کا بھی ہے''(۱)

راہ اعتدال

بلاشبہ صحیح احادیث میں امراء و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں؛ لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوۃ ہو نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہو اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہل عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے؛ لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح درستی کی کوشش بھی ضروری ہے، امام نووی - جو صحیح مسلم کے شارح ہیں - **''کتاب الإمارة، باب وجوب إطاعة الأمراء''** میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں، ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے:

''وقد ردّ عليه بعضهم هذا بقيام الحسين وابن زبير (أي خروجهما على يزيد) وأهل المدينة على بني أمية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الأول على الحجاج مع الأشعث'' (۲)

''بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اقدام سے اور اہل مدینہ کے بنی امیہ کے خلاف بغاوت سے اور تابعین اور صدر اول کی ایک بہت بڑی جماعت

---

(۱) ایضاً، ص: ۸۷ (۲) شرح مسلم: ۲/ ۱۲۵

کی حجاج کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری سے حجت اور دلیل پیش کی‘‘

یعنی حضرت حسین ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تابعین عظام اور اہل مدینہ کے صلحاء کا بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوان حکومت میں بگاڑ پیدا ہوگیا ہو اور سربراہ مملکت کی رندمشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جاسکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسین نے پیش کی۔

صدر اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسن ؓ کی ہے اور دوسری حضرت حسین ؓ کی بالفاظ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہ ؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسن ؓ کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے؛ لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسین ؓ کا موقف ہے۔ (۱)

* * *

---

(۱) حادثہ کربلا پس منظر ۴۵

کردارِ یزید علماء امت کی نظر میں

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی نظر میں

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا: **"یا بنی هل یسوغ لمن یؤمن بالله أن یحب یزید"** (۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا اِس سے راضی ہوا اس پر اللہ کی اور اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔ (۲)

"کونه عادلا فی کل أموره مطیعا الله فی جمیع أفعاله لیس اعتقاد أحد من أئمة المسلمین"

''یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے عمل و کردار میں خدا کا فرماں بردار تھا، یہ ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں'' (۳)

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی نظر میں

یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرہ فساق میں داخل ہے:

و یزید بد بخت از اصحاب نیست، در بدبختی او کرا سخن کارے کہ آں بد بخت کردہ، ہیچ کافر فرنگ نکند، بعضے علماء اہل سنت کہ در لعنِ او توقف کردہ اند نہ آنکہ از وے راضی اند بلکہ رعایت احتمال رجوع و توبہ کردہ اند (۴)

''یزید بد بخت صحابی نہیں ہے اور اس کے بد بخت ہونے میں کوئی کلام

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ

(۲) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/ ۴۸۷

(۳) **منهاج السنه:** ۳/ ۴۲۰

(۴) ایضا ۱۱۳۳

نہیں ہے، اس بد بخت نے ایسے کام کئے جو فرنگی کافروں نے نہیں کئے، بعض علماء اہل سنت نے (مثلاً امام غزالی وغیرہ) جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں اور اس سے راضی ہیں؛ بلکہ محض اس احتمال پر کہ شاید اس نے آخر وقت میں توبہ کر لی ہو اس بنا پر لعنت نہیں کرتے''

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نظر میں

''حدثنا نوفل أبي عقرب كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية، فقال: أمير المؤمنين يزيد فقال له عمر تقول أمير المؤمنين فأمر به فضربه عشرين سوطا'' (۱)

''ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے (احتراما) امیر المؤمنین یزید کے الفاظ نکل گئے، اس پر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا تو اس کو امیر المؤمنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں؛ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی'' (۱)

علامہ شبراوی شافعی رحمہ اللہ کی نظر میں

علامہ شبراوی شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب، **''کتاب الاتحاف بحب الاشراف''** میں فرماتے ہیں:

''لا ريب أن الله سبحانه قضى على يزيد بالشقاوة فقد تعرض لآل البيت الشريف بالأذى فأرسل جنده لقتل الحسين وقتله وسبى حريمه وأولاده وهم أكرم أهل الأرض حينئذ على الله سبحانه'' (۳)

---

(۱) **لسان الميزان ترجمه يزيد بن معاويه** ج ٦ (۲) ایضا: ۵۷

(۳) **الاتحاف بحب الاشراف** ۱۸ طبع مصطفی مصر ۱۳۱۸

"حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید پر شقاوت مسلط کی کہ اس نے آل بیت شریف (نبوی) کے ستانے پر کمر باندھی قتل حسین کے لئے اپنی سپاہ بھیجی ان کو شہید کیا ان کی حرم اور ان کی اولاد کو اسیر بنانا چاہا حالانکہ یہ حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک روئے زمین پر تمام بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے" (۱)

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ جیسے محتاط بزرگ کے قلم سے تاریخ الخلفاء میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے:

"لعن الله قاتله وابن زياد معه ويزيد أيضا" (۲)

"اللہ تعالیٰ قاتل حسین رضی اللہ عنہ پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی"

سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کی نظر میں

"والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بذلك وإهانته أهل بيت النبي ﷺ مما تواتر معناه وإن كان تفاصيلها آحادا فنحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنه الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه" (۳)

"اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت نبوی ﷺ کی اہانت کرنا، تمام امور کی تفصیلات گو بطریق آحاد مروی ہوں؛ لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں؛ اس لئے ہمیں تو اس کے بارے میں کیا؟ اس کے بے ایمان ہونے کے بارے

---

(۱) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، ص: ۳۳۸

(۲) **تاریخ الخلفاء للسیوطی**، ص: ۲۰۷

(۳) **شرح عقائد النسفی**، ص: ۱۴۷، **طبع مصر**

میں بھی کوئی تردد نہیں، اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس سلسلے میں اس کے اعوان وانصار پر بھی'' (۱)

ملاحظہ: شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت میں غور کریں، اس میں صیغہ متکلم مع الغیر اپنی ذات کی نہیں؛ بلکہ تمام اہلسنت کی ترجمانی کر رہا ہے اور علم عقائد کی کتابوں میں صرف اسی شرح عقائد کو نصاب تعلیم میں داخل ہونے کا شرف اب تک حاصل ہے اور آج تک کسی عالم نے اس کتاب کو نصاب تعلیم سے خارج کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کی نظر میں

”ومن جعله من الخلفاء الراشدين المهديين أيضا ضال مبتدع كاذب (۲) ومن آمن بالله واليوم الآخر لا يختار أن يكون مع يزيد ولا مع أمثاله من الملوك الذين ليسوا بعادلين“ (۳)

''اور جو شخص یزید کو خلیفہ راشد کہے وہ گمراہ بدعتی اور جھوٹا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یزید یا اس جیسے غیر عادل بادشاہوں کے ساتھ بھی ہو سکے''

صاحب تفسیر حقانی کا فتویٰ

فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالحق حقانی ؒ فرماتے ہیں: ''اس (یزید) کم بخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے''، ان (حضرت معاویہ ؓ) کے بعد ان کا بیٹا بدبخت ان کی جائے حاکم ہوا''۔ (۴)

ملاحظہ: صاحب تفسیر حقانی کی کتاب ''عقائد الاسلام'' پر ان اکابر کی تقریظات ہیں

---

(۱) ایضاً، ص: ۲۵۸

(۲) جواب شافی، ص: ۱۵، شیخ الاسلام ابن تیمیہ مطبوعہ بیروت، ۱۳۹۶ھ

(۳) أیضاً، ص: ۱۶

(۴) شہادت امام حسین وکردار یزید، ص: ۷

(۱) حجۃ الاسلام مولانا قاسم صاحب نانوتوی ؒ، (۲) مولانا حبیب الرحمن عثمانی، سابق مہتمم دار العلوم دیوبند، (۳) امام المحدثین سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ۔ (۱)

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں

علامہ صالح بن مہدی مقبلی کو کبانی نزیل مکہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے **"البدر الطالع"** میں تصریح کی ہے، اپنی کتاب **"العلم الشامخ فی تفضیل الحق علی الآباء والمشائخ"** میں رقمطراز ہیں:

> **"وأعجب من ذلک من یحسن لیزید المرید الذي فعل بخیار الأمة ما فعل وهتک مدینة الرسول ﷺ وقتل الحسین السبط وأهل بیته وهتکهم وفعل مالو استمکن من مثل فعله عدوهم من النصاری ربما کان أرفق منه" (۲)**

> "اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے کہ جو یزید مرید کو نیک بنا کر پیش کرتا ہے (یزید وہی تو ہے) جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ کیا، مدینۃ الرسول ﷺ کی حرمت کو خاک میں ملایا، سبط پیمبر حضرت حسین ؓ اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام نصاری کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم ہی ہوتا"

> **"ومن جملة المحسنین له حجة الإسلام الغزالي ولکنه في تصرفاته کلها کحاطب لیل یجمع في حصبه الحیة والعقرب ولا یدري" (۳)**

> "اور یزید کو اچھا بنا کر پیش کرنے والوں میں حجۃ الاسلام غزالی بھی ہیں؛ لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں میں حاطب اللیل (رات کے اندھیرے

---

(۱) عقائد الاسلام لمولانا عبد الحق صاحب حقانی، مطبوعہ کراچی

(۲) **العلم الشامخ**، ص: ۳۶۸، طبع مصر، ۱۳۲۸ھ (۳) **أیضا:**

میں لکڑیاں جمع کرنے والے) کی طرح ہیں کہ جو اپنی لکڑیوں میں سانپ بچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں چلتا''

"وما یهون صنع یزید إلا مخذول أدرکته الشقاوة في مشارکته بطوامه المردیات فإیاک والتفریط والإفراط، ولکن الصبر عنهما کالقبض علی الجمر سیما مع تراکم الجهل کزمننا هذا نسأل الله العافیة والسلامة آمین" (۱)

''اور یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے گھیر لیا ہو اس طرح وہ بھی اس کے مہلک کرتوتوں میں اس کا شریک بن گیا؛ لہٰذا تمہیں تفریط وافراط سے بچنا چاہئے؛ لیکن اس سلسلے میں صبر سے کام لینا ایسا ہی ہے، جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا، خصوصاً جبکہ جہالت اُمڈی چلی آئی ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی کے خواہاں ہیں، آمین'' (۲)

یزید کے فسق کو ذکر کرنے کا مقصد

واضح رہے کہ کسی شخص کا مستحق لعنت ہونا اس کے کسی معمولی عمل کی بنیاد پر نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ اشد قسم کا فسق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ خدا اور رسول اور لوگوں کی نظر میں ملعون ہو جاتا ہے، یزید کے استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل ہے، یزید کے فسق کے جواز کے دلائل جو ہم نے ذکر کئے اور آگے ذکر کریں گے وہ لعنت کی ترغیب دینے کے لئے نہیں؛ بلکہ اس کے فسق کے اثبات کے سلسلہ میں ہیں، ورنہ کوئی عقلمند اپنے دینی و دنیوی امور کو ترک کر کے لعنت یزید کو اپنا مشغلہ بنانا ناپسند ہی نہیں بلکہ احمقانہ عمل شمار کرتا ہے اور نہ ہی کسی عقلمند کو اس کا شوق ہوتا ہے؛ بلکہ یزید کا نام لینے سے بہتر ہے کہ ایک بار سبحان اللہ، الحمد للہ سے اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھے۔

---

(۱) **أیضا**، یزید کہ شخصیت اہل سنت کی نظر میں، ص: ۳۸۴

(۲) **أیضا** ص: ۳۶۸

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کا فتوی

بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کفِ لسان کیا ہے، وہ احتیاط ہے ؛ کیوں کہ قتل حسین ؓ کو حلال جاننا کفر ہے، مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا، تحقیق نہیں ہے؛ لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بے شک تھا۔ (۱)

مفتی اعظم دار العلوم دیو بند کا فتوی

یزید کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''در ظلم و جور تعدی وفسق او کلام نیست الخ'' (۲) ''یزید کے مظالم وغیرہ اور فسق میں کوئی اختلاف نہیں ہے''

محدث العصر حضرت انور شاہ کشمیری ؒ کا فتوی

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری تحریر فرماتے ہیں: ''کربلا کے میدان میں حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی جنگ یزید سے اور حرہ و مدینہ میں اہل مدینہ کی جنگ مسلم بن عقبہ کی فوج سے (مسلم بن عقبہ یزید کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا) اور مکہ میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جنگ حجاج سے نیز عبد الرحمن بن اشعث کے واقعہ میں قراء قرآن کی جنگ حجاج سے اسی قبیل سے ہے، (یعنی ظالموں کے خلاف ان کے ظلم و جور سے بچنے کے لئے لڑی گئی ہیں)''۔ (۳)

امام المحققین مولانا عبد الحی لکھنوی ؒ کا فتوی

آپ سے سوال کیا گیا، درحق یزید چگونہ اعتقاد باید داشت؟ (یزید کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟) تو جواب میں بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''مسلک اسلم آن ست کہ آں شقی را بمغفرت و ترحم ہرگز یاد نباید کرد و بہ لعن رو کہ در عرف مختص بکفار گشتہ زبان خود را آلودہ نباید کرد'' (۴)

''کہ یزید کے متعلق اسلم ترین مسلک یہ ہے کہ اس بد بخت کو مغفرت

---

(۱) فتاوی رشیدیہ، ص: ۴۹

(۲) فتاوی دار العلوم دیو بند، مرتب مفتی شفیع صاحب دیو بندی

(۳) اکفار الملحدین مترجم، ص: ۶۸، مطبوعہ مجلس علمی کراچی

(۴) فتاوی عبد الحی

اور رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات سے ہرگز یاد نہ کرے اور نہ ہی لعنت سے اپنی زبان کو آلودہ کرے“

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی

آپ ایک طویل سوال کا جواب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یزید فاسق اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے، دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا، مگر واجب نہ تھا، اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم کو شہید مانیں گے، باقی یزید کو اس قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا، خصوص جب کہ حضرت امام آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا اس کو تو عداوت ہی تھی؛ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی بنا یہی (عداوت) تھی اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے، مگر مسلط ہونا کب جائز ہے، خصوص نا اہل کو اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا، پھر اہل حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے“ (۱)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا فتوی

بہر حال مخالفین یزید تو اس کو فاسق جانتے ہی تھے، مبایعین (بیعت کرنے والے) یزید بھی اسے فاسق سمجھتے تھے؛ اس لئے اس کا فسق متفق علیہ ہے، جیسے ابن خلدون سے عند الکافّہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، (۲) ابن خلدون کی عبارت: **”وأما الحسين فإنه لما ظهر فسق يزيد عند الكافّة من أهل عصره“** (۳) ”بہر حال حسین رضی اللہ عنہ جب یزید کا فسق وفجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا“

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا فتوی

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مؤرخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) امداد الفتاوی: ۴/۴۱۶ (۲) شہید کربلا اور یزید، ص: ۸۹

(۳) مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۱۶، **تحت الفصل التاسع والعشرون في معنى البيعة**

کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر بھی انہوں نے اسے نامزد کر دیا، بالکل غلط ہے، ہاں ہو سکتا ہے کہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو، مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو، ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا۔ (۱)

شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ؒ کا ارشاد

جناب امام (حسین ؓ) یزید کو بوجہ اس کے فسق یا کفر کے علی اختلاف القولین لائق امام نہیں سمجھتے تھے۔ (۲)

قطب الاقطاب سید احمد شہید ؒ کا ارشاد

حضرت حسین ؓ کا یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اس سے ناجائز امور کے صادر ہونے کے سواء اور کوئی نہ تھا، اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا اور برے کام کو بہتر جانا تو حضرت ہمام کی جانب سے دھتکارنے کے لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا۔ (۳)

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی ؒ کا ارشاد

آپ اپنے وقت کے محقق تھے، خصوصاً شیعہ سنی نزاعی مسائل میں ان پر اکابر دیوبند نے بھی اعتماد فرمایا اور امام التبلیغ حضرت مولانا الیاس نے ان کو امام وقت قرار دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت علی ؓ کے فرزند حضرت حسین ؓ کا واقعۂ کربلاء سبق لینے کے لئے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کٹوا دیا'' (۴)

---

(۱) مکتوبات شیخ الاسلام: ۱/ ۲۶۶

(۲) **مطرقة الكرامة على مرآة الإمامة**، ص: ۲۸۵

(۳) صراط مستقیم اردو، ص: ۱۰۴، مطبوعہ کراچی

(۴) ابو الائمہ حضرت علی کی مقدس تعلیمات، ص: ۳۳

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ کا فتوی

’’ہاں پس از انتقال اوشاں یزید پائے خود از شکم بر آورد و دل بکام و دست بجام سپرد اعلان فسق نمود و ترک صلاوۃ داد بحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل گردید‘‘

’’ہاں ان (معاویہ ؓ) کے انتقال کے بعد یزید نے پَر پُرزے نکالنے شروع کئے اور دل کو خواہشِ نفس اور ہاتھ کو جامِ شراب پر لے گیا، فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی بعض سابقہ تمہیدوں کی بناء پر معزول کر دینے کے قابل ہو گیا‘‘(۱)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ کا کفر کا فتوی

جن حضرات نے یزید پر کفر کا فتوی دیا ہے، ان میں بیہقیِ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی سر فہرست ہیں؛ چنانچہ السیف المسلول، ص: ۴۸۷ تا ۴۹۱، تفسیر مظہری: ۴/ ۵۵۴، تحت آیت استخلاف میں تفصیل مذکور ہے، نیز فرماتے ہیں: یزید نے دین محمدی کا انکار کر دیا، تفسیر مظہری: ۸/ ۲۰۷، تحت آیت: **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا الآیۃ** (۲)

علامہ آلوسی روح المعانی کا فتوی

’’وإلا أقول الذي يغلب على ظن أن الخبيث لم يكن مصدقا برسالة النبي صلى الله عليه وسلم‘‘

’’ورنہ میرا غالب گمان تو یہی ہے کہ وہ ناہنجار خبیث آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار نہ کرتا تھا‘‘(۳)

اسی طرح علامہ ابن جوزی ؒ نے کافر قرار دے کر اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تصنیف فرمادی **’’الرد علی المتعصب العنید المانع من یزید‘‘** (۴)

---

(۱) شہادت امام حسین ؓ اور کردار یزید، ص: ۸۷

(۲) أیضاً ص: ۵ (۳) روح المعانی: ۵/ ۲۶-۶۶

(۴) **السیف المسلول** ص: ۴۸۸، مأخوذ از: شہادت امام حسین اور کردار یزید، ص: ۵

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ کا فتوی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ ''**تکمیل الإیمان**''میں یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وبالجملہ وے مبغوض ترین مردم است نزدِ ما، وکارہا کہ ایں بدبخت وبے سعادت دریں امت کردہ ہیچ کس نہ کردہ، بعد از قتل امام حسین واہانت اہل بیت لشکر بتخریب مدینہ مطہرہ وقتل اہل مدینہ آنجا فرستادہ وبقیہ از صحابہ تابعین راامر بقتل کردہ وبعد ازتخریب مدینہ بانہدام مکہ معظّمہ وقتل عبداللہ بن زبیر ؓ کردہ وہم دراثنائے ایں حالت از دنیا بجہنم شتافتہ، دیگر احتمالِ توبہ در رجوع اُورا خدادانِد، حق تعالیٰ دلہائے مارا، وتمام مسلمانان را از محبت وموالات وے واعوان وانصار وہرکہ با اہل بیت نبوی بدبودہ وبد اندیشیدہ وحق ایشاں را پامال کردہ وبایشاں براہ محبت وصدق عقیدت نیست ونبودہ نگاہ دارد، ومارا ومحبان مارا درزمرہ محبان ایشاں محشور گرداند، ودر دنیا وآخرت بردین وکیش ایشاں دارد، بحرمۃ النبی وآلہ الامُجاد بمنہ وکرمہ وہوقریب مجیب آمین''(۱)

''اورمختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں مبغوض ترین ہے جو کام کہ اس بدبخت منحوس نے اس امت میں کئے ہیں، کسی نے نہیں کئے، حضرت امام حسین ؓ کو قتل کرنے اور اہل بیت کی اہانت کے بعد اس نے مدینہ پاک کو تباہ وبرباد کرنے اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ ؓ اور تابعین وہاں باقی رہ گئے تھے، ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظّمہ کو منہدم کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر اسی اثناء میں جبکہ مکہ معظّمہ محاصرہ کی حالت میں تھا، دنیا سے جہنم میں چلا گیا،

---

(۱) **تکمیل الإیمان**، ص:۷۱، طبع مجتبائی دہلی، یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، ص:۱۷۷

باقی رہا یہ احتمال کہ شاید اس نے توبہ اور رجوع کرلیا ہو، یہ خدا جانے حق تعالیٰ ہمارے اور سب مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے اعوان وانصار کی محبت اور دوستی سے کہ جس کا اہل بیت نبوی سے بُرا برتاؤ رہا، یا جس نے بھی ان کے حق میں بُرا سوچا، اور ان کے حق کو پامال کیا، نیز جس کو بھی ان کے ساتھ محبت اور صدق عقیدت نہیں ہے یا نہیں تھی، ان سب کی محبت اور دوستی سے محفوظ رکھے اور ہمارا اور دنیا اور آخرت میں ان ہی حضرات کے دین ومذہب پر رکھے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی اولادِ امجاد کے طفیل اپنے فضل وکرم سے ہماری یہ دعا قبول فرمائے، بیشک اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے'' آمین

بحر العلوم لکھنوی ؒ کا فتوی

علامہ بحر العلوم لکھنوی ؒ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ارقام فرمایا:

”ویزید ابنه مع أنه كان من أخبث الفساق وكان بعيدًا بمراحل من الإمامة بل الشک في إيمانه خزله الله تعالى والصنيعات التي صنعها معروفة من أنواع الخبائث“(۱)

''اور ان کا بیٹا یزید اگرچہ فاسقوں میں بڑا اخبث تھا اور منصب خلافت سے بمراحل (کوسوں) دور تھا؛ بلکہ اس کے تو ایمان میں بھی شک ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بھلا نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کی سب جانی پہچانی ہیں''(۲)

سید احمد شہید بریلوی ؒ کا ارشاد

حضرت سید احمد شہید بریلوی ؒ اپنے ''مکتوب'' میں فرماتے ہیں:

''رفیق من از جنود حسین ؓ بن علی ؓ است ورفیق مخالف من از زمرہ یزید شقی''

---

(۱) شرح مسلم الثبوت: ۲؍۲۲۳ (۲) شخصیت یزید اہل سنت کی نظر میں، ص: ۳۷۸

"میرا رفیق حضرت حسین ؓ بن علی ؓ کی سپاہ میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق یزید شقی کے زمرہ میں"

اور پھر آگے لکھتے ہیں:

"بلا ریب شارک ما یا غازی است یا شہید و مقابل ما یا ابوجہل است یا یزید"

"بلا شبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید اور ہمارا مقابل ابوجہل ہے یا یزید"(۱)

نواب صدیق حسن خاں ؒ کا فیصلہ یزید کے بارے میں

ہندوستان میں نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گذرا، ان کا جو فیصلہ یزید کے بارے میں ہے وہ ہم ان کی کتاب **"بغیۃ الرائد فی شرح العقائد"** سے ہے جو "عقائد نسفیہ" کی شرح ہے، پیش کئے دیتے ہیں، اور چونکہ اس کتاب کا تعلق عقائد سے ہے، اس لئے اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہئے نواب صدیق صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"و بعضے براہ غلو و افراط در شان وے روند گویند امارت او باتفاق مسلمانان شد و طاعت وے بر امام حسین ؓ واجب بود و بخدا پناہ ازیں قول و اعتقاد کہ وے باوجود امام حسین امام و امیر شود و اتفاق مسلمانان کجا است جمعے از صحابہ و اولاد ایشان کہ در زبان آں پلید بودند انکارش کردند و از طاعت او بیرون رفتند، و بعضے از اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع بیعت کردند"

"اور بعض لوگ یزید کے بارے میں غلو و افراط کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں نے بالاتفاق امیر بنایا تھا؛ لہٰذا اس کی اطاعت امام حسین ؓ پر واجب تھی، اس بات کے زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ کی پناہ کہ وہ امام حسین ؓ کے ہوتے ہوئے امام

---

(۱) مکتوب سید احمد شہید، ص: ۱۴۹، شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ لاہور

> اور امیر ہو اور مسلمانوں کا اتفاق کیسا؟ صحابہ کی ایک جماعت اور ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں بھی ان سب نے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے باہر ہوگئے اور اہل مدینہ کے بعض حضرات کو جب اس کے حال کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی بیعت توڑ ڈالی‘‘

’’واو تارک صلوۃ وشارب خمر وزانی وفاسق ومستحل محارم بود وبعضے بروے اطلاق لعن کردہ مثل امام احمد وامثال ایشان وابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیراکہ وے وقت امر بقتل حسین کافر شد وکسے کہ قتل وے کرد یا امر بدآں نمود بر جواز لعن وے اتفاق کردہ اند تفتازانی گفتہ حق آنست کہ رضائے وے بقتل حسین واستبشار وے بدان واہانت نمودن اہل بیت متواتر المعنی است اگرچہ تفاصیلش آحاد باشد **فنحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنه الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه انتهى** وبالجملہ وے بمغوض ترین مرد است نزد اکثر مردم وکارہائے کہ آن بے سعادت درین امت کردہ از دست ہیچ کس ہرگز نیاید الخ‘‘ (۱)

’’اور وہ تو تارک صلوۃ، شراب نوش، زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا تھا، اور بعض علماء جیسے کہ امام احمد اور ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پر لعنت کو روا رکھتے ہیں، حافظ ابن جوزی نے سلف سے اس پر لعنت کرنے کو نقل کیا ہے؛ کیوں کہ جس وقت اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا وہ کافر ہوگیا اور جس نے بھی حضرت ممدوح کو قتل کیا یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر اتفاق ہے، علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ پر یزید کی رضامندی اور اس پر اس کا خوش ہونا اور اہل بیت نبوی ﷺ کی اہانت کرنا، یہ متواتر المعنی ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار آحاد سے ہو؛ لہٰذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے، اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس بارے میں اس کے اعوان وانصار پر بھی‘‘ (تفتازانی کا کلام یہاں ختم ہوگیا)، بہر حال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک

---

(۱) بغیۃ الرائد ص: ۶۳، مطبع علوی لکھنؤ - ۱۲۸۸ھ

انسانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو جو برے کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے ہیں، وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہوسکتے''۔(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں

حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب **"البداية والنهاية"** میں ایک جگہ نہیں؛ بلکہ متعدد جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے، مثلاً:

ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے:

"كان يزيد في حداثته صاحب شراب يأخذ مأخذ الأحداث الخ"

یزید اپنی نوعمری میں پینے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوجوانوں کی سی آزادی تھی''(۲)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"وكان فيه أيضا إقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الأوقات وإماتتها في غالب الأوقات وقد قال الإمام أحمد حدثنا أبو عبد الرحمن حدثنا حيوة حدثني بشير بن عمر الخولاني أن الوليد بن قيس حدثه أنه سمع أبا سعيد الخدري يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يكون خلف من بعد ستين سنة أضاعوا الصلاة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا" (۳)

''اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور اکثر ناوقت پڑھتا تھا؛ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

---

(۱) شخصیت یزید اہل سنت کی نظر میں، ص:۳۸۰

(۲) **البداية والنهاية:** ۲۸۸/۸ (۳) **البداية والنهاية:** ۲۳۰/۸

سنا کہ ساٹھ سال کے بعد ایسے ناواقف ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے، اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے اور عنقریب غیّ (جو کہ جہنم کی بدترین وادی ہے) میں داخل ہوں گے"

اور پھر وہ حدیثیں ذکر کر کے جن میں یزید کی مذمت وارد ہے، اور لکھتے ہیں:

" قلت : يزيد بن معاوية أكثر ما نقسم عليه في عمله شرب الخمر وإتيان بعض الفواحش "(۱)

''میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ پر اس کی بدکرداری کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جو الزام عائد کیا گیا وہ مے نوشی اور بعض فواحش کے ارتکاب کا ہے''

یزید کا فسق اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے

اس لئے علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جو حضراتِ اکابر یزید پر لعن وطعن یا اس کی تکفیر وتفسیق کرتے ہیں، وہ بلاوجہ نہیں کرتے، یزید کا فسق تمام اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس بارے میں دو رائے نہیں ہیں؛ البتہ اس کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف ہے، امام صدر الاسلام ابو الیسر بزدوی نے کیا خوب لکھا ہے:

" وأما يزيد بن معاوية كان ظالما ولكن هل كان كافرًا تكلم الناس فيه بعضهم كفروه لما حكي منه من أسباب الكفر وبعضهم لم يكفروه، وقالوا : لم يصح منه تلك الأسباب ولا حاجة بأحد إلى معرفة حاله فإن الله تعالى أغنانا عن ذلك "(۲)

رہا یزید بن معاویہ وہ ظالم تھا؛ لیکن آیا کافر بھی تھا یا نہیں، اس بارے میں علماء میں گفتگو ہے، بعض اس کو کافر بتاتے ہیں؛ کیوں کہ اس کے بارے میں وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس کی تکفیر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں، یہ باتیں

---

(۱) **البداية والنهاية، تذكره يزيد بن معاويه** (۲) أصول الدین، ص: ۱۹۸، طبع مصر

صحیح نہیں اور کسی کو اس کا حال معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے حال سے مستغنی فرمایا، بہر حال اگرچہ احتیاط اس میں ہے کہ حتی الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے، مگر بہر صورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں جس کو علامہ ابن حجر مکی نے **"الصواعق المحرقة"** میں بصراحت لکھا ہے کہ:

> **"وعلى القول بأنه مسلم فهو فاسق شرير سكير جائر"** (۱)
>
> ''اور اس کو مسلمان کہنے کے باوجود (یہ حقیقت ہے) کہ وہ فاسق تھا، شریر تھا، نشہ کا متوالہ تھا، ظالم تھا'' (۲)

ائمہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع

اور حافظ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' میں جس کا خلاصہ **منتقی** ہے، صاف لکھا ہے:

> **"وكذلك كونه عادلاً في كل أموره مطيعًا الله في جميع أفعاله ليس هذا اعتقاد أحد من أئمة المسلمين، وكذلك وجوب طاعته في كل ما يأمر به وإن كان معصية الله ليس هو اعتقاد أحد من أئمة المسلمين"** (۳)
>
> ''اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات میں عادل ہونا اور اپنے تمام افعال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے اور اسی طرح یہ بات کہ یزید کی اطاعت اس کے ہر حکم میں واجب ہے خواہ وہ معصیت الٰہی کا ہی حکم کیوں نہ دے، یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے''

شخصیت یزید حدیث کی رو سے

امام بخاری نے **"الجامع الصحیح"** میں باب باندھا ہے، جس کے الفاظ میں **"باب اثم من كاد أهل المدينة"**، یعنی: ''جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا

---

(۱) **الصواعق المحرقة**، ص: ۵۳۲ (۲) شخصیت یزید، ص: ۳۶۸

(۳) **منہاج السنۃ**: ۲/ ۲۴

بیان‘‘ اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”لا يكيد أهل المدينة أحد إلا إنماع كما ينماع الملح في الماء“

’’جو شخص بھی اہل مدینہ پر داؤ چلائے گا وہ اسی طرح گھل جائے گا جس طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے‘‘

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص وابی ہریرہ رضی اللہ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں:

”من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء“ (۱)

’’جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو ایسی طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح کہ نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے‘‘

محدث قاضی عیاض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”كما انقضى شأن من حاربها أيام بني أمية مثل مسلم بن عقبة، فإنه هلك في منصرفه عنها، ثم هلك يزيد بن معاوية مرسله على أثر ذلك“ (۲)

’’جس طرح ان لوگوں کی شان (وشوکت) ختم ہو کر رہ گئی جنہوں نے بنو امیہ کے عہد حکومت میں اہل مدینہ سے جنگ کی تھی، جیسے مسلم بن عقبہ کہ وہ اسی جنگ سے پلٹتے ہی ہلاک ہو گیا اور پھر اسی طرح اس مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت کے منہ میں چلا گیا‘‘

اور امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

”من أخاف أهل المدينة ظالمًا لهم أخافه الله وكانت عليه لعنة الله“ (۳)

---

(۱) **مسلم: باب تحريم من إرادة أهل المدينة**، حدیث: ۳۴۲۷

(۲) شرح مسلم از امام نووی: ۴۴۱/۱ (۳) **فتح الباري: ۱۸۱/۸**

”جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر خوف کو مسلط کردے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی“

اور صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ اسی مضمون کی روایت آئی ہے۔(۱)

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں

واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر عمرو بن سعید اشدق وہی نابکار ہے جس کے بارے میں مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے یہ روایت آئی ہے:

”سمعت رسول الله ﷺ يقول: لَيَرْعَفن على منبري جبار من جبابرة بني أمية حتى يسيل رعافه، قال فأخبرني من رأى عمرو بن سعيد بن العاص رعف على منبر رسول الله ﷺ حتى سال رعافه“(۲)

”میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یقینا بنی امیہ کے ستمگاروں میں سے ایک ستمگار کی میرے منبر پر اس طرح نکسیر پھوٹ کر رہے گی کہ بہنے لگ جائے گی، حضرت ابو ہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ پھر مجھ سے اس شخص نے بیان کیا کہ جس نے عمرو بن سعید بن العاص کو اس حال میں دیکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر اس کی نکسیر اتنی پھوٹی کہ وہ منبر پر بہنے لگی“

یزید کے بارے میں اس کے بیٹے کی شہادت

یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت خود اس کے گھر والوں کی موجود ہے، حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات سے اور کون واقف ہوسکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جو نہایت صالح ہو، اب دیکھئے: معاویہ ؒ بن یزید اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں، جیسا کہ اس بات کو ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں:

---

(۱) شخصیت یزید، ص: ۲۵۵ (۲) البداية: ۳۱۱/۸

”قلد أبي الأمر وكان غير أهله ونازع ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقصف عمره وابتر عقبه وصار فى قبره رهينًا بذنوبه ثم بكى، وقال: إن من أعظم الأمور علينا علمنا بسوء مصرعه وبئس منقلبه وقد قتل عترة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأباح الخمر، وخرب الكعبة ولم أذق حلاوة الخلافة، فلا أتقلد مرارتها فشأنكم أمركم، والله لئن كانت الدنيا خيرا فقد نلنا منها حظًا، ولئن كانت شرا فكفى ذرية أبي سفيان ما أصابوا منها“ (۱)

’’میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے سے نزاع کی، آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہوگیا، یہ کہہ کر رونے لگے، پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا بُرا انجام اور بُری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ) اس نے واقعی رسول اللہ ﷺ کی عترت کو قتل کیا، شراب کو مباح کردیا، بیت اللہ کو برباد کردیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیا جھیلوں؟ اس لئے اب تم جانو اور تمہارا کام، خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا حصہ حاصل کرچکے اور اگر شر ہے تو جو کچھ ابو سفیان کی اولاد نے دنیا سے کمالیا وہ کافی ہے‘‘ (۲)

* * *

---

(۱) **الصواعق المحرقة**، ص: ۱۳۳

(۲) شخصیت یزید، ص: ۳۶۶

برا بھی جسے برا سمجھے

عبید اللہ بن زیاد (بد بخت) کی نظر میں شخصیت یزید

یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظّمہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو اس مہم کی سرکردگی کے لئے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لئے یزید نے اس کو لکھ کر بھیجا تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار نکل پڑا:

> **"واللہ لا أجمعهما للفاسق أبدًا أقتل ابن بنت رسول اللہ ﷺ وأغزو البيت الحرام"(۱)**
>
> "خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں گناہ اپنے نامۂ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کروں؟"

عبد الملک بن مروان کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

عبد الملک بن مروان جب تخت حکومت پر اجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے؛ کیوں کہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیادتی کی تو ان پر زوال آ گیا؛ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> **"فإن الحجاج مع كونه مبيزا سفاكا للدماء قتل خلقًا كثيرًا لم يقتل من أشراف بني هاشم أحدًا قط؛ بل سلطانه عبد الملک**

---

(۱) تاریخ طبری: ۵/ ۴۸۲

بن مروان نهاه عن التعرض لبني هاشم وهم الأشراف وذكر أنه أتى إلى بني الحرب لما تعرضوا لهم يعني لما قتل الحسين“ (۱)

”بلاشبہ حجاج نے باوجودیکہ وہ بڑا اہلاکو اور سخت خونریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر کو قتل کردیا تھا، تاہم اشراف بنی ہاشم میں کبھی کسی کو قتل نہ کیا؛ بلکہ اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے- جو اشراف کہلاتے ہیں- کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کردیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنوحرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آگئی، مطلب یہ ہے کہ حضرت حسین ؓ کو جب قتل کیا تو ان پر ادبار آگیا“

یزید کا عقیدہ اور عمل دونوں خراب تھے

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ یزید علمائے اہل سنت والجماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے نہایت خراب آدمی تھا، اس کے عقیدہ میں دو خرابیاں تھیں: ”ناصبیت“ یعنی حضرت علی اور حضرات حسنین ؓ سے عداوت؛ چنانچہ حضرت نانوتوی ؒ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ ”از رؤسائے نواصب است“ فرقۂ ناصبیہ کے سربراہوں میں سے ہے“۔

اور مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی ؒ **”سير إعلام النبلاء“** میں فرماتے ہیں:

”يزيد بن معاوية كان ناصبيا، فظا، غليظا، جلفا، يتناول المسكر، ويفعل المنكر، افتتح دولته بقتل الشهيد الحسين، واختتمها بواقعة الحرة، فمقته الناس، ولم يبارك في عمره، وخرج عليه غير واحد بعد الحسين، كأهل المدينة لله“ (۲)

”یزید بن معاویہ ناصبی تھا، سنگدل، بدزبان، غلیظ، جفا کار، مے نوش،

---

(۱) مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ: ۴/ ۵۰۴

(۲) **الروض الباسم في الذب عن سنة أبي القاسم:** ۲/ ۳۶ طبع مصر

بدکار اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین شہید ؓ کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ کے قتل عام پر؛ اسی لئے لوگوں نے اس پر پھٹکار بھیجی اور اس کی عمر میں برکت نہ ہو سکی، حضرت حسین ؓ کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے خلاف محض للہ فی اللہ خروج کیا جیسے حضرات اہل مدینہ نے (ؓ)"(۱)

یزید پر لعن کا مسئلہ

ابن حجر ہیثمی ؒ نے "**الصواعق المحرقة**" میں لکھا ہے: "**وبعد اتفاقهم على فسقه اختلفوا في جواز لعنه بخصوص اسمه**" (۲) "اور یزید کے فسق پر متفق ہونے کے بعد اختلاف ہوا، اس پر نام لے کر لعنت کرنے کے سلسلہ میں"۔

ابن حجر مکی ؒ کی رائے یہ ہے کہ اس پر لعنت کرنا درست نہیں: "**قال ابن حجر المكي وهو الأليق بقواعد المذهب فلا يجوز لعنه وإن كان فاسقا خبيثا**"(۳) "اگرچہ یزید فاسق وخبیث تھا، مگر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، مذہب کے اصول کے اعتبار سے یہ قول زیادہ مناسب ہے"۔

علامہ مقبلی کی رائے

> **"ومن غرائب الفقه ما ذكره ابن حجر الهيثمي في صواعقه: أنه لا يجوز لعن يزيد وإن كان يجوز بالإجماع لعن من شرب الخمر ومن قطع الأرحام ومن هتک مدينة الرسول ﷺ ومن قتل الحسين ؓ أو امر بقتله أو رضى بقتله قال: وأما يزيد بعينه فلا، وإن كان قد فعل هذه الأشياء فهو فاسق قطعا ونجد في فقههم نحو كلامه أعني أنه لا يجوز لعن المعين فحصى كلية، فيقال لهم: قياس الدلالة على فقهكم هذا، أن لا يحد شارب**

---

(۱) شخصیت یزید، ص: ۳۹۴ (۲) الصواعق المحرقة، ص: ۲۲۲

(۳) شہادت حسین وکردار یزید، ص: ۷ از نانوتوی ؒ

الخمر المعين والزانی المعين إلى غير ذلک في جميع أحكام الشريعة ، لأن الطريقة واحدة، فطاح أيضا منطقكم لأن هذا الشكل الأول الضروري خالفتموه فأي برهان يقام بعده، وصورته هذا يزيد شرب الخمر ، وشارب الخمر ملعون، هذا يزيد ملعون"(۱)

''اور فقہ کا نرالا مسئلہ جس کو ابن حجر ہیثمی ؒ نے اپنی کتاب ''صواعقۃ محرقۃ'' میں بیان کیا ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ بالاجماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو مے خور ہو اور جو قطع رحم کا مرتکب ہو اور جو مدینۃ الرسول ﷺ کی حرمت کو پامال کرے اور جو حضرت حسین ؓ کا قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل سے راضی ہو، فرماتے ہیں؛ لیکن خود یزید پر لعنت نہیں کر سکتے اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قطعاً فاسق تھا جیسا کہ ان کا بیان ہے اور ایسا ہی ہم ان کی فقہ کی کتابوں میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا روا نہیں یہ ان کا کلیہ ہے تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ تمہاری اس فقہ میں قیاس الدلالت کی بنا پر یوں ہونا چاہئے تھا کہ نہ کسی معین شراب خور پر حد لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر، اور اسی طرح اور سارے احکامات شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہئے تھا؛ کیوں کہ طریقہ تو ایک ہی ہے، اور اسی صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی؛ کیوں کہ تم تو منطق کی اس شکل اول کی بھی جو بدیہی الانتاج ہے مخالفت کر رہے ہو؛ لہٰذا اب اس کے بعد اور کونسی دلیل تمہارے سامنے ٹھہر سکتی ہے؛ کیوں کہ قیاس کی شکل اول کی صورت یہ ہے کہ یہ یزید جس نے شراب پی ہے، (صغری) اور شراب کا پینے والا ملعون ہے (کبری) لہٰذا یہ یزید ملعون ہے (نتیجہ)''

---

(۱) **العلم الشامخ**، ص: ۳۶۸

”ولو قالوا ينبغي تحامي ذلك من باب قوله ﷺ ليس المؤمن باللعان لكان فيه مندوحة للمتقين، والله أعلم“(۱)

”ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے بچنا چاہئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”مؤمن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا“ تو بے شک اس صورت میں اہل تقویٰ کے لئے اس سے بچنے کی گنجائش ہوتی، واللہ اعلم“

مجدد الف ثانی کی تصریحات بلعن یزید

حضرت مجدد الف ثانی ؒ شیخ محدث دہلوی ؒ کے معاصر اور شاہ ولی اللہ ؒ اور شاہ عبد العزیز ؒ کے اکابر میں ہیں، اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: ”یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل ہے، اس پر لعنت کرنے میں توقف اہل سنت کے اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ کسی شخص معین پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت تجویز نہیں کیا کرتے اِلّا یہ کہ بالیقین یہ معلوم ہوجائے کہ اس شخص کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، جیسا کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی تھی، یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت نہیں، ارشاد باری ہے کہ ”إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ“ (بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور آخرت میں بھی“ (۲)

امام کیاہراسی غزالی ثانی کا فتویٰ

تاریخ ابن خلکان میں شمس الاسلام امام ابو الحسن علی بن محمد عماد الدین المعروف بالکیاہراسی کے بارے میں مؤرخ ابن خلکان نے حافظ عبد الغافر فارسی سے نقل کیا ہے کہ **”وكان ثاني الغزالي“** (یہ غزالی ثانی تھے) کا یہ فتویٰ بھی منقول ہے:

”وسئل الكيا أيضا عن يزيد بن معاوية فقال: إنه لم يكن من الصحابة لأنه ولد في أيام عمر بن الخطاب وأما قول السلف في

---

(۱) حوالہ سابق، ص: ۳۶۶

(۲) مکتوبات، ص: ۲۵۱ (۴/۶۰)

لعنته ففيه لأحمد قولان: تلويح وتصريح ولمالك قولان: تلويح وتصريح ولأبي حنيفة قولان تلويح وتصريح ولنا قول واحد التصريح دون التلويح وكيف لا يكون كذلك وهو متصيد بالفهد واللاعب بالنرد ومدمن الخمر" (۱)

"اسی طرح الکیا سے بھی یزید بن معاویہ کے بارے میں فتوی پوچھا گیا تھا، انہوں نے فرمایا کہ یزید صحابہ میں سے نہیں تھا؛ کیوں کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے ایام خلافت میں پیدا ہوا تھا، رہا سلف کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمد کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک کے بھی دو قول ہیں ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ اور دوسرے میں تصریح، امام ابوحنیفہ ؒ کے بھی دو قول ہیں ایک صریح، ایک کنائی اور ہمارا تو اس پر لعنت کے سلسلہ میں صریح قول ہے، اشارۃً کچھ بھی نہیں (کہ اس پر لعنت درست ہے) اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ چیتے کا شکار کرنے والا، نرد کھیلنے والا اور دائمی شرابی تھا" (۲)

لعن یزید میں اختلاف علماء کی بابت شاہ عبدالعزیز ؒ صاحب کی تحقیق

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ شاہ عبدالعزیز ؒ صاحب محدث دہلوی نے فتاوی عزیزیہ میں یہ بیان فرمائی ہے:

"یزید پر لعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے کہ امام حسین ؓ کی شہادت کے بارے میں اس پلید کے متعلق متضاد مختلف روایتیں آئی ہیں، بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یزید رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور آپ ﷺ کے اہل بیت کی اہانت پر شاداں وفرحاں تھا، جن حضرات

---

(۱) تاریخ ابن خلکان، حیوۃ الحیوان للدمیری: ۲/۸۴

(۲) شخصیت یزید، ص: ۳۱۳

کی نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں انہوں نے اس پر لعنت کا حکم دیا؛ چنانچہ امام احمد بن حنبل ؒ اور فقہائے شافعیہ میں سے کیا ہراسی اور دوسرے بہت سے علماء کی یہی رائے ہے اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور ابن زیاد اور اس کے اعوان و انصار پر عتاب اور اس کام پر ندامت کہ جو اس کے نائبوں کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے، سو جن لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل ترجیح ہوئیں، انہوں نے اس پر لعنت کرنے سے منع کیا؛ چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی ؒ اور دوسرے علمائے شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ ہیں (کہ ان کی رائے یہی ہے) اور علماء کی ایک جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی، انہوں نے احتیاط کی بناء پر توقف کیا اور تعارض کے وقت علماء پر یہی واجب بھی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ ؒ کا قول ہے" (۱) ہاں شمر اور ابن زیاد پر لعنت کرنے میں کہ ان کا اس فعل شنیع کے ارتکاب پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم کے تعارض کے بغیر قطعی طور پر معلوم ہے، کسی شخص کو توقف نہیں ہے" (۲)

فتاوی عزیزیہ کی فارسی عبارت یہ ہے:

"و در لعن یزید توقف از آن جہت است کہ روایات متعارضہ ومتخالفہ ازاں پلید در مقدمہ شہادت امام علیہ السلام وارد شدہ از بعض روایات رضا واستبشار واہانت اہل بیت خاندان رسول اللہ ﷺ مفہوم میگردد،

---

(۱) یہ غلط فہمی نہ ہو کہ امام ابوحنیفہ سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت ہے؛ بلکہ ان سے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے، یزید کے بارے میں خود ان کی تصریح لعنت کے جواز کی ہے۔ (فقہ اکبر دیکھیں)

(۲) ایضاً ص: ۳۱۹

وکسانیکہ ایں روایات درنظر آنہا مرجح واقع شدہ حکم بلعن اونمودند چنانچہ احمد بن حنبل وکیا ہراسی از فقہائے شافعیہ ودیگر علمائے کثیر واز بعضے روایات کراہت ایں امر وعتاب بر ابن زیاد واعوان او وندامت بریں کارکہ از دست نوائب او بوقوع آمد معلوم می شود کسانیکہ ایں روایات نزد ایشاں مرجح شد از لعن او منع نمودند؛ چنانچہ امام حجۃ الاسلام امام غزالی ودیگر علمائے شافعیہ واکثر علمائے حنفیہ، وجماعتے از علماء کہ نزد آنہا ہر دو روایت متعارض شدند ترجیح یکطرف بر دیگر حاصل نشد بنا بر احتیاط توقف نمودند ہمیں است واجب بر علماء عند التعارض وہو قول ابی حنیفہ، آرے در لعن شمر وابن زیاد کہ رضا واستبشار آنہا بایں فعل شنیع قطعی است من غیر التعارض ہیچکس را دراں توقف نیست'' (۱)

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبد العزیز ؒ صاحب کا فیصلہ

اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود حضرت شاہ صاحب ممدوح کی جو رائے ہے وہ ان کے مشہور شاگرد مولانا سلامت اللہ صاحب کشفی نے ''تحریر الشہادتین'' میں نقل کر دی ہے، فرماتے ہیں:

> ''دریں شکے نیست کہ یزید پلید آمر وراضی ومستبشر از قتل حسین بود ہمیں است مذہب مختار جمہور اہل سنت والجماعت چنانچہ در کتب معتمدہ مثل ''مفتاح النجاء'' مرزا محمد بدخشی، ومناقب السادات ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی، وشرح عقائد النسفی ملا سعد الدین تفتازانی، وتکمیل الایمان شیخ عبد الحق محدث دہلوی، وغیر آں از اسفار معبرہ باشواہد ودلائل مذکور ومسطور است ولہٰذا لعن آں ملعون بہ حجج قاطعہ وبراہین ساطعہ ثابت کردہ اند، ومختار راقم الحروف واساتذۂ صوری ومعنوئ ما ہمیں است کہ یزید آمر وراضی ومستبشر بقتل حسین بود ومستحق

---

(۱) فتاوی عزیزیہ: ۱/۱۰۰، طبع مجتبائی دہلی

لعنت ابدی و وبال ونکال سرمدی ہست الخ‘‘(۱)

’’اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یزید پلید ہی حضرت حسین ؓ کے قتل کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا اور یہی جمہور اہل سنت والجماعت کا پسندیدہ مذہب ہے؛ چنانچہ معتمد علیہ کتابوں میں جیسے کہ مرزا محمد بدخشی کی ’’مفتاح النجاء‘‘ اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی ’’مناقب السادات‘‘ اور ملا سعد الدین تفتازانی کی ’’شرح عقائد نسفیہ‘‘ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی ’’تکمیل الایمان‘‘ اور اس کے علاوہ دوسری معتبر کتابوں میں مع دلائل وشواہد مذکور ومرقوم ہے اور اسی لئے اس ملعون پر لعنت کے روا ہونے کو قطعی دلائل اور روشن براہین سے ثابت کر چکے ہیں اور راقم الحروف اور ہمارے اساتذہ صوری ومعنوی نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے، وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی قتل حسین ؓ کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا اور وہ لعنت ابدی اور وبال ونکال سرمدی کا مستحق ہے‘‘(۲)

امام ابوبکر جصاص الحنفی ؒ کا فتویٰ

آپ ؒ فرماتے ہیں: **”وكان أصحاب النبي ﷺ يغزون بعد الخلفاء الأربعة مع الأمراء الفاسق وغزا أبو أيوب الأنصاري مع يزيد اللعين“** (۳)

’’نبی ﷺ کے صحابہ خلفاء اربعہ کے بعد فساق امراء کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے، ابوایوب انصاری نے یزید لعین کے ساتھ مل کر جہاد کیا‘‘۔

امام احمد ؒ کی تصریح کہ یزید ملعون ہے

حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

”قال صالح بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي أن قوما يقولون إنهم

---

(۱) تحریر الشہادتین، ص:۹۶-۹۷، مطبوعہ محلہ خیالے گنج آغاجان لکھنؤ، ۱۲۵۶ھ

(۲) **تحریر الشهادتين**، ص:۳۲۲ (۳) **أحكام القرآن للجصاص**: ۱۷۵/۳

يحبون يزيد، قال: يا بني! وهل يحب يزيد أحد يؤمن بالله واليوم الآخر، فقلت: يا أبت فلما ذا لا تلعنه؟ قال: يا بني ومتى رأيت أباك يلعن أحدًا"

''صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا: کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا: بیٹے! کوئی شخص بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کرسکتا ہے؟ میں نے عرض کیا: ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں فرماتے؟ آپ نے جواب دیا: بیٹا! تم نے اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے؟

اس روایت میں امام ممدوح رحمہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ اپنے عمل کو بتلا دیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا، مگر دوسری روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں نقل فرمایا ہے، اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرمادی ہے۔

یہ روایت حسب ذیل ہے:

"قال ابن الجوزي: إنه روى القاضى أبو يعلى في كتاب المعتمد: قال ابن الجوزي عن صالح بن أحمد بن حنبل أنه قال: قلت لأبي: يا أبت يزعم بعض الناس إنا نحب يزيد بن معاوية، فقال أحمد: يا بني هل يسوغ لمن يؤمن الله أن يحب يزيد ولم لا يلعن رجل لعنه الله في كتابه، قلت: يا أبت أين لعن الله يزيد في كتابه، قال: حيث قال: فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا في الأرض وتقطعوا أرحامكم أولئك الذين لعنهم الله فأصمهم وأعمى أبصارهم" (۱)

---

(۱) تفسیر مظہری: ۸/ ۴۲۴، طبع دہلی ۱۳۹۶ھ

''ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابویعلی نے اپنی کتاب **"المعتمد في الأصول"** میں بسند صالح بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان! بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: بیٹا بھلا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو کیا اس کے لئے یہ روا ہوسکتا ہے کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے، جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے، میں سے عرض کیا: ابا جان! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے؟ فرمایا: جہاں یہ ارشاد ہورہا ہے کہ ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو، ملک میں، اور قطع کرو اپنی قرابتیں، ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے، پھر کردیا ان کو بہرا اور اندھی کردیں ان کی آنکھیں''(۱)

واضح رہے کہ علماء حنابلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول پر ہے؛ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے **"البداية والنهاية"** (۸/ ۲۲۳) میں جہاں واقعہ حرہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلماً خوف میں مبتلا کریں۔

وہاں ان کو بیان کر کے فرماتے ہیں:

"وقد استدل بهذا الحديث وأمثاله من ذهب إلى الترخيص في لعنة يزيد بن معاوية وهو رواية عن أحمد بن حنبل، اختارها الخلال وأبو بكر عبد العزيز والقاضي أبو يعلى وابنه القاضي أبو الحسين وانتصر لذلك أبو الفرج ابن الجوزي في مصنف مفرد، وجوز لعنته" (۲)

---

(۱) تفسیر مظہری: ۸/ ۴۲۴ (۲) البدایۃ: ۸/ ۲۲۳

”اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے، جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت ہے اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت میں یہی وارد ہے اور اسی کو خلال، ابو بکر، عبد العزیز، قاضی ابو یعلی اور ان کے صاحبزادے قاضی ابو الحسن نے اختیار فرمایا ہے اور حافظ ابو الفرج بن الجوزی نے ایک مستقل تصنیف اس بارے میں لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا ہے“(۱)

امام احمد بن حنبل ؒ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ امام احمد بن حنبل ؒ نے کتاب **”الزھد“** میں یزید کا ذکر زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں اس کا ذکر کیا ہے، جن کے وعظ وفرمان سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے، سو وہ امام احمد ؒ کی نظر میں اعلیٰ درجہ کے تابعین ونیک لوگوں میں سے ہے؛ لیکن واضح رہے کہ امام احمد بن حنبل ؒ **”کتاب الزھد“** میں جس یزید کا تذکرہ کئے ہیں وہ یزید بن معاویہ نہیں ہے، جو زیر بحث ہے؛ بلکہ وہ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں جو مشہور زاہد وعابد گزرے ہیں، ان کا تذکرہ **”تہذیب التہذیب“** وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں حافظ جمال الدین مزی کی **”تہذیب الکمال“**۔ (۲)

کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کی تعریف وخوبیاں بیان کی؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ ؓ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت واطاعت کا حکم دیا سو وہ صحابہ رسول کی نظر میں درستگی پر تھا۔

سو واضح رہے کہ جب اس کا فسق تواتر سے ثابت ہے تو اگر کسی روایت میں اس

---

(۱) ایضاً ص: ۳۰۲

(۲) اس کتاب کا ایک عکسی نسخہ ”جامعہ علوم اسلامیہ“ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں موجود ہے۔

کے صالح ہونے کا تذکرہ ہے تو وہ تواتر کے مقابلہ میں شاذ، نا قابل قبول ہوگی، دوسری بات یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس کی تعریف کرنا کب ہے، جبکہ معاویہ کی وفات کی خبر ملی تب اور وہ اس وقت تک کھلا فاسق نہیں تھا جب خود باپ کو بیٹے کے احوال کا کما حقہ علم نہ ہو تو بھلا دور رہنے والوں کو اس کے احوال کا کما حقہ علم کہاں ہوگا؟ تیسری بات یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچنے کا واقعہ اور اس وقت کی گفتگو علامہ ابو الفرج اصفہانی نے **"الأغاني"** میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس میں یزید کی تعریف کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ (۱)

یزید پلید کا خط ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نام

> **"أما بعد! فقد بلغني أن الملحد ابن الزبير دعاك إلى بيعته وإنك اعتصمت ببيعتنا وفاء منك لنا فجزاك الله من ذي رحم خير ما يجزي المواصلين لإرحامهم المواصلين بعهودهم فما أنسى من الأشياء فلستُ بناس برك وتعجيل صلتك بالذي أنت له أهل فانظر من طلع عليه من الآفاق ممن سخرهم ابن الزبير بلسانه فأعلمهم بحاله فإنهم منك أسمع الناس ولك أطوع منهم للمحل"** (۲)

"اما بعد! مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت کے لئے کہا تھا اور آپ ہماری وفاداری میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں، اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے جو وہ ان حضرات کو عطا کرتا ہے کہ جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں سو اب میں کچھ بھولوں پر آپ کے اس احسان کو نہیں بھولوں گا اور آپ کی خدمت میں فوراً ایسے صلے کی روانگی جو آپ کے شایان شان ہو، اب آپ اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی آدمی آپ کی خدمت

---

(۱) شخصیت یزید۔ ص: ۲۷۸ (۲) الکامل لابن اثیر: ۴/۵۰

میں آئے اور ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے اسے متاثر کرلیا ہو تو آپ ابن زبیر کے حال سے اسے آگاہ فرمادیں؛ کیوں کہ اس حرم کعبہ کی حرمت کے ختم کرنے والے کی بہ نسبت لوگ آپ کی زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں“

یزید پلید کے خط کا جواب

یزید کے اس خط کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

”أما بعد! فقد جاءني عتابک فأما ترکی بیعة ابن الزبیر فو الله ما أرجو بذلک برک ولا حمدک ولکن الله بالذي أنوی علیم، وزعمت أنک لست بناس بری فأحبس أیها الإنسان برک عني فإني حابس عنک بری وسالت أن أحبب الناس إلیک وأبغضهم وأخذلهم لابن الزبیر فلا، ولا سرور ولا کرامة کیف قد قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب مصابیح الهدی ونجوم الأعلام غادرتهم خیولک بأمرک في صعید واحد مرملین بالدماء مسلوبین بالعراء مقتولین بالظماء لا مکفنین ولا موسدین تسفی علیهم الریاح وتنتابهم عوج الضباع حتی أتاح الله بقوم لم یشرکوا في دمائهم کفونهم وأجنوهم أوعزت وبی والله وبهم تحززت وجلست مجلسک الذي جلست فما أنسی من الأشیاء فلست بناس اطرادک حسینا من حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی حرم وتیسیرک الخیول إلیه فما زلت بذلک حتی اشخصته في العراق فخرج خائفا یترقب فنزلت به خیلک عدواة منک لله ورسوله ولأهل بیته الذین أذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا فطلب إلیکم

الموادعة وسألكم الرجعة فاغتنم قلة أنصاره واستيصال أهل بيته وتعاونتم عليه كأنكم قتلتم أهل بيت من الشرک والكفر فلا شيء أعجب عندي من طلبتک وُدِّی وقد قتلت ولد أبي وسيفک يقطر من دمي وأنت أحد ثاری ولايعجبک أن ظفرت بنا اليوم فلنظفرن بک يومًا۔ والسلام“(۱)

”امابعد! تمہارا خط مجھے ملا، میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری ثنا وصفت کا خواہاں نہیں؛ بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کروگے تو اے انسان! اپنے اس حسن سلوک کو اپنے پاس اٹھا رکھ؛ کیوں کہ میں اپنے حسن سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور تم نے جو مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں سو ایسا بالکل نہیں ہوسکتا، نہ تمہاری خوشی ہمیں منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا ہے؟ حالاں کہ تم نے حسین کو اور ان جوانانِ عبدالمطلب کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے، تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جاچکا تھا، پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور بھوکے بجّو باری باری سے ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے؛ تا آ غشتہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی قوم کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ تھے، ان لوگوں نے

---

(۱) الکامل لابن اثیر: ۳/ ۵۰۵

آکر ان کو کفن دیا اور دفن کیا؛ حالاں کہ بخدا ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے۔

اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھنا ہوا ہے اب میں خواہ سب چیزیں فراموش کردوں پر اس بات کو فراموش نہیں کرسکتا کہ تو نے ہی حسین کو مجبور کر کے رسول اللہ ﷺ کے حرم سے حرم الٰہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا رہا اور مسلسل لگا رہا، تا آں کہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا؛ چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت میں نکلے کہ ان کو دھڑ کا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جالیا، یہ سب کچھ تو نے خدا اور رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک وصاف کر دیا تھا، حسین نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی، مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ "اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال کیا جاسکتا ہے، موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں کے خاندان کو قتل کررہے ہو، پس اب میرے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے؛ حالاں کہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کرچکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے، اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے اور اس خیال میں نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام" (۱)

بالفرض ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ کی وفات پر یزید بدنصیب کی کچھ تعریف کی بھی ہو تو اس خط سے خوب واضح ہوجاتا ہے کہ وہ آپ کے نزدیک کس درجہ

---

(۱) أیضاً، ص: ۲۸۱

تعریف و اطاعت کے قابل ہے اور آپ کا چیلنج پورا ہو کر رہا کہ آسمان نے وہ دن دیکھا کہ بنو امیہ کی گردنیں بنو عباس کے پیروں تلے آ رہی تھیں، اور خلافت بنو عباسیہ قائم ہو رہی تھی۔

یزید کا فسق متواتر المعنی ہے

یزید کے فسق پر صحابۂ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں، خواہ مبائعین ہوں یا مخالفین، پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علماء راسخین، محدثین، فقہاء، مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ ابن حجر ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیاہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماء سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اس کے قائل ہیں، پھر بعض ان میں سے اس کے فسق کے قدر مشترک کو متواتر المعنی بھی کہہ رہے ہیں، جس سے اس کا قطعی ہونا بھی واضح ہے، پھر اوپر سے ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ ؒ، امام مالک ؒ، امام احمد بن حنبل ؒ کا یہی مسلک، الہراسی نقل کر رہے ہیں اور خود شافعی ہیں اور فتوی دے رہے ہیں، تو ان کی نقل ہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلک امام شافعی اور فقہ شافعی کا بھی ہے تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ (۱)

فسق یزید فقہی و منصوص مسئلہ ہے نہ کہ تاریخی و اجتہادی

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یزید کا فسق تاریخی نظریہ نہیں، جیسے مؤرخین نے بطور تاریخی بات کے پیش کر دیا ہو؛ بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے جو عقیدہ اور مسئلہ کی لائن سے ارباب حدیث و فقہ نے اپنی کتب عقائد و مسائل میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تھوڑا اور آگے بڑھ کر کہا جائے تو فسق یزید کا مسئلہ اجتہادی نہیں؛ بلکہ ایک منصوص مسئلہ ہے جس کی بنیادیں کتاب و سنت میں موجود ہیں، گو درجۂ اجمال میں ہیں اور علماء راسخین و مجتہدین کی یہ نقل در حقیقت انہی احادیث کے تفصیلی بیان اور اس کی تشریح و توضیح کا درجہ رکھتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) تنقیحات حکم الاسلام، ص: ۲۲۱

(۲) ص: ۳۲۱

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے

اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں تصریح کی ہے کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں، ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں عوام یزید پر لعنت کرتے کرتے بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں، جیسا کہ رافضیوں کا شعار ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

> **"فإن قيل فمن علماء المذهب من لم يجوز اللعن على يزيد مع علمهم بأنه يستحق ما يربو على ذلك ويزيد قلنا تحامياً عن أن يرتقي إلى الأعلى فالأعلى كما هو شعار الروافض"**(۱)

> "پھر اگر کہا جائے کہ بعض علماء مذہب شافعی میں ایسے بھی ہیں کہ جو یزید پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں دیتے؛ حالاں کہ ان کو یہ علم ہے کہ وہ لعنت سے بھی بڑھ کر اور زیادہ وبال کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا اس احتیاط کی بنا پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ جائے، جیسا کہ روافض کا شعار ہے"

بعض لعنت کرنے سے اس لئے رکتے ہیں کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں

اور بعض حضرات یزید پر اس لئے لعنت کرنا مناسب نہیں خیال کرتے کہ اس طرح تو اس کے گناہ اور کم ہوں گے؛ چنانچہ غلام ربانی **"ازالة الخطاء في رد كشف الغطاء"** میں لکھتے ہیں:

> "وظاہر است کہ گفتن لعن وطعن موجب سقوط وزر از مطعون میگردد؛ لہٰذا زبان بلعن آلودہ نمی کنند الخ" (۲)

> "اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن کیا جاتا ہے؛ لہٰذا زبان کو لعنت سے آلودہ نہیں

---

(۱) شرح مقاصد: ۲ر۳۰۷، طبع قسطنطنیہ

(۲) ازالۃ الغطاء، ص: ۴۵-۴۶، طبع: مطبع محب کشور ہند میرٹھ ۱۲۸۱ھ

کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب یزید پلید کی روح کو شاد نہیں کرتے؛ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح گناہ کا بھاری بوجھ لادے لادے کمر شکستہ رہے"(۱)

امام غزالی رحمہ اللہ کا نظریہ

امام غزالی رحمہ اللہ کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں، خواہ وہ کافر ہو یا فاسق، کچھ یزید کی اس مسئلہ میں تخصیص نہیں؛ چنانچہ امام نووی نے بھی اپنی کتاب الاذکار میں ان کا یہی مذہب نقل کیا ہے، نیز امام نووی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ظاہر احادیث اس مذہب کے خلاف ہیں اور انہوں نے مستقل ایک رسالہ اس مسئلہ پر تحریر کیا ہے، الغرض امام غزالی کسی معین فاسق پر لعنت کو روا نہیں رکھتے، پھر یزید پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے؟ ان کے نزدیک ہر حال میں مؤمن کا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا اولیٰ ہے، ہمارے نزدیک بھی یزید پر لعنت کرنا کوئی کارِ ثواب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لے کر اپنی زبان کو گندہ کریں۔

ظاہر ہے اس پر لعنت کے بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو تو اس میں بالاتفاق ثواب زیادہ ہوگا، مگر یزید پر لعنت نہ کرنے سے اس کا متقی اور صالح ہونا کہاں سے ثابت ہو جائے گا۔(۲)

یزید کے نام پر "رضی اللہ عنہ" یا "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا؟

علماء امت واکابر ملت کی ان تمام تشریحات کے بعد شاید کوئی اس کے ولی ہونے یا صحابی ہونے کا عقیدہ نہیں رکھے گا؛ لیکن بعض فاسد عقیدہ علم وعقل کے باغی اس کو صحابی سمجھتے ہیں، اور اس کے نام پر "ترضیہ" پڑھتے ہیں، یہ عقیدہ ناصبیوں کا ہے جو اہل بیت کے عداوت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں؛ بلکہ بعض ناہنجار تو اسے نبی کہہ بیٹھے؛ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ **"منهاج السنة"** میں لکھتے ہیں:

" فطائفة من الجهال يظنون يزيد هذا من الصحابة وبعض

---

(۱) شخصیت یزید، ص:۳۲۲ (۲) ایضا، ص:۳۱۱

غلاتهم يجعله من الأنبياء" (۱)

''جاہل ناصبیوں کی ایک جماعت اس یزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناصبی تو اس کو نبی بھی مانتے ہیں''

غنیمت ہے کہ آج کوئی ایسا ناصبی نہیں جو اس کو نبی جانے، پر بعض عقیدت مند اب بھی ایسے ہیں جو اس کو خلیفہ راشد کہہ کر اس کی خدمت میں ''سیدنا''، ''رضی اللہ عنہ''، ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہہ کر آداب بجالاتے ہیں اور اہل بیت سے عداوت کا ثبوت دیتے ہیں؛ لیکن اہل حق میں سے کوئی شخص بحالت صحت ہوش وحواس یزید کے اس سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے نیک ہونے کی شہادت نہیں دے سکتا؛ بلکہ ہندوستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ ''پلید'' کا لفظ بڑھا لیتے ہیں یا یوں لکھتے ہیں: **"يزيد عليه ما هو أهله"**، **"يزيد عليه ما يستحقه"**، **"يزيد بن معاويه عليه ما يستحقه"** کہ یزید جس معاملہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ ہو، چہ جائے کہ رضی اللہ عنہ، یا رحمۃ اللہ علیہ لکھا جائے اور پھر یہ دعائیہ جملہ کہنا بر بنائے محبت ہے یا وہ اس دعاء کا مستحق ہے، مستحق تو وہ کسی شکل میں نہیں ہے، اب اگر بر بنائے محبت ہے تو **المرء مع من أحب** کے تحت کون اس کے ساتھ حشر کرنا پسند کرے گا، اِلا یہ کہ وہ بھی یزیدی ہو، حافظ ابن تیمیہ کا فتوی یزید سے محبت کے سلسلہ میں پڑھا یا جائے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتوی

"وأما ترك محبته فلأن المحبة الخاصة إنما تكون للنبيين والصدقين والشهداء والصالحين وليس واحدًا منهم وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم المرء مع من أحب ومن آمن بالله واليوم الآخر لا يختار أن يكون مع يزيد ولا مع أمثاله من الملوك الذين ليسوا بعادلين" (۱)

''یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ محبت خاص تو انبیاء، صدیقین

---

(۱) **منهاج السنة**، ص: ۳۷۶ (۲) مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ: ۴/ ۴۸۴

> وشہداء و صالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شمار ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں ہوسکتا، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی، اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے'' (۱)

اب جس شخص کو یزید اور اس جیسے ظالموں کے ساتھ حشر کرنا ہو وہ اس سے محبت رکھے اور اس پر ''رحمۃ اللہ علیہ'' یا ''رضی اللہ عنہ''، یا ''علیہ السلام'' یا اس سے آگے بڑھ کر ''جل جلالہ'' کے القاب و دعائیہ کلمات کہہ کر اپنے کو بھی اس سزا کا مستحق بنائے جو اس کو ملنا ہے یا جس کا وہ مستحق ہے۔

کیا یزید صحابی تھا؟

۱) علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب **''لبدایۃ والنہایۃ''** میں یزید بن معاویہ اور اس کے دور کے واقعات میں لکھا ہے کہ ''رجب ۶۰ھ میں اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کی بیعت خلافت ہوئی اور اس کی پیدائش ۲۶ھ میں ہوئی اور جس روز اس کی بیعت ہوئی اس کی عمر ۳۴ سال تھی۔ (۲)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب **''لسان المیزان''** میں رقم فرمایا: **''إنه ولد فی خلافة عثمان ؓ وقد ابطل من زعم أنه ولد فی عهد النبوی''** وہ حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا، اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوا، اس نے غلطی کی اور فاسد گمان کیا۔

اور صحابی اسے کہتے ہیں جو ایمان کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی صحبت پایا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں وفات پائی ہو، بھلا جو شخص آنحضرت ﷺ کی وفات کے ۱۵، ۱۶ سال بعد پیدا ہو، وہ کیسے صحابی قرار پائے گا؟

---

(۱) حقیقت یزید ص ۱۹۵ (۲) ۸/۳۰۳

۲) عمر بن عبدالعزیز جیسی مقدس ہستی سے یہ تصور ہوسکتا ہے کہ شان صحابیت پر طعن کرے یا وہ کسی صحابی کی تحقیر کریں؟ جب آپ کے سامنے کسی نے یزید کے نام کے ساتھ "امیر المؤمنین" کا اضافہ کر دیا تو ۲۰ رکوڑے لگائے، جبکہ امیر المؤمنین غیر صحابی بھی ہوسکتا ہے، اس شخص نے "رضی اللہ عنہ" کا اضافہ نہیں کیا تھا کہ اسے صحابی سمجھ رہا ہو، پر تعظیم کے اس لقب پر آپ برگشتہ ہوگئے، آپ اسے صحابی سمجھتے ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے اور جبکہ آپ بھی بنی امیہ میں سے ہی ہیں، پر حق پرست کی کھلی علامت یہی ہے کہ خود نیک ہوکر نیک کو نیک اور بد کو بد کہے خواہ اپنا ہو یا پرایا۔

۳) آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث پاک ہے: **"اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی"** (۱) میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ نا بنانا، عظمت صحابہ پر مستقل کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور محدثین نے مستقل عظمت صحابہ کے ابواب قائم کئے ہیں۔

اور اہل سنت والجماعت کے عقیدوں میں سے ہے کہ صحابہ محفوظ ہیں اور ان پر طعن درست ہی نہیں؛ بلکہ ان کے محفوظ ونمونہ ہونے کا عقیدہ رکھنا ہے، اس کے باوجود محدثین، فقہاء، ائمہ، مؤرخین اور اسلاف کی بہت سی مقدس ہستیوں سے اس کا فسق منقول ہے؛ بلکہ بعض سے اس کا کفر بھی منقول ہے، علامہ سعد الدین تفتازانی اہل سنت والجماعت کے عقائد کی ترجمانی کرتے ہوئے "شرح عقائد النسفي" میں جہاں صحابہ کے سلسلہ میں عقیدہ کا ذکر کیا، اپنی اسی کتاب میں اس پر لعنت کا قول بھی نقل کیا ہے، (جسے ہم نے باحوالہ ماقبل میں بیان کردیا) اگر وہ صحابی ہوتا تو اس طرح ایک طرف شان صحابیت بیان کر کے دوسری طرف اس پر لعنت کرنا عقل دشمنی کی بات ہے، علاوہ ازیں جمہور امت کی اتنی بڑی جماعت شان صحابیت سے واقفیت کے باوجود اس پر فسق کا طعن کرنا اپنی جگہ ایک اہم ومستقل دلیل ہے کہ وہ کسی کی نظر میں صحابی ہی نہیں؛ بلکہ ایک معمولی مسلمان بھی نہیں جو فسق کے طعن سے عاری ہو۔

---

(۱) **شعب الإیمان: فصل في براءۃ نبینا** ﷺ، حدیث: ۱۵۱۱

ورنہ ان مقدس ہستیوں کو کسی ادنیٰ صحابی پر بھی طعن کر کے اپنے کو شیعہ کے زمرے میں شمار کروا لینے اور خدا اور اس کے رسول کی نگاہ میں ملعون و مجرم قرار پانے کا (العیاذ باللہ) ہرگز شوق نہیں ہے۔

۴) سیدنا اویس قرنی جو آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھے، آنحضرت ﷺ سے خط کے ذریعہ ان کی گفتگو بھی منقول ہے اور آپ ﷺ سے ان کے متعلق حدیث بھی منقول ہے کہ ''ان سے ملو تو دعا کی درخواست کرنا (سیدنا عمر ؓ و علی ؓ جیسے جلیل القدر خلفاء نے آپ سے مل کر دعا کی درخواست بھی کی) محدثین کرام اپنی کتابوں میں فضائل اویس قرنی پر مستقل باب باندھا ہے، پر آنحضرت ﷺ سے ملاقات و باقاعدہ شرف صحابیت کا درجہ نہ پانے کی بناء پر سب آپ کو سید التابعین کہتے ہیں، جمہور آپ کو صحابی قرار نہیں دیتے۔

بھلا جو شخص آنحضرت ﷺ کے عہد بابرکت گذرنے کے ۱۵، ۱۶ سال بعد جنم لیا ہو اس کی شان میں کوئی حدیث تو دور کی بات؛ بلکہ جہاں کسی حدیث کی رو سے تھوڑا بہت خیر مقدر میں آسکتا تھا، وہ بھی دیگر احادیث کی بنیاد پر (جس میں لعنت کی گئی ہے اور علماء نے ان حدیثوں کا مصداق اول اسی کو قرار دیا ہے)، (۱) جاتا رہا اور جس کا فسق و فجور، ظلم و تشدد واضح ہو، حرمین کی بے حرمتی، قتل ریحانہ رسول، وجگر گوشہ بتول کے خون سے اپنے ہاتھ رنگا، تذلیل و تحقیر صحابہ میں ملوث ہو، ایسے شخص کو صحابی قرار دینا بجائے خود ایک عظیم جرم اور شان صحابہ پر طعن و مذاق اڑانا ہے کہ ایسے شخص کو صحابی قرار دینے کی ناپاک کوشش کی جائے، جس کے ظلم سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہوں اور جس کے تشدد سے مقدس ہستیوں و مقدس مقامات کا خون ہوا ہو۔

۵) حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ سے سیدنا معاویہ ؓ صحابی رسول ﷺ اور خلیفہ خامس حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: عمر بن عبدالعزیز ؒ سیدنا معاویہ ؓ کے گھوڑے کی ٹاپ کی گرد کو

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے [illegible]

بھی نہیں پہنچ سکتے ، جبکہ ان کے متعلق منقول ہے کہ پچھلی قوموں کا انصاف ایک طرف اور آپ کا انصاف دوسری طرف رکھ دیں تو آپ کا انصاف غالب آ جائے گا، پر آپ بھی صحابی کے گھوڑے کی گرد کو بھی نہ پہنچ پا رہے ہوں، تو یزید پلید کو عمر بن عبد العزیز ؒ سے بھی آگے صحابی ہی قرار دے دینا، ’’رضی اللہ عنہ‘‘ سے بھی آگے بڑھ کر ’’علیہ السلام‘‘ کے دعائیہ القاب سے نوازنا خود کو یزیدی لشکر اور قاتلان حسین کے زمرے میں قرار دے دینا اور آل بیت طاہرین کی مقدس ہستیوں کی عداوت کا (معاذ اللہ) پرچم لہرانا ہے۔

افسوس صد افسوس ہے ان علم وعقل، و درایت دشمن اور خیانت دوست قلم گیروں پر جو سیدنا حسین ؓ کے صحابیت کی نفی میں سعی لا حاصل کی اور اپنی نظر وفکر اور قلم خیانت کو جنبش دے کر یزید پلید کو صحابی قرار دے کر اپنی خرابی جبلت وعیب کو ہنر خیال کرنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور سردار شبان جنت وریحانہ نبوی سے شان صحابیت چھین کر یزید پلید کی بدکرداری اور فسق وفجور کو بلّی کے گو کی طرح چھپانے کی ٹھان کر توہین سید المرسلین کی نجس کوشش کی ہے۔

یزید جس کے فسق نے اسے مبغوض الخلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا، جس نے امت میں فتور پیدا کر دیا، ذاتی فسق سے محض ذات تباہ ہوتی ہے؛ لیکن اجتماعی فسق سے امت اور اجتماعیت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے، پھر اس میں بھی قبیح ترین فسق جس نے امت میں اس کی طرف سے ذہنی اشتعال پیدا کر دیا وہ قتل حسین ہے، جو اس کی امارت کا اشارہ کار ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں: **”وقد تقدم أنه قتل الحسين وأصحابه على يدى عبيد الله بن زياد“** (۱) ’’اور پھر اس پر اس کا راضی ہو کر تحقیر آمیز رویہ سے آپ کے چہرۂ مبارک پر چھڑی سے کچوکا لگانا اور اس عمل پر تنبیہ کرنے والے صحابی رسول زید بن ارقم ؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو صحابی قرار دینا خود پر ہی ظلم نہیں؛ بلکہ یزید پر بھی ظلم ہے، وہ تو مقدس ہستیوں کی تحقیر وتذلیل کر کے خود کو ان کا اور راہ حق کا رقیب قرار دینا چاہ رہا ہے اور کوئی اس کا رفیق اپنے رفیق کی مساعی کے خلاف اسے وہ درجہ دینے کے درپہ ہے جس سے اس کی رقابت ہے۔

---

(۱) **البدایۃ**: ۸/ ۲۲۲

یزیدی دور کے سیاہ کارنامے

۱) سیدنا حسین ؓ پر سختی نہ کرنے کی وجہ سے گورنر مدینہ ولید کو اپنے عہدے سے معزول کر دیا، ولید کا قصور یہ تھا کہ اس نے بیعت کے معاملہ میں حضرت حسین ؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر وہ سختی نہ کی جو یزید کو مطلوب تھی، اس لئے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ منورہ سے بخیر و عافیت مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے تھے، جبکہ یزید کا یہ حکم آچکا تھا کہ:

"أما بعد! فخذ حسينا وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن زبير بالبيعة أخذاً شديداً ليست فيه الرخصة حتى يبايعوا۔ والسلام"

"امابعد! حسین ؓ، عبد اللہ بن عمر رضی الہ عنہما، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بیعت کے لئے سختی سے پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں ذرا ڈھیل نہ ہونے پائے" والسلام۔

ولید کے سختی نہ کرنے پر یزید نے معزول کر دیا۔

مقام حرہ

بیرون مدینہ منورہ مشرقی جانب (جو پتھریلی) علاقہ ہے، جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں، وہ مقام حرہ کہلاتا ہے، اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے، واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانۂ قدیم میں یہاں آکر پڑاؤ ڈالا تھا، اسی مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی، جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔

واقعہ حرہ اور آپ ﷺ کی پیشن گوئی

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ ؓ سے مروی ہے کہ: **"أشرف النبي ﷺ على أطم من أطام المدينة، فقال: هل ترون ما أرى؟ إني لأرى مواقع الفتن خلال بيوتكم كمواقع القطر"** (۱) "آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ مدینہ میں جو قلعے ہیں ان پر تشریف لے گئے اور وہاں ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا

---

(۱) **بخاری: باب أطام المدینة [illegible]**

تمہیں بھی وہ دکھائی دے رہا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے مقامات نظر آیا کرتے ہیں''۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی ذیل میں لکھتے ہیں: **"وقد ظهر مصداق ذلک من قتل عثمان وهلم جرا ولا سيما يوم الحرة"** (۱) ''چنانچہ اس پیشن گوئی کا مصداق حضرت عثمان ؓ کے قتل سے ظاہر ہوا اور پھر سلسلہ چلتا ہی رہا اور بالخصوص حرہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق ہے''۔

جنگ حرہ کا سبب اور واقعہ حرہ

۲) جب انصار مدینہ نے یزید کی مے نوشی و بدکرداری کے سبب اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر روانہ کیا: تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لئے حلال کر دینا، ان دنوں میں فوج کے لئے کھلی چھٹی ہے جو چاہیں وہاں کرتے پھریں، اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں؛ چنانچہ امام طبری نے روایت کیا: **"فقتل جماعة صبرا منهم معقل بن سنان، ومحمد بن أبي الجهم بن عقبه ويزيد بن عبد الله بن زمعة، وبايع الباقين أنهم خول ليزيد"** اس معقل نہ ایک جماعت کو زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دیا جس میں حضرت معقبل بن سنان، محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ (ؓ) بھی تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے زرخرید غلام ہیں اور اللہ کی اطاعت ہو یا معصیت دونوں صورتوں میں اس کا حکم بجالانا ضروری ہوگا اور ساتھ ہی مسلم بن عقبہ کو یزید کا حکم تھا کہ اہل مدینہ سے قتال کے بعد ابن زبیر سے لڑنے کے لئے مکہ معظّمہ کا رخ کرے، مسلم بن عقبہ مردود نے نہایت بے دردی سے ان صحابہ کا قتل عام کر کے مکہ معظّمہ کی طرف چل پڑا، مگر راہ ہی میں فرشتۂ اجل نے آلیا، یزید کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر نے لشکر کی کمان سنبھالی اور مکہ پہنچ کر حرم الٰہی کا محاصرہ کر لیا اور منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی، جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے

---

(۱) **فتح الباري، باب أُماط المدينة**

اور چھت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہم السلام کے دنبہ کے وہ دو سینگ بھی جل کر خاکستر ہو گئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آرہے تھے، یہ اسی دنبہ کے سینگ تھے جو آپ علیہ السلام قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا۔ (۱)

حرمین کی بے حرمتی

۳) مسجد نبوی میں تین دن تک اذاں ونماز نہیں ہوسکی، سعید ابن المسیب ؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے اندر پناہ گزین تھا اور جب بھی نماز کا وقت آتا تھا میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا اور نماز ادا کرلیا کرتا، نیز مسجد نبوی میں ان دنوں گھوڑے باندھے گئے اور وہ مسجد شریف میں لید وپیشاب کرتے رہے اور جب جنگ سے فراغت کے بعد یزیدی عملہ دربار یزید میں آیا تو یزید نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کو اپنا مقرب بنالیا: **"فلما قدم مروان علی یزید شكر له ذلك وأدناه"** (۲) خانہ کعبہ حرم کی حرمت کو پامال کیا گیا، ابرہہ سے نہ ہونے والا فعل یزیدی لشکر نے انجام دینے کی کوشش کی، ۶۳ھ ذی الحجہ میں اور دوسرے قول کے مطابق ذی قعدہ میں مجرم مسلم بن عقبہ نے مدینہ پاک کی بے حرمتی کی اور ۶۴ھ صفر المظفر میں حصین بن نمیر نے مکۃ المکرمہ کی بے حرمتی کی اور یہ سب یزید کے حکم واشارہ پر کیا گیا۔

صحابہ ؓ کے ساتھ بدسلوکی

۴) جلیل القدر صحابی رسول ﷺ سیدنا ابوسعید خدری ؓ کے گھر کا سارا سامان لوٹ لیا گیا اور ان کی ریش مبارک اکھاڑ دی گئی (العیاذ باللہ) طبرانی کی روایت ہے، باروز العبدی فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری ؓ کو دیکھا کہ ان کی داڑھی ایسی ہے کہ نوچنے کی وجہ سے بال کہیں کہیں سے ٹوٹے نظر آرہے ہیں، میں نے کہا: کیا آپ اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے ہیں، یعنی نوچ کر بال نکالتے ہیں؟ آپ ؓ نے فرمایا: نہیں یہ اہل شام کے ظلم کا نتیجہ ہے، زمانہ حرہ میں میرے گھر میں داخل ہوئے اور میرے گھر کا سارا سامان لوٹ لئے اور گھر اجاڑ دئے، اس کے بعد ایک دوسرا گروہ

---

(۱) **فتح الباري:** [illegible] (۲) تاریخ الخلفاء امام سیوط، تذکرہ یزید بن معاویہ

آ کر لوٹنا چاہا پر کچھ نہ ملا تو انہیں خالی ہاتھ واپس جانے پر افسوس ہونے لگا تو کہنے لگے شیخ کی داڑھی نوچ لو، تو ہر (کمبخت) نے میری داڑھی نوچ کر یہ حال بنایا ہے۔ (۱)

واقعہ حرہ اسلام کے بڑے مصائب میں سے ہے

حرہ کی جنگ میں مہاجرین وانصار جو باقی رہ گئے تھے ان کا قتل عام کیا گیا اور افاضل مسلمین، اکابر تابعین میں بہترین مسلمان کھلے دھاڑے ظلماً قتل کر دئے گئے اور گرفتار کر کے ان کو شہید کر دیا گیا، یزیدی لشکر کے گھوڑے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے اور ''ریاض الجنہ'' میں آنحضرت ﷺ کی قبر اور آپ ﷺ کے منبر مبارک کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے رہے، ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک نماز کی بھی جماعت نہ ہو سکی اور نہ بجز حضرت سعید بن المسیب کے وہاں کوئی فرد موجود تھا، انہوں نے مسجد نبوی کو بالکل نہ چھوڑا اگر عمرو بن عثمان بن عفان اور مروان بن الحکم (جو یزید کے سالار لشکر) اور مجرم مسلم بن عقبہ کے سامنے یہ شہادت نہ دی جاتی کہ یہ تو دیوانہ ہے تو وہ ان کو بھی ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ کے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ اس کے غلام ہیں، چاہے وہ ان کو بیچے، چاہے ان کو آزاد کرے اور جب اس کے سامنے ایک صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کے قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا، اس مسرف یا مجرم مسلم بن عقبہ نے اسلام کی بڑی بے عزتی کی، مدینہ میں تین دن تک برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا، رسول ﷺ کے صحابہ ؓ کو ذلیل کیا گیا، ان پر دست درازی کی گئی، ان کے گھروں کو لوٹا گیا، مدینہ طیبہ کو تباہ وتاراج کرنے کے بعد یہ فوج مکہ معظّمہ (شرفہا اللہ) کی طرف چل پڑی، وہاں جا کر مکہ معظّمہ کا محاصرہ کر کے کعبہ پر سنگ باری کر کے ابرہہ کی نیابت ادا کی گئی۔ (۲)

---

(۱) وفاء الوفاء: ۱/ ۱۳۵

(۲) شخصیت یزید اہل سنت کی نظر میں، ص: ۱۸۳

واقعۂ حرہ کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول

واقعہ حرہ از اشنع شائع است کہ در زمانہ یزید واقع شدہ۔ (۱) اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے بہت ہی برے واقعات میں سے ہے۔

سعید ابن المسیب کا قول فتنہ حرہ کے متعلق

صحیح بخاری میں آپ کا قول منقول ہے:

> **"وقعت الفتنة الأولى يعني قتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدرٍ أحدًا ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرة، فلم تبق من أصحاب الحديبية أحدًا"** (۲)
>
> "پہلا فتنہ جب واقع ہوا، یعنی حضرت عثمان کی شہادت تو اس نے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی نہ رکھا (سب شہید ہو گئے) پھر دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرہ جب واقع ہوئی تو اس نے اصحاب بیعت رضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا"

جنگ حرہ میں شہید ہونے والے صحابہ وتابعین کی تعداد

موالی میں سے ساڑھے تین ہزار انصار صحابہ میں سے چودہ سو (۱۴۰۰) فی روایۃ سترہ سو (۱۷۰۰) قریش میں سے تیرہ سو (۱۳۰۰) کل تعداد مہاجر و انصار صحابہ اور جلیل القدر تابعین کی جو شہید ہوئی (۱۷۰۰) ہے، ان کے علاوہ مخلوط لوگ جو شہید ہوئے وہ دس ہزار افراد ہیں اور سات سو حفاظ قرآن شہید ہوئے جن میں ستانوے قریشی تھے۔ (۳)

جنگ قسطنطنیہ سے متعلق حدیث سے خوش فہمی کا ازالہ

بخاری شریف کی روایت ہے: **"أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم"** "میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا، اس کی مغفرت کر دی گئی ہے"۔

---

(۱) **مدارج النبوۃ**، ص: ۱/۲۰۶، طبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء

(۲) **بخاری: باب شهود الملائكة بدرًا**، حدیث: ۳۸۰۰

(۳) تاریخ الخلفاء: ۱/۸۱، [illegible]

غزوۂ قسطنطنیہ سیدنا معاویہ کے دور میں پیش آیا، آپ نے یزید کو اس لشکر کا کمانڈر بنایا تھا اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں وفات پائی، اور اس حدیث میں آپ ﷺ نے فوج کی مغفرت کی خوشخبری سنائی ہے اور یزید فوج کا کمانڈر تھا سو اس کی مغفرت کی بشارت ہے۔

سو اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں:

١) کسی کا نام لے کر اسے جنتی کہنا اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر جنت یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے، سو نام لے کر جنتی کہا جائے تو وہ لامحالہ آپ کی زبان کی برکت سے جنت میں جاوے گا، کسی عموم کے تحت میں داخل ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم ہوئی ہو، ورنہ جو ایک بار کلمہ پڑھ لے، اس کے لئے بھی جنت کی بشارت ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو چاہے محرمات کا ارتکاب کرتا پھرے اس کے لئے تو جنت واجب ہو چکی۔

٢) کسی بھی نیک عمل کے لئے تصحیح نیت ضروری ہے اور جہاد تو افضل ہے، اس کے لئے اعلاء کلمۃ اللہ اور رضائے الٰہی کی نیت ہو؛ تاکہ خوش دلی سے ہو، نہ کہ دوسرے کے دباؤ سے جنگ میں شرکت کرے، صرف امارت کے خیال سے روانہ ہو جائے، یزید پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سختی سے کیا حکم تھا؟ کہ قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کرے، جب کہ وہ صحابہ کی مشقت کی خبریں سن کر ان کا مذاق اڑاتا، اپنے عشرت کدہ میں مزے اڑا رہا تھا۔ (١)

حدیث قسطنطنیہ اور محدث دہلوی کی تحقیق

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ "**تراجم أبواب بخاری**" میں فرمایا ہے کہ:

"قوله: "مغفور لهم" تمسک بعض الناس بهذا الحديث في نجاة يزيد؛ لأنه كان من جملة هذا الجيش الثاني بل كان رأسهم ورئيسهم على ما يشهد به التواريخ والصحيح أنه لا يثبت بهذا

---

(١) تفصیل کے لئے تاریخ ابن خلدون: ٣/٢٠، **الکامل لابن أثیر: ٣/٢٨١**، ملاحظہ ہو۔

الحديث إلا كونه مغفوراً له ما تقدم من ذنبه على هذه الغزوة، لأن الجهاد من الكفارات وشأن الكفارات إزالة آثار الذنوب السابقة عليها لا الواقعة بعدها، نعم لو كان مع هذا الكلام أنه مغفور له إلى يوم القيامة لدل على نجاته، وإذ ليس فليس، بل أمره مفوض إلى الله تعالىٰ فيما ارتكبه من القبائح بعد هذه الغزوة من قتل الحسين عليه السلام وتخريب المدينة والإصرار على شرب الخمر إن شاء عفا عنه وإن شاء عذبه كما هو مطرد في حق سائر العصاة على أن الواردة في شأن من استخف بالعترة الطاهرة والملحد في الحرم والمبدّل للسنة تبقى مخصصات لهذا العموم لو فرض شموله لجميع الذنوب"(۱)

''حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اس حدیث میں **"مغفور لهم"** فرمانے سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے؛ کیوں کہ وہ بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ افسر وسربراہ تھا، جیسا کہ تاریخی شہادتیں ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے گناہ کئے تھے وہ بخش دئے گئے؛ کیوں کہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کردیتے ہیں، بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو نہیں، ہاں اگر اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا ہوتا کہ قیامت تک کے لئے اس کی بخشش کردی گئی ہے، تو بیشک یہ حدیث اس کی نجات پر دلالت کرتی اور جب یہ صورت نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں؛ بلکہ اس صورت میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے، اور اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب

---

(۱) شرح تراجم أبواب بخاری ص ۱۱: ۳-۱۲-۱۳، شائع کردہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی

ہوا ہے، یعنی حضرت حسین ؓ کو قتل کرنا، مدینہ طیبہ کو تاراج وبرباد کرنا، مے خوری پر اصرار کرنا، ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، وہ چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو عذاب دے، جیسا کہ تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی قاعدہ جاری ہے، علاوہ ازیں وہ احادیث جو ان لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضور ﷺ کی عترت طاہرہ کی ناقدری کرے اور حرم کی حرمت کو پامال کرتے، اور سنت نبوی کو بدل ڈالتے ہیں، وہ سب حدیثیں بالفرض اس حدیث میں اگر ''مغفرت عام'' بھی مراد لی جائے جب بھی اس کے عموم کی تخصیص کے لئے باقی رہیں گے''

قرۃ العینین، ص: ۲۴۱ پر فرماتے ہیں: ''یزید ان بارہ خلفاء کے درمیان سے ساقط ہے؛ اس لئے کہ عرصہ تک اس کی سلطنت مضبوط نہ ہوئی تھی، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بُری سیرت کا مالک تھا۔

حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی ؒ کی تحقیق

خواب رسول اللہ ﷺ درباب یزید وجہادش در بیت ام ملحان ؓ کی حضرت محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اُجمعین یک بار دو بار خفتند و بیدار شدند وہر بار خندیدند ودروجہ خندہ فرمودند (کہ) جماعتے از امتیاں خودرا دیدہ ام کہ در دریا جہاد میکنند ودرشان اوشان فرمودہ اند، **ملوک علی الأسرۃ أو مثل الملوک علی الأسرۃ،** صداق خواب ثانی ہمیں یزید وہمراہیانش برآمدند؛ چنانچہ بہ تاریخ داناں وحدیث خواناں پوشیدہ نیست، غایۃ مافی الباب بسب خرابیائے پنہاء کہ داشت ہچو منافقاں کہ در بیعت الرضوان شریک بودند وبوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشاں نشد یزید ہم ازفضائل ایں بشارت محروم شد'' (۱)

''رسول اللہ ﷺ کا خواب یزید اور اس کے رفقاء کے بارے میں ام

---

(۱) شہادت امام حسین اور کرداری یزید، ص: ۷۷

ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ایک مرتبہ دو دفعہ سوئے اور جاگے اور ہر مرتبہ ہنسے اور ہنسی کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی امت کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ دریا میں جہاد کر رہے ہیں اور ان کی شان میں (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ وہ تخت نشین بادشاہ ہیں یا تخت نشین بادشاہوں کی طرح ہیں، دوسرے خواب کا مصداق یہی یزید اور اس کے ساتھی ظہور میں آئے؛ چنانچہ تاریخ جاننے والوں اور حدیث پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اس بارے میں پوشیدہ خرابیوں کے باعث کہ یزید رکھتا تھا، منافقوں کی طرح جو کہ بیعت رضوان میں شریک تھے اور نفاق کی وجہ سے اللہ کی خوشنودی ان کو نصیب نہ ہوئی، یزید بھی اس بشارت کی فضیلتوں سے محروم رہا''

حکیم الاسلام قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق

ہمیں نہ اس حدیث سے انکار ہے اور نہ اس سے کہ یزید اس کے عموم میں داخل ہے، اگر وہ اس غزوہ میں شامل تھا؛ لیکن ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے، ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری حدیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے، جو ہم نے ابھی پیش کی ہیں، جن میں خبر دی گئی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی اور یہ کہ یہ ۶۰ھ کا دور ہوگا، جس میں یزید کی امارت قائم ہوئی اور اس کے افعال سے علماء نے متعین کر دیا کہ حدیث کی اس عمومی جزء کا مصداق یزید ہے، پیش کردہ روایت کے عموم نے اگر یزید کو وعدۂ مغفرت میں شامل کیا تھا تو ہماری پیش کردہ روایت کے عموم نے اسے اس وعدہ سے خارج کر کے وعید میں شامل کر دیا۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

''دوسرے یہ کہ یہ حدیث عام ہے، بلاشبہ اس کا وعدہ مغفرت بھی جہاد قسطنطنیہ

کے ہر شریک کے لئے عام ہے، جن میں یزید بھی داخل ہے مگر انہی قدرتی شرائط کے ساتھ جو طبعاً ایسے مواقع پر قواعد شرعیہ کے تحت ملحوظ ہوتی ہیں، مثلاً حدیث نبوی میں ارشاد ہے، "**امتی امۃ مرحومۃ**" میری امت امت مرحومہ ہے (جس کے تمام افراد کے لئے جو قیامت تک آنے والے ہیں رحمت اور مغفرت موعود ہے) مگر اسی شرط کے ساتھ کہ وہ امت اجابت میں شامل رہیں، اگر معاذ اللہ کوئی مرتد ہو کر امت دعوت میں چلا جائے، تو دوسری نصوص سے اس حدیث کی تخصیص ہو جائے گی، اور وہ فرد اس وعدہ سے خارج ہو جائے گا، اس سے اس حدیث کا یہ وعدہ قدرتی طور پر بشرط بقاء اجابت ہوگا، مطلقاً نہ ہوگا، اسی طرح یہاں بھی جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء کے لئے، وعدہ مغفرت عام ہے، مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ انہی قلبی کیفیات و احوال اور باطنی نیات و جذبات پر باقی رہیں جن کے ساتھ انہوں نے اس وقت جہاد کیا تھا؛ لیکن بعد میں اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقوی کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم مغفرت بھی اس خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔

مثال کے طور پر مسلم و بخاری ہی کی روایت کو لے لیجئے کہ آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے، مگر نوشتہ تقدیر سامنے آ جاتا ہے، اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے، اور ایسے ہی برعکس، ظاہر ہے کہ یہ جنت و نار کی تبدیلی احوال کی تبدیلی ہی پر دائر ہے، اندریں صورت اس شخص کے نیکی کرتے رہنے کے دور میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے؛ لیکن غور کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے، وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائیگا، اور یہ شخص بھی جہنمی کہلانے لگے گا۔

ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا، جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے، "**إلیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه**" جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت

بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی، اب اگر بدلے ہوئے حالات میں بھی کوئی پہلے ہی حکم کی رٹ لگائے جائے تو یہ شریعت کے اصول وقوانین کا معارضہ ہے، پس جب یزید کا اچھا حال تھا تو بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔ (۱)

خیر القرونی قرنی والی حدیث کی وجہ سے یزید خیریت کا مصداق ہے یا نہیں؟

لاکھ کوششوں کے بعد بھی جس طرح کفر سرزد ہو جانے پر کوئی نیکی کارآمد نہیں رہتی ایسے ہی فسق کی بعض حرکتیں یا بے ادبی اور گستاخی کی بعض انواع سرزد ہو جانے پر کوئی نیکی کارآمد نہیں رہتی اور نہ ہی مقبولیت عند اللہ باقی رہتی ہے یہ اصول عقلی بھی، شرعی بھی اور طبعی بھی ہے کوئی جذباتی بات نہیں اسی میں یزید گرفتار ہوا اس کے ایک ہی فسق (قتل حسین) نے اس کی ساری خوبیوں کو خاک میں ملا دیا، اس کے حصہ میں آنے والے سارے خیر سے اسے محروم کر دیا۔

خیر القرون قرنی (میرا زمانہ بہتر زمانہ ہے) کا مصداق آپ کے متبعین وصحابہ ہیں ورنہ اگر یہ خیر اتنا مطلق وعام ہوتا تو پھر آپ ﷺ کے زمانہ میں ابوجہل، عتبہ شیبہ، عبداللہ بن ابی، کعب بن اشرف جیسے ملعون بھی تھے، انہیں بھی وہ خیر ملے گا، ظاہر ہے کہ کسی عقلمند کے نزدیک یہ خیر ان کے نصیبہ میں نہیں گردانتا ہے، اسی طرح عہد صحابہ کا خیر انہیں مقدس ہستیوں کے حق میں آئیگا جو مطیع ومتقی ہوں ورنہ یزید کے ساتھ تمام فساق بھی اس خیر کے مصداق ہوں گے۔

کسی نیک عمل پر جنت ومغفرت کا وعدہ یا بشارت اور کسی عہد کے باشندوں کو خیر کا مژدہ اپنی قیود کے ساتھ ہے کہ کوئی مانع بدعقیدگی و بدعملی کی شکل میں نہ پایا جائے، جب کہ حدیث قسطنطنیہ کے بارے میں تفصیل سے گزر چکا وہ ساری تفصیل یہاں بھی جاری ہوسکتی ہیں کہ یہ خیر و بشارت دیگر محرمات وممنوعات سے اجتناب کی صورت میں ہے ورنہ یہ مقدمہ عقلا بھی محال ہے کہ کوئی شخص کسی حدیث کے عموم کا مصداق اس حال میں بھی ہوجاتا ہے، جبکہ وہ دوزخی اعمال، مثلاً: شراب، ترک صلاۃ، قتل ناحق، ناچ گانا، تذلیل

---

(۱) **تنقیحات حکیم الاسلام** ص ۲۲۲

صحابہ، وغیرہ بھی کرلے پھر بھی وہ خیر کا مصداق ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند اس کا قائل نہیں ہوسکتا، ورنہ ہر بدعقیدہ و بدعمل شخص بھی اس کا مصداق بن جائیگا، سو پتہ چلا کہ دیگر ممنوعات کے اجتناب کی شکل میں یہ چیز مقدر میں آتی ہے اور ہم بیان کرچکے ہیں کہ یزید کا عقیدہ وعمل دونوں خراب تھے۔

بالفرض تسلیم محال کی صورت میں اگر اس کے حق میں اس حدیث کی روشنی سے کوئی خیر آیا بھی ہو تو یہ یزید پلید کے فسق وفجور کے مقابلہ میں جو اس کے سر آیا ہے ھباءً منثورا ہو گیا ہے، اور یہ بات اصول شرع سے واقف اور یزید کے بدکردار سے باخبر شخص پر مخفی نہیں ہے۔

اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا ایسی مذموم حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے؛ چنانچہ محدث ملا علی قاری، مشکوۃ کی شرح، مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

”فضل أهل البيت و ذم من حاربهم امر مجمع عليه عند علماء السنة و اكابر ائمة“ اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر ائمہ امت کے نزدیک۔ (۱)

یزید کا انجام بد

یزید نے حضرت حسین ؓ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر حق تعالی کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین ؓ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج عینی سادات اقالیم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں؛ لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا، حافظ ابن کثیر نے **”البداية والنهاية“** میں یزید بن معاویہ کی بیس صلبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے: **”وقد انقرضوا كافة فلم يبق ليزيد عقب“** سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچا۔

---

(۱) **مرقاة المفاتيح: باب مناقب أهل البيت: ۱۸/ ۲۸**

اور حافظ ابن کثیر ہی کے الفاظ ہیں:

”فإنه لم يمهل بعد وقعة الحرة وقتل الحسين إلا يسيرا حتى قصمه الله الذي قصم الجبابرة قبله وبعده، أنه كان عليما قديرًا“ (۱)

”سو بلا شبہ واقعہ حرہ اور قتل حسین کے بعد یزید کو ڈھیل نہ دی گئی، مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے، بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت والا ہے“

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”ثم مات قبحه الله ثم اتبعه الله بيزيد بن معاوية فمات بعده في ربيع الأول لأربع عشرة ليلة خلت منه فما منعهما الله بشيء مما رجوه واملوه بل قهرهم القاهر فوق عباده وسلبهم الملك ونزعه“

”پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے مر گیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد ۱۴/ ربیع الاول کو مر گیا اور ان دونوں کو جو امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی؛ بلکہ اس ذات قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور ان کی بادشاہی سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے چھین لی، جو جس سے چاہتا ہے اس کی سلطنت چھین لیتا ہے“ (۲)

یزید کی موت

یزید کی موت ۱۵/ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو واقع ہوئی، اس وقت اس کی عمر کچھ اور تیس سال تھی، اس کی ماں کا نام میسون بنت بجدل کلبیہ تھا، یزید کی مدتِ حکمرانی کل

---

(۱) **البداية:** ۸/ ۲۳۷ (۲) **البداية:** ۸/ ۲۳۷

تین سال آٹھ ماہ اور کچھ دن تھی۔ (١)

خود ہی فیصلہ کیجئے

ہم نے یزید پلید اور اس کے اعمال بد کے سلسلہ میں ''صحیح بخاری'' کی احادیث میں جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اب ان احادیث کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس کے نیک ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے یا اس کے اعمال بد سے نفرت کرنا، واقعی اگر وہ غزوہ قسطنطنیہ میں شہید ہو جاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی؛ لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے جب تک کہ اس کے ہاتھوں حرمین محترمین (زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً) کی حرمت پامال نہ ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عترت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں، سوچئے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کاموں پر ہوا تو وہ لعنت کا مستحق ٹھہرے گا یا رحمت کا حقدار؟

* * *

---

(١) **المرتضی**، ص: ٣٧۴

فہرست مآخذ ومراجع

۱	روح المعانی	علامہ آلوسی	زکریا بکڈپو دیوبند
۲	احکام القرآن	امام ابوبکر جصاص	طبع کتب خانہ رشیدیہ لاہور
۳	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	زکریا بکڈپو دیوبند
۴	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	
۵	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	
۶	بخاری شریف	امام محمد بن عبد اللہ بخاری	زکریا بکڈپو دیوبند
۷	مسلم شریف	مسلم بن حجاج نیساپوری	
۸	ترمذی شریف	ابو عیسیٰ الترمذی	
۹	الترغیب والترہیب	عبد العظیم المنذری	
۱۰	شرح مسلم	امام نووی	زکریا بکڈپو دیوبند
۱۱	فتح الباری	علامہ ابن حجر عسقلانی	زکریا بکڈپو دیوبند
۱۲	البدایۃ والنہایۃ	حافظ عماد الدین	مکتبہ دار الفکر عربی
۱۳	احیاء العلوم	امام غزالی	زکریا بکڈپو دیوبند
۱۴	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	مکتبہ حجاز دیوبند
۱۵	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ناشر: حافظی بکڈپو دیوبند
۱۶	تاریخ الخلفاء	علامہ سیوطی	فرید بک ڈپو
۱۷	مکتوبات امام ربانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی

۱۸	شرح عقائد	علامہ سعد الدین تفتازانی	
۱۹	نبراس علی شرح العقائد		مطبوعہ روزبازار امرتسر ۱۳۱۸ء
۲۰	درمختار	علامہ حصکفی	
۲۱	معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانی	
۲۲	اسد الغابہ	علامہ جزری (ابن اثیر)	
۲۳	تاریخ الخمیس	حسین بن محمد الدیاربکری	
۲۴	حیاۃ الحیوان	علامہ دمیری	مکتبہ فیصل
۲۵	فتاوی رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	مکتبہ تھانوی دیوبند
۲۶	فتاوی دار العلوم دیوبند	حضرت مفتی شفیع صاحب	شائع کردہ دار العلوم دیوبند
۲۷	امداد الفتاوی	مولانا اشرف علی تھانوی	زکریا بک ڈپو دیوبند
۲۸	مکتوبات شیخ الاسلام	مولانا سید حسین احمد مدنی	مکتبہ دینیہ دیوبند
۲۹	تنقیحات حکیم الاسلام	حکیم الاسلام قاری طیب	فرید بک ڈپو دہلی
۳۰	تکمیل الایمان	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	طبع مجتبائی دہلی
۳۱	حادثہ کربلا کا پس منظر	محقق عصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی	ادارہ اشاعت دینیات نظام الدین، دہلی
۳۲	المرتضی	مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام دہلی
۳۳	حضرت امیر معاویہ اور تاریخی حقائق	مولانا تقی عثمانی صاحب	
۳۴	شہید کربلا	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب	
۳۵	بدعات محرم اور تعزیہ داری	مولانا محمد یاسین قاسمی	مکتبہ فاروقیہ لکھنؤ
۳۶	غنیۃ الطالبین	شیخ عبد القادر جیلانی	کتابستان بک ڈپو
۳۷	سچ (ہفتہ واری مجلہ)	عبد الماجد دریا آبادی	طبع لکھنؤ، جولائی ۱۹۳۵ء

۳۸	یوم عاشورہ فضیلت و حقیقت اور عمل خیر	مولانا خالد فیصل ندوی	نائسر رضی، لکھنؤ
۳۹	شہید کربلا اور ماہ محرم، فضائل و مسائل	مولانا الیاس گھمن	فیضی کتب خانہ سعید آباد، حیدر آباد
۴۰	فتاوی عبدالحی	علامہ عبدالحی لکھنوی	مکتبہ تھانوی دیوبند
۴۱	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	طبع: نول کشور لکھنؤ
۴۲	اصلاحی خطبات	مفتی تقی عثمانی	

◆